

ہر گل کو بارغِ دہریں کھٹکا ہے خار کا  
ابجھا ہوا خزاں سے ہے دامنِ بہار کا

# حضرت مجدد

افغان

## اُن کے ناقدین

ابو الحسن زید فاروقی - شاہ ابوالخیر مارگٹہ دہلی



ہر گل کو بارغِ دہریں کھٹکا ہے خار کا  
ابھا ہوا جزاں سے ہے دامنِ بہار کا

حضرت مجدد

فنا

اُن کے ناقدین

ابو الحسن زید فاروقی - شاہ ابوالخیر مارگ - دہلی



حضرت مجددؒ اور اُن کے ناقدین

## جملہ حقوق محفوظ

بار اول

۱۳۹۷ھ - ۱۹۷۷ء

کتاب کا نام : حضرت مجددؒ اور اُن کے ناقدین

صفحات : ۲۵۶

مصنف : حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی دامت برکاتہ (فاضل ازہر)

مہتمم : ڈاکٹر محمد ابوالفضل فاروقی (ڈائریکٹر)

طابع و ناشر : شاہ ابوالنخیر اکاڈمی

درگاہ حضرت شاہ ابوالنخیر قدس سرہ

شاہ ابوالنخیر مارگ - دہلی - ۶

کتابت : محترم منظور الدین ۱۹۷۵ء سیاحل دہلی

ایک ہزار

پندرہ روپے

قیمت



## فہرست کتاب "حضرت مجددؒ اور اُن کے ناقدین"

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۷۸	نعمتوں کا اظہار	۳	فہرست
۸۰	شیخ اکبر اور حضرت مجددؒ کے نظریات	۵	علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے لکھا ہے
۸۵	دونوں کے نظریات میں فرق	۶	شیخ عبدالحق نے لکھا ہے
۸۸	ازالہ فرق کی کوشش	۷	شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے
۹۰	آپ کے زمانے کی مذہبی حالت	۸	اقبال برہنہ حضرت مجددؒ
۹۱	مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریر	۹	حضرت مجددؒ کے مکتوب کا عکس
۹۱	خواجہ کلاں کی تحریر	۱۰	استنتاج
۹۲	مولانا ذکا رائے کی تحریر	۱۱	تعارف
۹۳	جناب شیخ عبدالحق کی تحریر	۱۲	گزارش احوال
۹۴	حضرت مجددؒ کی تحریرات	۲۲	پہلا حصہ - حضرت مجددؒ الف ثانی
۱۰۳	قباحتوں کی تفصیل	۲۶	وصول بکچہ الامال
۱۰۵	مجدد کس کو کہتے ہیں	۲۸	حضرت خواجہ باقی باللہ کا بیان
۱۰۸	حدیثِ صلہ	۳۰	حضرت خواجہ کے چار رقصات
۱۱۰	شواہد تجدید	۳۶	حضرت خواجہ سے محبت اور ان کا ادب
۱۱۰	۱- استیصال اکبری الحاد	۴۰	اتباع سنن و عزائم امور
۱۱۱	۲- رد ملحدین صوفیہ	۴۵	ایک شبہہ
۱۱۱	۳- رد بے باک علماء	۴۶	آپ کی تالیفات
۱۱۱	۴- رد جاہل صوفیہ	۵۰	آپ کے مکتوباتِ قدسی آیات
۱۱۱	۵- افراطِ عقیدت	۵۳	احیائے سنت کی تحریک
۱۱۲	۶- کثرت و قلتِ خوارق	۵۷	رابطہ
۱۱۳	۷- رہبانیت سے یوگیت	۶۰	کمالات کا اظہار
۱۱۶	محمد غوث گویاری	۶۳	ادبیائے حق
۱۱۷	کتاب بحر الحیات	۶۷	حضرت شیخ اکبر
۱۱۸	کتاب مجمع البحرین	۶۹	دعائیں کا بیان
۱۱۹	۸- وحدت وجود و وحدت شہود	۷۱	مرد میدان
۱۱۹	۹- طریقت و حقیقت خادانِ شریعت	۷۳	توحید کا مسئلہ
۱۲۳	آپ کی مخالفت	۷۴	توحید وجودی و شہودی
۱۲۳	مفتی غلام سرور کا بیان	۷۶	روحی سیر کا بیان



نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۱۹۰	ظواہر۔ نماز، روزہ	۱۲۳	شیخ بدرالدین کا بیان
۱۹۱	جہانگیر کا بیان	۱۲۴	داراشکوہ کا بیان
۱۹۳	روح کی عظمت	۱۲۶	شاہ فتح محمد کا بیان
۱۹۶	شیخ فرید کے نام مکاتیب	۱۲۹	عبد اللہ خویشگی کی تحریر
۱۹۹	فضولیت کا نمونہ	۱۳۱	ایک مکتوب
۲۰۲	خوشامد کی آمیزش	۱۳۱	جناب شیخ عبدالحق کا اختلاف
۲۰۳	شیخ فرید بخارا کے شید تھے	۱۳۲	مقام ایقان
۲۰۵	حضرت خرقانی اور حکیم ابوعلی سینا	۱۳۷	جناب شیخ کے متعلق
۲۰۷	حضرت مجدد کو صالح المومنین کیلئے چھوڑ دو	۱۴۱	مکتوب شیخ کا کچھ بیان
۲۰۸	ضمیمہ۔ انوار الحق کی کتاب	۱۵۵	اخلاص نامہ
۲۰۸	انوار الحق کی تحریر	۱۵۸	حضرت مجدد کی گرفتاری اور اس کا مال
۲۱۳	اظہار خیال	۱۶۰	نظر بندی
۲۱۴	رد شیعہ اور کفار و اراک حرب	۱۶۲	ارادتمندوں کی غلطی
۲۱۷	اطلاقات علماء کا بیان	۱۶۳	جہانگیر کو ترویج شریعت کا خیال
۲۱۹	حضرت مجدد اور حضرات صوفیہ	۱۶۵	ایک سوال
۲۲۱	کعبہ کی بتوں سے تطہیر	۱۶۷	عرض نیاز عبدالسلام اٹیم
۲۲۲	سرہند کی بربادی	۱۶۸	دوسرا حصہ
۲۲۴	حضرت مجدد کی تحریک احيائے دین	۱۷۱	اٹھ عباس رضوی کی کتاب
۲۲۵	سید احمد شہید کی تحریک	۱۷۱	سید صباح الدین عبدالرحمن کا تبصرہ
۲۲۵	مولانا محمد ایاز کی تحریک	۱۷۳	کتابیات کی حقیقت
۲۲۷	دوسرا ضمیمہ۔ ایک مکتوب	۱۷۴	مصنف کا مبلغ علم
۲۲۷	مولانا شہاب کا بیان	۱۷۵	مصنف کی غیر جانبداری
۲۲۷	حدیث دل پر کہ گویم	۱۷۶	پیشواؤں کو برا کہنے کی ٹہم
۲۲۸	کتاب روضہ قیومیہ	۱۷۷	سب و شتم کی بارش
۲۳۰	حرف دل	۱۷۹	شبیر احمد خاں غوری کا تبصرہ
۲۳۳	نظر بر کلام شہاب	۱۸۱	یو حنا فریڈمان کی تحریر
۲۳۳	مختصر احوال حضرت محمد سیف الدین	۱۸۲	رضوی کا مفروضہ دعویٰ بلا دلیل ہے
۲۳۷	آئینہ جہاں نما	۱۸۳	تبصرہ بر کتاب اکیم۔ عجیب
۲۳۷	دو واقعات	۱۸۶	جہانگیر کا خود میلان
۲۵۲	بڑے گل ربانی	۱۸۹	مکتوب کا غلط حوالہ اور جھوٹے الزامات
۲۵۴	مراجع کتاب		



## حضرت مجددؒ کے بارے میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے لکھا ہے

”قدح کردن در سخن بزرگان بے مراد ایشان جہل است و نتیجہ نیک نہ دارد، پس  
ردّ کلام شیخت پناہ عرفان دستگاہ شیخ احمد از جہل و نا فہمیدگی است“  
علامہ روزگار عبدالحکیم سیالکوٹی  
ماخوذ از ہدیہ مجددیہ کا از رسالہ کشف الغطاء نقل کردہ  
از حضرت محمد فرخ نسیرہ حضرت مجددؒ  
بزرگوں کے کلام پر ان کی مراد اور مقصد کے خلاف اعتراض کرنا نہایت جہالت  
ہے اور اس کا نتیجہ بُرا ہوتا ہے۔ لہذا شیخت پناہ عرفان دستگاہ شیخ احمد کے کلام  
کو رد کرنا جہالت اور نا سمجھی ہے۔



## حضرت مجدد کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے

نسبتِ این فقیر دریں آیام و صفایے باطن بہ خدمت ایشان از حد متجاوز است و اصلاً  
پروہ بشریت و غشاوہ جبلت در میان نہ مانده، نہ می داند کہ از کجا است سبحان اللہ مقلب  
القلوب و مبدل الأحوال۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

ماخوذ از کتاب بشارات منظری

(ترجمہ) ان دنوں شیخ احمد سے اس فقیر کا تعلق اور اس کے دل کی صفائی حد سے زیادہ ہے۔  
آپس کے تعلقات میں بشریت اور جبلت کا کوئی پردہ یا حجاب حائل نہیں رہا۔ فقیر نہیں  
جانتا کہ کس بنا پر یہ صورت ہوئی، پاک ہے اللہ دلوں کا پلٹنے اور حالات کا بدلنے والا۔



## حضرت مجدد کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے

لَقَدْ جَرَتْ عَلَى الْإِمَامِ قَدَسَ سِرُّهُ سُنَّةُ اللَّهِ وَعَادَتُهُ فِي أَنْبِيَائِهِ مِنْ قَبْلُ  
بِإِذَاءِ الظَّالِمَةِ وَأُمُتِدَّ عَيْنٌ وَإِنْكَارُ الْفُقَهَاءِ الْمُتَقَشِّفِينَ وَذَلِكَ لِيزِيدَ  
اللَّهُ فِي دَرَجَاتِهِ وَيُلْحِقَ بِهِ الْحَسَنَاتِ مِنْ بَعْدِ وَفَاتِهِ - لَا يُجِبُّهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ  
تَقِيٌّ وَلَا يُبْغِضُهُ إِلَّا فَاجِرٌ شَقِيٌّ -

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی  
ماخوذ از رسالہ "ترجمۂ احوالِ اِمامِ التَّربَّانی"

بر حاشیہ مکتوبات عربی

(ترجمہ) "اللہ تعالیٰ کا جو طریقہ اور اس کی جو عادتِ مستمرہ اپنے انبیاء کے ساتھ رہی ہے اُسی  
کو اس نے حضرت مجدد کے ساتھ برتا ہے کہ ظالموں اور مبستد عین نے آپ کو ایذا پہنچائی  
اور متقشف فقہانے آپ کا انکار کیا، تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے اور  
آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنات میں اضافہ ہو۔

مؤمن ہی کو آپ سے محبت ہوگی اور شقی فاجر ہی کو آپ سے عداوت ۛ



اقبال در حضورِ حضرت مجددؒ

حاضر ہوا میں شیخ مجددؒ کی تحدید

وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں نثر مندہ ستار

اس خاک میں پوشیدہ ہے ہزار اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار

وہ ہند میں سرمایہٴ ملت کا نگہبان

اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

لے ہو سکتا ہے کہ علامہ اقبال نے گرمیِ احرار سے اشارہ حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار کے اس طریقہ کی طرف کیا ہو جس کا بیان مولانا جامی نے نفحات الانس میں کیا ہے اور جس کا احیاء ہندوستان میں حضرت خواجہ باقی باللہ نے کیا اور حضرت مجددؒ نے اس کو فروغ دیا۔







# افتاحیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَارْحَمْ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلٰی مَنْ اَنْزَلْتَ عَلَیْهِ  
اے اللہ اس پر درود اور رحمت اور برکت اور سلام بھیج جس پر تو نے اتاری ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ فَلَکَ  
سب تعریف اللہ کو جو صاحب سارے جہان کا ، بہت مہربان نہایت رحم والا ؛ مالک

یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِهْدِنَا  
انصاف کے دن کا ، تجھی کو بندگی کریں اور تجھی سے مدد چاہیں ، چلا ہم کو

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۝  
راہ سیدھی ، راہ اُن کی جن پر تو نے فضل کیا ہے

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ ۝  
نہ جن پر غصہ ہوا اور نہ بہکنے والے

۱۵ جو کہ تیرے چمٹے ہوئے نیک بندے ہیں ، جن کی یاد کرتے وقت تو یاد آتا ہے۔

۱۶ جو یسین اور ماوے کے پرستار ہو کر بھٹک گئے ہیں۔



# تعارف

از

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی مدظلہ العالی

بے تحاشا مصروفیتوں اور مسلسل سفروں کی وجہ سے "حضرت مجدد اور ان کے ناقدین" کو اگرچہ اطمینان سے نظر ڈالنے کا موقع نہیں ملا اور کتاب کے جتے جتے حصے ہی دیکھ سکا، لیکن جتنا کچھ دیکھ سکا، اس کی روشنی میں بے تاثر کہا جاسکتا ہے کہ "حضرت مجدد اور ان کے ناقدین" اپنے رنگ کی محققانہ بلکہ مختلف حیثیتوں سے لاجواب تالیف ہے جس میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات، ان کی غیر معمولی اصلاحی خدمات، مجددانہ کارناموں اور پیغام حق و صداقت کو نہایت مؤثر اور سادہ قالب میں پیش کیا گیا ہے اور جدید ذہن کے ناقدوں نے وقت کے اس مجدد اور امام ربانی پر جو بے باکانہ اور بے رحمانہ حملے کئے ہیں، ان کی ممانعت سنجیدہ امتین اور بالغ و پُر حکمت انداز میں کی گئی ہے۔ حضرت مجدد سرہندی پر اردو، انگریزی میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں اور ان کے نظریات کو تحقیق کی کسوٹی پر کسا گیا ہے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ جس خطار کو جناب مؤلف نے پُر کیا ہے وہ ابھی تک پُر نہیں ہو سکا تھا۔ حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید صاحب مسائل تصوف کا عام طور پر اور طریقہ مجددیہ کا خاص طور پر نہایت پختہ اور گہرا مذاق رکھتے ہیں، اس لئے ان کے قلم سے جو کچھ نکلا ہے، قدرتی طور پر اس میں حقیقت کا عکس جلوہ گر ہے اور ان کے بیان میں ایک صاحب خانہ کے انداز بیان کی جھلک نظر آتی ہے۔ ڈھائی سو صفحات کی اس محققانہ تالیف میں ایک سو سے زیادہ عنوانات ہیں اور ہر عنوان اپنے اندر ایک خاص کشش رکھتا ہے۔ مباحث کتاب کی ترتیب میں کم سے کم ۶۶ مقبرہ و مستند کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فاضل مؤلف نے کتاب کی ترتیب تہذیب میں کتنی غیر معمولی کاوش سے کام لیا ہے۔

یوں تو پوری کتاب ہی خزینہ معلومات ہے اور اس کا ایک ایک باب پڑھنے کے لائق ہے لیکن وہ حصہ جس میں حضرت مجدد صاحب کے زمانے کے حالات قلم بند کئے گئے ہیں نہ صرف معلومات افزا ہے بلکہ عبرتوں کے دفتر اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ عبدالحق محدث، خواجہ کلان، مولانا ذکا اللہ مولانا ابوالکلام آزاد اور خود حضرت مجدد صاحب کی جو تحریریں اور بیانات پیش کئے گئے ہیں ان کو پڑھ کر اُس دور کی مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں فاضل مؤلف نے حضرت مجدد صاحب کے مکتوبات کے جو



بصیرت افروز اقتباسات درج کئے ہیں وہ خاص طور پر مطالعہ کے قابل ہیں اور اس کاوش و عرق ریزی کے لئے فاضل مؤلف مبارک باد کے مستحق ہیں۔

فاضل مؤلف نے مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک تحریر جو ان کی کتاب "تذکرہ" سے نقل کی ہے وہ لائق ملاحظہ ہے۔ مولانا آزاد نے حضرت مجدد کے زمانہ میں عام مذہبی حالات کی جو دردناک کیفیت تھی، مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اکبر نے تمام عالمین مذہب کا یہ حال دیکھا تو سرے سے مذہب ہی کو خیر باد کہنا چاہا۔ خود ابوالفضل و فیضی کو بھی انہی لوگوں نے اپنی ہوا پرستیوں اور ظلم و عدوان کے نمونے دکھلا کر اس طریقہ میں آنے کی دعوت دی تھی جس کی بے اعتدالیاں دیکھ دیکھ کر وہ خود بھی متاسف ہوتے ہوئے کہ مقصود کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا۔ انھوں نے علماءِ مسور کے غرور و پندار کا بُت توڑنے کے لئے ایک دوسرا بُت تیار کیا جس کا نام اکبر تھا لیکن آگے چل کر خود اُسی بُت کی پرستش شروع ہو گئی۔"

حضرت مجدد صاحب کے طریقِ فکر اور خاص خاص نظریوں میں توحید و جودی اور توحیدِ شہودی کا مسئلہ ایک نازک اور معرکہ الارام مسئلہ ہے اور نظریوں کے اختلاف کے اس مرحلہ پر مشہور محقق اور عارف شیخ اکبر محمدی الدین ابن عربی اور حضرت مجدد کے نظریوں کا ٹکراؤ ذہنی تشویش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس عنوان کے تحت دونوں نظریوں کے فرق کی وضاحت اور اس فرق کے ازالہ کی کامیاب کوشش فاضل مؤلف نے کی جو آخر میں ہم "گزشتہ احوالِ واقعی" کا ایک حصہ نقل کرتے ہیں جس سے کتاب کے مقصدِ تالیف پر خاطر خواہ روشنی پڑتی ہے۔

"عام طور پر جھوٹ اُسی وقت تک پھلتا پھولتا ہے جب تک اس کی حقیقت ظاہر نہیں ہوتی، جب اس کا اظہار ہو جاتا ہے تو اُس کی وقعت نہیں رہتی اور نہ کوئی اس کو زبان پر لاتا ہے، لیکن حضرت مجدد کے معاملہ میں یہ صورت نہیں ہوئی بلکہ جو پست تارہ کذب و افتراء نے چار سو سال قبل ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو رہا تھا وہ آج تک اپنا رنگ رُوپ بدل بدل کر سامنے آرہا ہے، اگر پہلے اس کام کو وہ افراد سر انجام دے رہے تھے جن کا تعلق مدارسِ عربیہ سے تھا تو اب یہ خدمت اُن لوگوں نے سنبھال لی ہے جو کالجوں سے اُبرتے ہیں۔ اگر پہلے اس جھوٹ کا بیان عربی یا فارسی زبان میں ہوا کرتا تھا تو اب ہندی یا انگریزی میں ہو رہا ہے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر مجھ کو یہ شعر یاد آ جاتا ہے۔

بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من اندازِ قدرتِ رامی شناسم

اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے خوب لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا جو طریقہ اور اس کی جو عادتِ مستمرہ اپنے انبیاء کے ساتھ رہی ہے اُسی کو اس نے حضرت مجدد کے ساتھ برتا ہے کہ ظالموں اور مبتدعین نے آپ کو ایذا پہنچائی اور متعسف فقہانے آپ کا انکار کیا تاکہ اللہ تعالیٰ



آپ کے درجات بلند کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنات میں اضافہ ہو۔ ۱۴  
حضرت مجددؒ کے نادان معاند جب تک جھوٹے الزامات کی ترویج کرتے رہیں گے یقیناً آپ کے درجات اور حسنات میں اضافہ ہوتا رہیگا۔ ایسے افراد سے حضرت مجددؒ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ غلّیٰ و غم اُنہیں آپ کے درجات میں اضافہ ہو رہا ہے اور یورپ کے یہودی اور عیسائی ان نادانوں کی کذب بیانی کا پردہ فاش کر رہے ہیں اور وہاں کے نو مسلم آپ کے سلسلہ میں داخل ہو رہے ہیں، ہاں یہ نادان حضرت مجددؒ کے متبعین و معتقدین کا دل زخمی کر رہے ہیں۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهُ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ۔

مولانا آزاد نے اپنی کتاب ”مذکرہ“ میں علماءِ سُور اور ملا مبارک اور اُن کی اولاد کا ذکر کر کے لکھا ہے۔  
”اس دور میں بھی افراط و تفریط کی دو جماعتیں پیدا ہو گئیں۔ پہلی جماعت علماءِ دنیا پرست اور تعصبین جاہلین کی تھی جو اپنی ہوا پرستیوں اور تعصبِ جہالت سے اہل مذہب کو بدنام کر رہے تھے اور دوسری جماعت اُنکے مقابل مدعیانِ تحقیقِ جدید و اجتہادِ فکر کی تھی جنہوں نے حکمت و دانشمندی اور مذہبِ عقلی و طریقِ حکیمانہ کے نام سے الحاد و بے دینی اور ارباحت و بے قیدی کی گرم بازاری کر رکھی تھی اور اہل حق و انصاف کا طریق ان دونوں سے الگ تھا۔ وہ جس طرح پہلی جماعت کے تسبیحِ نور اور خرقہِ سالوس سے بیزار تھے اسی طرح دوسری جماعت کے فریبِ عقل اور فتنہِ دانش و آزادی سے۔“

ازاں دعویٰ بہ شیخِ دبرہمن ماند کہ ہر یک داورے رامی پرستد۔  
بہی صورت آج بھی درپیش ہے کہ مذہب کے دوکانداروں نے جہل و تقلید اور تعصبِ ہوا پرستی کا نام مذہب رکھا ہے اور روشن خیال و تحقیقِ جدید کے عقل فروشوں نے الحاد و بے قیدی کو حکمتِ اجتہاد کے لباسِ فریب سے سنوارا ہے، نہ مدرسہ میں علم ہے نہ محرابِ مسجد میں اخلاص اور نہ میکدے میں رندانِ بے ریا، اربابِ صفت و صفّا ان سب سے الگ ہیں اور سب سے پناہ مانگتے ہیں ان کی راہ دوسری ہے۔“

حضرت مجددؒ رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کے متعلق تحقیق و ریسرچ کے نام پر جدید ذہنوں میں جو غلط فہمیاں پھیلانی گئی ہیں، توقع رکھنی چاہیے کہ ”حضرت مجددؒ اور اُن کے ناقدین“ کے مطالعہ سے وہ صاف ہو جائیں گی اور حقیقت کا چہرہ پوری طرح روشن ہو جائے گا۔ بُری شکل یہ ہوتی ہے کہ ہمارے محقق علم و تحقیق کے نام پر اپنے من مانے فیصلوں کو زبردستی دوسروں سے منوانا چاہتے ہیں اور انصاف کی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اگر تلاشِ حق کا معمولی سا جذبہ بھی ان میں موجود ہے تو اُن کو ان اوراق میں بہت کچھ ملے گا اور حضرت مجددؒ کے نظریوں اور کارناموں کا حقیقی نقشہ سامنے آجائے گا۔

(مفتی، عتیق الرحمان عثمانی)

ندوة المصنفین۔ اردو بازار۔ دہلی۔ ۶

جمعہ ۲۹۔ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ

۱۳۔ اکتوبر ۱۹۷۶ء



## منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی

سیدی الوالد حضرت شاہ ابوالخیر عبداللہ قدس سرہ نے کیا خوب کہا ہے۔  
ہر گل کو باغِ دہریں کھٹکا ہے خار کا      اُلجھا ہوا خزاں سے ہے دامن بہار کا  
دیکھنے میں آیا ہے جب بھی دنیا میں کوئی مصلح آیا، اس کے مخالف بھی پیدا ہو گئے اور جس پایہ  
کا مصلح ہوا اسی پایہ کے مخالف بھی ہوئے۔

امام ربانی مجددِ اَلْفِ ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ کے ساتھ بھی یہی ہوا  
آپ کا ظہور اُس وقت ہوا جب کہ اکبر بادشاہ کی بے دینی شباب پر تھی، خود غرض خوشامد پیشہ  
لوگوں نے اُسے گھیر رکھا تھا، ابوالفضل وغیرہ مراتبِ چہار گانہ کی تشکیل و ترتیب میں مصروف  
تھے، اگر کوئی اکبر کو خوش کرنے کے واسطے اللہ اکبر کی صدا لگاتا تھا تو دوسرا اُس کے جواب  
میں جَلَّ جَلالہ کہتا تھا۔

حضرت مجددؒ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ بے دینوں کی جماعت جو کچھ کر رہی ہے اسلام کے  
نام پر کر رہی ہے۔ یہ لوگ حضراتِ صوفیہ کی اصطلاحات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے  
ہیں، انھوں نے شریعت کو ظاہر اور اپنے الحاد کو باطن کا نام دے کر سادہ لوحوں کو گمراہ کرنا شروع  
کر دیا ہے۔ ان بد باطنوں نے حلال و حرام کا امتیاز ہی ختم کر دیا ہے، بادشاہ کو ظل اللہ کے نام  
سے صنم اکبر بنا لیا ہے۔

حضرت مجددؒ نے یہ بھی دیکھا کہ جاہل صوفیہ کی جماعت ملحدین کے طور طریقے لے رہی ہو  
اس نے شیخ اکبر کے نظریہ توحید کو غلط رنگ دے کر طریقت کو شریعت کے مقابلہ میں لے آئی  
ہے بلکہ طریقت کا مرتبہ شریعت سے برتر قرار دیتی ہے اور کہتی ہے کہ دُرِّ حقائق، بحرِ طریقت  
ہی میں مستتر ہیں، اس جماعت کا استناد حضراتِ مشائخ کبار کے اُن اقوال سے ہے جو ان  
سے سُکر و مدہوشی کے وقت صادر ہوئے تھے، بلکہ اس جماعت کی نظر میں اصحابِ سُکر کا مرتبہ



اصحابِ صحو و آگاہی سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے، لہذا یہ جماعت اپنے کو اصحابِ سُکروید ہوشی کے رنگ میں ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور کہتی ہے۔

وَتَشَبَّهُوا۟ اِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ اِنَّ التَّشَبُّهَ بِالْاِکْرَامِ فَلَاحٌ

(ترجمہ) اگر اُن جیسے نہیں ہو تو اُن جیسی شکل بنا لو کیونکہ کرمیوں کی شکل اختیار کرنے میں بھلائی ہے۔ حضرت مجددؒ نے یہ بھی دیکھا کہ ایران کے شیعہ شقاق و نفاق کا بیج ہندوستان میں بورہے ہیں یہ لوگ حضراتِ اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام پر اپنی متاعِ کاسد کو رائج کرنا چاہتے ہیں۔

ایسے پُر آشوب دور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مجددؒ کو پیدا کیا تاکہ اسلام کی نصارت عود کرے اہل اُہوا اور منافقوں کی گمراہی زائل ہو، حضرت مجددؒ کو بارگاہِ نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے جو نسبتِ غلامی تھی اس کا اثر آپ کے کلام پر ظاہر و باہر تھا۔ آپ نے اپنے پیر بھائی خواجہ حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا ہے۔

”اس طائفہ عالیہ کے معارف و اسرار کے بیان میں یہ تمام دفاتر جو اس فقیر نے لکھے ہیں شاید آپ خیال کرتے ہوں کہ یہ سب صحو خالص کی حالت میں لکھے ہیں جس میں سرور و خمار کا اثر تک نہیں، حاشا و کلا یہ صورت نہیں ہے کیونکہ یہ حرام و ناجائز اور سخن طرازی ہے، وہ سخن طراز جو بہ صحو خالص ہیں کیوں نہ ایسی باتیں لکھ سکے اور کیوں نہ لوگوں کے دلوں کو گرا سکے“

فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر بہ ہرزہ نیست ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست (ترجمہ) حافظ کی یہ ساری فریاد آخر بیکو اس نہیں ہے، قصہ بھی نرالا ہے اور بات بھی عجیب۔ سرشار بادۂ احمدی خواجہ محمد شمس کشمی جامع دفترِ سوم مکتوبات نے دفترِ سوم کے مقدمہ میں کیا خوب لکھا ہے۔

زہریک نقطہ آتش چوں نافہ تر شمیم وصلِ جاناں می زند سر  
ولے آں کز برودت دزد کام ہست چہ داند نافہ آتش گردِ شام ہست  
سرایم مدحِ آں سیاحِ غواص کنم خورشید را چوں ذرہ رقاص

(ترجمہ) مکتوبات کے ہر ایک نقطہ سے تازہ نافہ مشک کی طرح وصلِ جاناں کی لپٹیں نکل رہی ہیں، لیکن جو شخص ٹھٹھڑ کر زکام میں مبتلا ہو گیا ہے، اگر اس کے نتھنے میں پورا نافہ رکھ دیا جائے تب بھی وہ بوئے خوش سے محروم ہی رہے گا۔ میں اب اُس غواصِ بحارِ معارف و اسرار کی مدح سرائی کر کے آفتابِ معارف کو مثلِ ذرہ و جدور قص میں لاتا ہوں۔“



شیخ بدرالدین نے بلخ کے میر مومن کا واقعہ لکھا ہے جو کہ سلسلہ کبرویہ کے مشہور مشائخ میں سے تھے کہ وہ کلاں سالی اور ضعیفی کی وجہ سے خود حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے، لیکن انہوں نے ایک شخص کو آپ کی خدمت میں بھیجا تا کہ ان کی طرف سے آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو اور آپ کے بعض مکتیب شریفہ لے کر ان تک پہنچائے۔ جب وہ قاصد آپ کے چند مکتیب لے کر اُن کے پاس پہنچا اور انہوں نے مکتیب کو پڑھا و جد میں آگئے۔ ”قص کر دند و فرمودند اگر سلطان العارفين و سيد الطائفة دریں وقت می بودند غاشیہ برداری ایس عزیز می کردند“ ۴

(ترجمہ) وہ رقصاں ہو گئے اور انہوں نے فرمایا اگر اس وقت سلطان العارفين بایزید بسطامی اور سید الطائفة جنید بغدادی ہوتے تو اس عزیز کی پیروی کرتے۔ ۵

حضرت مجددؒ پورے عزم اور اخلاص نیت کے ساتھ اس کام میں مصروف ہو گئے جس کیلئے آپ کی تخلیق ہوئی تھی آپ کے پاس نہ دولت تھی نہ حسمت اور نہ کوئی دکن شدید (محکم اسرا) البتہ اعجاز کلامی کی قوت و کشش جو حضرت و اسب العطا یا نے خزانہ غیب سے آپ کو عطا کی تھی آپ کا واحد حربہ تھا اور نصر من الله و فتح قریب و بشار المؤمنین پر آپ کا یقین۔ (مدد اللہ کی طرف سے اور فتح شتاب اور خوشی مسنا ایمان والوں کو)

آپ نے اپنی جدوجہد کی ابتداء رسائل سے کی اور پھر مکتیب لکھے، آپ کے پاکیزہ دل میں جو وارثا ہوتی تھیں وہ قلم کی زبان سے دُرِ منشورہ کی شکل میں صفحات پر ثبت ہو جاتی تھیں اور اللہ کے فضل و کرم سے وہ گنجینہ معارف کدنیہ آج بھی ہزار ہا بندگانِ خدا کو فیوضات ربانیہ سے سرشار کر رہا ہے۔ حضرت مجددؒ کے رسائل اور مکتیب کا جو اثر ہوا ہے اس کا بیان آئندہ صفحات میں ناظرین ملاحظہ کریں گے یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ خود پسند اور کور باطن لوگ آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور انہوں نے آپ پر طرح طرح کے الزامات عائد کئے۔ آپ کی تحریرات میں تزویرات کر کے چار اطراف میں پھیلائے تحریرات و تزویرات کو بڑھ کر بعض سادہ لوح علماء پر اثر ہوا اور انہوں نے اس سلسلہ میں کچھ تحریریں بھی چھوڑی ہیں۔ حضرت مجددؒ نے یہ سب کچھ دیکھا اور سنا لیکن بال برابر فرق آپ کی روش اور معمولات میں نہ آیا۔ اگر کسی مخلص نے اس سلسلہ میں کبھی کچھ عرض بھی کی تو آپ نے تبسم فرما کر شیعر پڑھ دیا۔

یارب آلِ غنچہ خنداں کہ تو دای بنش می سپارم بہ تواز چشمِ خودی چمنش  
(ترجمہ) اے پروردگار وہ کھلی ہوئی کلی جو تو نے مجھ کو عنایت کی ہے اس کی بہاروں کو حاسدوں کی نظر بد

۱۵ حضرات قدس کے حضرت ثالثہ کے اداخ میں۔ ۱۶ اشارہ ہے ”اَوْدُوْنِ اِلٰی دُکْنِ شَدِیْدِ“ کی طرف جو حضرت لوطؑ کا قول سورۃ ہود میں ہے۔



سے بچانے کے لئے تیرے حوالے کرتا ہوں یہ

عام طور پر جھوٹ اسی وقت تک پھلتا پھوٹتا ہے جب تک اس کی حقیقت ظاہر نہیں ہوتی جب اس کا اظہار ہو جاتا ہے تو اس کی وقعت نہیں رہتی اور نہ کوئی اس کو زبان پر لاتا ہے، لیکن حضرت مجددؒ کے معاملے میں یہ صورت نہیں ہوئی بلکہ جو شتارہ کذب و افتراء نے چار سو سال قبل ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو رہا تھا وہ آج تک اپنا رنگ و روپ بدل بدل کر سامنے آرہا ہے۔ اگر پہلے اس کام کو وہ افراد سرانجام دے رہے تھے جن کا تعلق مدارس عربیہ سے تھا تو اب یہ خدمت ان لوگوں نے سنبھال لی ہے جو کالجوں سے وابستہ ہیں، اگر پہلے اس جھوٹ کا بیان عربی یا فارسی زبان میں ہوا کرتا تھا تو اب ہندی یا انگریزی میں ہو رہا ہے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر مجھ کو یہ شعریا آ جاتا ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من اندازِ قدرتِ رامی شِ اسم

اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بہت خوب لکھا ہے کہ۔

”اللہ تعالیٰ کا جو طریقہ اور اس کی جو عادتِ مستمرہ اپنے انبیاء کے ساتھ رہی ہے، اُسی کو اس نے حضرت مجددؒ کے ساتھ برتا ہے کہ ظالموں اور مبتدعین نے آپ کو ایذا پہنچائی اور متعسف فقہانے آپ کا انکار کیا، تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنات میں اضافہ ہو“ لے

حضرت مجددؒ کے نادانِ معاند جب تک جھوٹے الزامات کی ترویج کرتے رہیں گے، یقیناً آپ کے درجات اور حسنات میں اضافہ ہوتا رہیگا۔ ایسے افراد سے حضرت مجددؒ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ علیٰ رِغْمِ اُنُوْفِہِمُ آپ کے درجات میں اضافہ ہو رہا ہے اور یورپ کے یہودی اور عیسائی ان نادانوں کی کذب بیانی کا پردہ فاش کر رہے ہیں اور وہاں کے نو مسلم آپ کے سلسلہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ ہاں یہ نادان حضرت مجددؒ کے متبعین و معتقدین کا دل زخمی کر رہے ہیں۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الْظَّالِمُوْنَ

مولانا آزاد نے اپنی کتاب ”تذکرہ“ میں علمائے سورا اور ملامبارک اور اُن کی اولاد کا ذکر کر کے لکھا ہے۔

”اُس دُور میں بھی افراط و تفریط کی دو جماعتیں پیدا ہو گئیں، پہلی جماعت علمائے دنیا پرست اور متعصبین جاہلین کی تھی جو اپنی ہوا پرستیوں اور تعصب و جہالت سے اصل مذہب کو بدنام کر رہے تھے۔ دوسری جماعت اُن کے تدمقابل مدعیانِ تحقیقِ جدید و اجتہادِ فکر کی تھی، جنہوں نے حکمت و دانشمندی اور مذہبِ عقلی و طریقِ حکیمانہ کے نام سے الحاد و بے دینی اور اباحتِ بے قیدی

لے زبدۃ المقامات کے فصلِ ہفتم کے اداس میں ملاحظہ کریں۔ لے عربی مکتوباب کی پہلی جلد کے صفحہ ۶۶ کو ملاحظہ کریں۔



کی گرم بازاری کر رکھی تھی۔ اور اہل حق و اقتصاد کا طریق ان دونوں سے الگ تھا۔ وہ جس طرح پہلی جماعت کے تسبیح زور اور خرچہ سالوس سے بیزار تھے، اسی طرح دوسری جماعت کے فریب عقل اور فتنہ دانش و آزادی سے۔

ازاں دعویٰ بہ شیخ و برہمن ماند کہ ہر یک داورے رامی پرستند یہی صورت آج بھی درپیش ہے کہ مذہب کے دوکانداروں نے جہل و تقلید اور تعصب و ہوا پرستی کا نام مذہب رکھا ہے اور روشن خیال و تحقیق جدید کے عقل فروشوں نے الحاد و بے قیدی کو حکمت و اجتہاد کے لباس فریب سے سنوارا ہے، نہ مدرسہ میں علم ہے نہ محراب مسجد میں خلاص اور نہ میکدے میں زندان بے ریا، ارباب صدق و صفا ان سب سے الگ ہیں اور سب سے پناہ مانگتے ہیں، ان کی راہ دوسری ہے۔“ لہ

مولانا آزاد نے اکبری دور کا جو نقشہ کھینچا ہے اور پھر آجکل کے متعلق جو کچھ لکھا ہے حضرت مجددؒ کے ساتھ وہی سب کچھ ہوا ہے اور اب ہو رہا ہے۔ آپ کی مخالفت ان لوگوں نے بھی کی جو مذہب کے دوکاندار تھے اور ان لوگوں نے بھی کی جو الحاد و نفاق اور اباحت و بے قیدی کے دلدادہ تھے اور اب اس دور میں وہ لوگ کر رہے ہیں جو اپنے کو روشن خیال اور تحقیق جدید کا علمبردار سمجھتے ہیں اور جو کہ الحاد و بے قیدی اور فلسفہ ویدانت و وحارت ادیان کو حکمت و اجتہاد کے لباس فریب سے سنوار رہے ہیں۔

ہم کعبہ ہم بُت کدہ سنگ و بالود فتم و صنم بر سر محراب شکستیم یورپ میں ایک جماعت کا ظہور ہوا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ وہ اقوام عالم کے متعلق تحقیقات کرتی ہے، عرب ممالک میں اس جماعت کو ”مستشرقین“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اسلام اور مسلمانوں پر اس جماعت کی خاص نظر عنایت ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ بعض آزاد خیال مسلمان اس جماعت کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور اسلام اور اہل اسلام کے متعلق جو کچھ ان کے اساتذہ نہیں لکھ سکتے وہ سب کچھ اُن کے یہ نام لیوا لکھ رہے ہیں۔ میں جب اس قسم کے آزاد خیال افراد کی دروغ بیانیوں پڑھتا ہوں تو وہ حدیث شریف یاد آ جاتی ہے جس کی روایت بخاری و مسلم نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّىٰ لَوْ دَخَلُوا جَحْرَ صَبْتٍ تَبِعْتُمُوهُمْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَلَيْسَ هُوَ وَالنَّصَارَىٰ قَالُوا



فَمَنْ لَّه

(ترجمہ) "تم قدم بہ قدم اُس روش پر چلو گے جو تم سے پہلوں کی ہے، اگر وہ گوہ کے غار میں (کسی جانور کے غار میں) گھسے ہیں تم بھی گھسو گے۔ کسی نے کہا، کیا وہ یہود و نصاریٰ ہیں، آپ نے فرمایا۔ تو پھر کون؟"

اگر اسلام اور پیشوایان اسلام کے متعلق مستشرقین ہرزہ گوئی میں مصروف رہتے ہیں تو اُن کا دم بھرنے والے آزاد خیال نام نہاد مسلمان اسلام اور اکابر اسلام کے متعلق اُن سے بھی دُور آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فریاد کہ از زیر کی مرغ سخن سنج بے داند ز دش راہ وہ بدام خطر افتاد  
اگر ان لوگوں کو مذہب اور اہل مذہب سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے تو کم از کم اپنے کو دائرۃ  
الانسانیت سے تو نہ گرائیں۔ کیا نقد اور تبصرہ اسی کو کہا جاتا ہے کہ الزام تراشی، تہمت طرازی اور  
تبرا بازی کی جائے۔

یار سوم پیلاناں یاد گیسر یادہ ہندوستان بریاد پیل

ایسے ہی لوگوں کے متعلق عارف نامی مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی قدس سرہ نے فرمایا ہے۔  
"مردم بنفس چون خواہند کہ عیب کسے بر شمارند اول بدیہائے کہ در ذات ایشان موجود است  
برزبان ایشان جاری می شود چہ آں بہ فہم ایشان نزدیک تراست" لے  
(ترجمہ) بدطینت افراد جب چاہتے ہیں کہ کسی کے عیوب کو ظاہر کریں تو پہلے اُن بُرائیوں سے کرتے  
ہیں جو خود اُن کی ذات میں موجود ہیں کیونکہ وہ ان کی فہم اور سمجھ سے زیادہ قریب ہیں۔"

پانچ سال ہوئے مجھ سے ایک کرم فرمانے کہا تھا کہ لندن میں "جارج ایلیں اینڈ اُنون" نے  
ایک کتاب "دی انڈین مسلمز" (مسلمانان ہند) ۱۹۶۷ء میں شائع کی ہے۔ اس کے مصنف پروفیسر  
ایم۔ مجیب (شیخ الجامعہ) ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۴۳ سے ۳۱۵ تک حضرت مجددؒ کا ذکر ہے۔  
مصنف نے حضرت مجددؒ پر اعتراضات کئے ہیں۔ یہ سن کر خیال ہوا کہ اس ترکش نو کو بھی دیکھنا چاہیے  
کہ اس کے تیر کیسے ہیں اور کس قسم کے زہر میں بجھے ہوئے ہیں۔ اب وقت یہ پیدا ہوئی کہ کتاب انگریزی  
میں اور میں انگریزی سے نابلدہ اتفاق سے دیرینہ کرم فرما عابد رضا بیدار صاحب نے یہ مشکل آسان  
کر دی اور مطلوبہ انگریزی حقہ کا ترجمہ اردو میں کر کے میرے حوالے کر دیا۔ اشدان کو اس کا اجر  
غنائت کرے۔

میں ابھی اس ترجمہ کا مطالعہ اور کچھ یادداشتیں لکھ رہا تھا کہ ایک دوسرے صاحب نے کہا کہ



”بال کرشن بک کمپنی“ نے حضرت گنج لکھنؤ سے ۱۹۶۵ء میں ”سلم ریواؤ لٹ موو مینٹس“ (اسلاموں کی نشأت ثانیہ کی تحریکیں) شائع کی ہے اور اس کے مصنف سید الطہر عباس رضوی شیعہ ہیں۔ ان کے نام کے ساتھ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ لٹ۔ ایف۔ آر۔ ایس وغیرہ بھی تحریر ہے۔ اور اس خبر کے دینے والے صاحب نے یہ بھی بتایا کہ جن کے اشارے پر سید الطہر عباس نے یہ کتاب لکھی ہے، انھوں نے خوش ہو کر ان کو کسی یونیورسٹی میں شعبہ تاریخ کا صدر بنا دیا ہے۔ اے کاش سید الطہر عباس کی نظر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر بھی رہتی ”مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَى“ فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت کا بہتر ہے پر ہیزگار کو“

اور ان صاحب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کتاب پر مجلہ معارف میں جو کہ ندوۃ المصنفین اعظم گڑھ سے ہر ماہ شائع ہوتا ہے ۱۹۶۶ء کے جنوری، مارچ، مئی، ستمبر، اکتوبر، نومبر کے اعداد میں تحقیقی مقالات چھپے ہیں، چنانچہ میں نے اُن مقالات کو پڑھا اور مئی کے پرچے میں درج ذیل عبارت نظر سے گزری۔ ”مصنف کے چھپے ہوئے عراکم چھٹے باب میں بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ انبیائے کرام کی ذوات مقدسہ کے علاوہ اور کس کی شخصیت تنقید سے بالاتر ہو سکتی ہے۔ مگر تنقید کو تنقید کی حد تک رکھنا چاہیے اُسے تبرائیں بنا دینا چاہیے“

یہ عبارت اگرچہ مختصر ہے لیکن اس سے مصنف کے میدان طبع ”تبرابازی“ کا پتہ چلتا ہے۔

خوے بد کہ در سرشت نشست نہ رود جز بہ مرگ زینہار

ان مقالات کے پڑھنے سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ پروفیسر مجیب کی کتاب کا سرچشمہ یہی کتاب ہے۔ میں اس زمانے میں ”مقامات خیر“ کی تالیف میں مصروف تھا۔ یہ کتاب اردو میں حضرت سیدی اللوالہ شاہ ابوالخیر عبداللہ محی الدین قدس سرہ کی سوانح حیات ہے۔ اس کتاب کی تالیف و طباعت کے بعد ”مقامات اخیر“ کی تالیف و تدوین اور طباعت میں مصروف ہو گیا۔ یہ کتاب اسی موضوع پر فارسی میں ہے اور اللہ نے اپنے فضل و کرم سے بہ خیر و خوبی اس کام سے فارغ کیا۔ اب مجھ کو اس غلطی کے ازالہ کا موقع ملا جو کہ پانچ سال سے کھٹک رہی تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں یہ کتاب ”حضرت مجددؒ اور اُن کے ناقدین“ معرض وجود میں آئی۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں حضرت مجددؒ کا مختصر حال اور آپ کی دینی خدمات کا اور آپ کی مخالفت کے اسباب کا بیان ہے اور جناب شیخ عبدالحق کے مکتوب پر کچھ تبصرہ بھی کیا گیا ہے تاکہ ناظرین کو آپ کی شخصیت اور حقیقت حال کا علم ہو اور دوسرے حصہ میں ڈاکٹر الطہر عباس رضوی اور پروفیسر ایم۔ مجیب کی تحقیقات کا جائزہ لیا ہے۔

برادرِ طریقت محمد نعیم اللہ بہرائچی نے اس کتاب کی دو تارہ نغین نکالی ہیں۔



ہجری سن سے :-

آہ مجدد الف ثانی اور محققین = ۱۳۹۶

اور عیسوی سن سے :-

حضرت مجدد اور عجیب معاندین = ۱۹۷۶

دونوں تاریخوں سے حقیقت کا اظہار ہو رہا ہے۔ جَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔

ابوالحسن زید فاروقی

خانقاہ حضرت شاہ غلام علی معروف بہ درگاہ شاہ ابوالخیر  
شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی ۷

یکشنبہ } ۲۸۔ صفر ۱۳۹۶ھ  
} ۲۹۔ فروری ۱۹۷۶ھ



## پہلا حصہ

# آہ مجددِ اَلْفِ ثانی اور مُحَقِّقین

آپ کا اسم گرامی احمد ہے۔ کنیت ابوالبرکات، لقب بدرالدین اور خطاب امام ربانی مجددِ اَلْفِ ثانی۔

آپ کی ولادت سرہند میں شبِ جمعہ ۱۴۔ شوال ۹۶۱ھ کو ہوئی۔ لفظ "خاشع" سے سالِ ولادت ظاہر ہے۔ گریگوری شمسی عیسوی حساب سے ۵۔ جون ۱۵۶۴ء تاریخ تھی۔

آپ کی وفات روزِ سہ شنبہ ۲۸۔ صفر ۱۰۳۴ھ کو سرہند شریف میں ہوئی۔ بعض نے چاند کی ستائیں اور بعض نے انتیس بھی لکھی ہے اور یہ اختلاف مطالع کی بنا پر ہے۔ دن سہ شنبہ ہی ہے۔ گریگوری حساب سے شمسی تاریخ ۱۰۔ دسمبر ۱۶۲۴ء تھی۔

عمر شریف قری حساب سے باسٹھ سال چار ماہ چودہ دن اور شمسی حساب سے ساٹھ سال چھ ماہ پانچ دن کی ہوئی۔

اپنے مسکن اور مسجد شریف کے قریب اپنے محبوب فرزند حضرت محمد صادق کے گنبد میں اُن کے پہلو میں بہ جہتِ غرب مدفون ہوئے۔ سَلَامٌ عَلَیْہِ یَوْمَہٗ وَلَدَہٗ وَ یَوْمَہٗ یَمُوتُ وَ یَوْمَہٗ یُبْعَثُ حَیًّا (ترجمہ) سلام ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن اُٹھ کھڑا ہو جی کر۔

سلام از مار سدہ دم بہ جانش الہی از تو رحمت بر روانش  
آپ کا سلسلہ نسب امام الاغدیلین امیر المومنین حضرت عمر الفاروق تک اکتیس واسطے پہنچتا ہے۔

۱۔ واضح رہے کہ مقامات خیر اور مقامات اخیر میں تاریخ وفات شمسی حساب سے ۲۶۔ نومبر ۱۶۲۴ء اور عمر شریف ۵۸۔ ۲۱ دن سہوا لکھی گئی ہے، اس کی تصحیح کر لیا جائے۔

۲۔ اس سلسلہ میں اگر تحقیق مطلوب ہو تو مقامات خیر کے صفحہ ۳۳۔ اور مقامات اخیر کے صفحہ ۲۴ کو دیکھا جائے۔



آپ کے چھٹے دادا امام رفیع الدین ہیں۔ ان کا مزار پُرانوار مضافات سرہند میں ہے۔ ان کے نوں دادا شہاب الدین علی معروف بہ فرخ شاہ کابلی تھے۔ ان کا مزار کابل سے شمال کی طرف تقریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر ڈرہ کوہ میں واقع ہے۔ انہی کی نسبت کی وجہ سے حضرت مجدد کے نام کے ساتھ لفظ کابلی لکھا جاتا تھا۔ حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر کا سلسلہ نسب بھی حضرت فرخ شاہ کابلی سے ملتا ہے۔ وہ حضرت گنج شکر کے چھٹے دادا ہیں۔ قدس اللہ اسرارہم العلیہ۔

آپ کے والد بزرگوار کا نام عبدالاحد اور شہرت مخدوم سے تھی۔ اسی مناسبت سے آپ کی اولاد کو مخدومی کہا جاتا ہے۔ آپ کے سات صاحبزادے تھے۔ وَسَطٌ قِلَادَہ حضرت مجدد کی ذات بابرکات تھی۔ خورد سالی ہی سے آپ کے اوصاف و اطوار عام بچوں سے جدا تھے۔ آپ کی جبین مبین سے سیمائے ہوشمندی اور ستارہ بلندی کی چمک دمک ظاہر تھی۔ اصحاب بصیرت و ارباب خرد آپ کو دیکھ کر محسوس کرتے تھے کہ آپ اپنے وقت کے مایہ ناز فرد ہوں گے۔ خواجہ محمد ہاشم نے لکھا ہے کہ خورد سالی میں آپ علیل ہو گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو حضرت شاہ کمال کتھلی قادری کے پاس لے گئیں اور التماس دعا کی۔ شاہ کمال نے فرمایا۔ پریشان خاطر نہ ہو یہ بچہ عمر پائے گا اور خلق خدا اس سے فیضیاب ہوگی۔ لہ

حضرت مخدوم جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ زبدۃ المقامات میں آپ کی دو تالیفات کا ذکر آیا ہے جن کا نام کنوز الحقائق اور اسرار تشہد ہے۔ اسرار تشہد کا کچھ حصہ خواجہ ہاشم نے نقل بھی کیا ہے جو عربی میں ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صاحب تحقیق و تدقیق تھے۔ علوم اسرار و معارف میں آپ کا پایہ بلند تھا۔ آپ کی نہاد میں خدا طلبی کا جذبہ بہ درجہ اتم موجود تھا۔ ابھی آپ علم ظاہر کی تحصیل سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ کشش باطن آپ کو شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں لے گئی اور آپ حضرت شیخ سے بیعت ہو گئے آپ کا ارادہ تھا کہ حضرت شیخ کی خدمت میں رہ کر منازل سلوک طے کریں لیکن حضرت شیخ نے آپ سے فرمایا پہلے علم ظاہر حاصل کر لو پھر علم باطن حاصل کرنا۔ آپ نے عرض کی۔ آپ کی ضعیفی ہے شاید پھر ملاقات نہ ہو سکے۔ حضرت شیخ نے کہا۔ میرے فرزند رکن الدین سے معارف حاصل کر لینا۔ چنانچہ یہی صورت واقع ہوئی اور آپ نے بعد میں شیخ رکن الدین سے استفادہ کیا اور خلافت پائی شیخ رکن الدین نے جو خلافت نامہ عربی میں لکھ کر عنایت کیا، وہ نصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہ خلافت نامہ تین اوراق میں ہے۔ میں ابتدا کی چند سطریں نقل کرتا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
بَشْرٰی لَقَدْ اَنْجَزَ الْاَقْبَالَ مَا وَعَدَا  
وَكُوْكَبُ الْمَجْدِ فِي الْاَفْقِ الْعُلٰی صَوْعَدَا



بشری ترا کہ دولت اقبال رُونمود  
انجاز وعدہ کرد و نقابے زرخ کشود  
در آسمان رفعت شمسے برآمدہ  
نورے ازاں بتافتہ اندر جہاں نمود  
الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهِ وَكَرَّمَهُ بِخِلَافَتِهِ وَاَجْرٰى بِتِلْكَ السَّنَةِ  
بَيْنَ اَنْبِيَآئِهِ وَاَوْلِيَآئِهِ وَقَدْ مَرَّ اِحْسَانُهُ عَلٰی مَلَّتِهِ وَاَخَّرَ شُكْرَهُ عَلٰی نِعْمَتِهِ وَهُوَ  
الْاَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ، لَا مُؤَخَّرَ لِمَا قَدَّمَ، وَلَا مُقَدِّمَ لِمَا اَخَّرَ وَلَا مُعْلَنَ  
لِمَا اَبْطَنَ وَلَا مُخْفِيَ لِمَا اَظْهَرَ. الخ

آپ نے یہ خلافت نامہ ۹۶۹ھ میں لکھ کر دیا۔ حضرت مخدوم کو اگرچہ خلافت مل گئی لیکن آپ کے جذبہ خدا طلبی کو تسکین نہیں ہوئی، لہذا آپ نے دُور دراز مقامات کا سفر کیا۔ لاہور، رہتاس، جونپور، بنگال وغیرہ گئے اور مشائخ سے فوائد حاصل کئے۔

آپ کو فصوص الحکم اور عوارف المعارف سے خاص لگاؤ تھا اور ان دونوں کتابوں کو تحقیق و تدقیق سے پڑھایا کرتے تھے۔ بیعت کسی کو نہیں کیا۔ البتہ حضرت مجددؒ آپ سے بیعت ہوئے اور منازل سلوک طے کئے۔ ”مبدأ و معاد“ میں تحریر فرماتے ہیں: ”اس درویش کو فردیت کی نسبت جس سے عروج اخیر و البتہ ہے حضرت والد سے حاصل ہوئی ہے“

حضرت مجددؒ نے قرآن مجید حفظ کیا اور علوم و فنون کی زیادہ تر کتابیں اور تصوف کی ساری کتابیں حضرت مخدوم سے پڑھیں اور پھر فضلاء روزگار سے جا کر تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں سے کمال الدین کشمیری، قاضی بہلول بدخشان، شیخ یعقوب صرّی قابل ذکر ہیں۔ خواجہ ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں لکھا ہے کہ آپ سترہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے تھے۔

اس زمانہ میں اگرہ دار السلطنت اور مرکز اہل فضل و کمال تھا۔ اصحاب استعداد کو اہل فضل و کمال کی ملاقات کا شوق ہوا کرتا ہے اور خاص کر اوائل دور میں یہ شوق غالب رہتا ہے چنانچہ حضرت مجددؒ کو بھی یہ شوق ہوا اور آپ نے اگرہ کا قصد کیا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس وقت آپ کی عمر کیا تھی۔ قرین قیاس یہ ہے کہ آپ اوائل عقد سوم میں اگرہ تشریف لے گئے یعنی بائیس تیس سال کی عمر میں۔

خواجہ ہاشم نے قیام اگرہ کا ایک واقعہ لکھا ہے جس کا خلاصہ لکھتا ہوں۔

”حضرت مجددؒ اچانا ابوالفضل کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن ابوالفضل فلاسفہ کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے۔ حضرت مجددؒ نے ان سے کہا۔ امام غزالی نے رسالۃ المنقذ من الضلال میں لکھا ہے کہ وہ علوم جو کارآمد ہیں جیسے علم نجوم، ہیئت، طب، تو ان علوم کو



فلاسفہ نے انبیائے مابوق کی کتابوں سے یا ہے اور جن علوم کا بیان خود فلاسفہ نے کیا ہے جیسے ریاضی تو وہ کسی کام کے نہیں ہیں۔ یہ سن کر ابوالفضل متغیر ہوئے اور انھوں نے کہا ”غزالی نامعقول گفتہ است“ غزالی نے سمجھ میں نہ آنے والی بات کہی ہے۔ اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے اس کلام میں چنداں قباحت نہیں لیکن بہ اعتبار استعمال کے متضمن قباحت ہے۔ حضرت مجددؒ کو اس کی تاب نہ ہوئی اور یہ فرما کر چلے آئے ”اگر ذوق محبت ماہل علم داری ازیں حرفہائے دورازادب زبان بازدار“ اگر ہم جیسے اہل علم سے تم کو ملنے کا شوق ہے تو ایسے دورازادب الفاظ سے اپنی زبان کو روکو“ لہ ابوالفضل کی بات کا جو اثر حضرت مجددؒ پر ہوا اور جو کچھ آپ نے ابوالفضل کے احوال ملاحظہ کئے اس کے نتیجے میں آپ نے عربی میں رسالہ ”اثبات نبوت“ تحریر کیا، لیکن یہ رسالہ ناتمام رہ گیا، آخری حصہ ”المقالة الثانية في ذم الفلسفة“ کی سرخی آپ نے لکھی ہے اور مضمون تشنہ تحریر ہے۔ انہی آیام میں آپ نے رسالہ رد شیعہ بھی لکھا ہے جس کا بیان بعد میں آئے گا۔

ان دور رسالوں کے مطالعہ سے آپ کے جذبہ ایمانی اور غیرت اسلامی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ کی نکتہ سنجی اور دقت نظر کس پایہ کی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ شیخ عبداللہ نے تفسیر ”تبصیر الرحمن“ از شیخ علی مہامی آپ کے پاس ارسال کی۔ آپ نے بعض مواضع سے اس کو دیکھا اور ایک مکتوب کے ساتھ وہ تفسیر واپس کر دی۔ آپ کے مکتوب کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

”مؤلف کا مرجحان فلسفہ اور فلاسفہ کی طرف بہت ہے۔ سورہ ہود کی سولہویں آیت ہے ”وَأُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ“ اس کی تفسیر اس طرح کی ہے۔ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ (بہ اتفاق الانبیاء والحکماء) إِلَّا النَّارُ (الْحُسُوسَةُ أَوِ الْمَعْقُولَةُ) یعنی ”جن کو کچھ نہیں بچھے گھر میں (بہ اتفاق انبیاء و حکما) سوائے آگ (آگ حسی ہو یا عقلی ہو)“ مؤلف نے انبیاء کے ساتھ فلاسفہ کا ذکر کیا اور پھر انبیاء کے مسلک کے ساتھ کہ وہ آگ حسی ہے فلاسفہ کا مسلک بیان کر دیا کہ چاہے وہ آگ عقلی ہو۔ اس طرح کے بیان سے فلاسفہ کی ہمسری انبیاء کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ ایسی کتاب کا مطالعہ نقصان سے خالی نہیں۔“

جس حقیقت اور مفسدہ کی طرف حضرت مجددؒ کا ذہن وقاد گیا ہے عوام تو درکنار خواص تک اس کے ادراک سے قاصر ہیں۔ یہ ہے ”إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ“ کی ایک مثال ”بے شک“ کام ہمت کے ہیں“



آپ کا قیام آگرہ میں کچھ زیادہ ہو گیا، حضرت مخدوم تاب بھراں نہ لاسکے اور باوجود پیرانہ سالی کے عازم آگرہ ہوئے۔ آگرہ میں بعض فضلاء نے آپ سے دریافت کیا۔ یہ زحمت کیوں برداشت کی۔ آپ نے فرمایا ”شوقِ ملاقات فرزندِ دلبند شیخ احمد سلمہ مجھ کو کھینچ لایا۔“ ”یوسف نہ رود کتعاں یعقوب برس آید“ آپ حضرت مخدوم کے ساتھ سرہند شریف آئے۔ سلسلہ ازواج میں منسلک ہوئے اور جب تک حضرت مخدوم با حیات رہے ان کی خدمت میں رہے اور استفادہ کرتے رہے۔ آپ کو جو بھی نعمت ملی وہ حضرت مخدوم کی دعاؤں کا ثمرہ تھا۔

سالہا سال سے آپ حج و زیارت کے متمنی تھے لیکن حضرت مخدوم وصول بہ کعبۃ الآمال کی وجہ سے سفر نہیں کر سکتے تھے جب حضرت مخدوم دنیا سے سفر کر گئے تو آپ کو موقع ملا کہ اپنی خواہش پوری کریں۔ چنانچہ مشنلہ میں حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور حضرت خواجہ قدس سرہ کا یہ شعر آپ کے حسبِ حال واقع ہوا۔

می گزشتہم زغم آسودہ کز ناگز زکیں عالم آشوب مگاہے سر را ہم گرفت

آپ دہلی پہنچے مولانا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی۔ وہ آپ کے شناسا اور حضرت خواجہ کے مرید تھے۔ انھوں نے حضرت خواجہ کے کمال کا ذکر کیا کہ طریقہ نقشبندیہ کے صاحبِ کمال ہیں۔ چونکہ آپ نے حضرت مخدوم سے بارہا سنا تھا ”مرکز ایں دائرہ و شاہ راہ ایں باد یہ بہ دست طائفہ نقشبندیہ افتادہ است“ اور حضرت مخدوم کہا کرتے تھے۔ یا تو اللہ مجھ کو حضراتِ خواجگان کے دیار میں پہنچا دے یا ان میں سے کسی صاحبِ کمال کو یہاں لے آئے تاکہ ان کی نسبت سے استفادہ کروں“ اب جب آپ نے مولانا حسن سے حضرت خواجہ کا ذکر سنا تو ملاقات کے لئے تشریف لے گئے اور حضرت خواجہ کی خواہش پر دو ہفتہ کی مہمانی قبول کی۔ ابھی دو دن بھی نہ گزرے تھے کہ آپ کی کیفیت بدلی اور حضرت خواجہ کی کشش غالب آئی اور آپ بہ زبانِ حال

گمشت مسافۃ کعبۃ الآمال حمد لمن قد من بالاکمال

کہتے ہوئے حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے یعنی کعبہ مرادات تک پہنچنے کی مسافت پوری ہوئی، شکر ہے اُس پاک ذات کا جس نے دولتِ اکمال سے مالا مال کر دیا۔

آپ نے سالہا سال ریاضتیں کی تھیں، مختلف سلاسل سے فیضیاب ہوئے تھے، ساحتِ سینہ پاک صاف اور مجلیٰ مزگی تھا۔ یکا د زینتھا یضیء ولولہ تمسنہ ناز کی کیفیت ظاہر تھی یعنی ایسا لگتا ہے کہ اس کا تیل سلگ اٹھے اور ابھی نہ لگی ہو اس کو آگ“ صرف تیل دکھانے کی کسر تھی اور وہ حضرت خواجہ کی صحبت تھی۔ آپ نے مہمانی چھوڑی اور ڈھائی مہینے حضرت خواجہ کی رہائی کر کے دولتِ اکمال و تکمیل اور نبشراستِ خلافتِ الہیہ حاصل کر کے سرہند مراجعت فرمائی،



پھر اپنے گھر کے قریب "مسجد مردانِ خدا" قائم کی۔ یہی وہ مبارک مسجد ہے جس کا ہر روزہ فلک ہدایت پر مہرِ دشتاں بن کر چمکا، یہی وہ مبارک مسجد ہے جہاں سے ہزاروں بندگانِ خدا اپنے سر پر تاجِ رضا رکھ کر مملکتِ قناعت و تسلیم کے بادشاہ بنے۔ یہی وہ مبارک مسجد ہے جہاں سے طریقہ مبارکِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ترویج اظرافِ عالم میں ہوئی، یہی وہ مبارک مسجد ہے جہاں سے سلسلہ نقشبندیہ کی نہریں بدخشاں اور ماوراء النہر پہنچیں اور یہی وہ مبارک مسجد ہے جس کی خاک پر بیٹھ کر ایک مردِ خدا آگاہ نے اکبر کی طاغوتی طاقتوں کو شکست دی اور "وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلِلْكَافِرِيْنَ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ" کا ظہور ہوا۔ (ترجمہ) اور زورِ اشد کا ہے اور اس کے رسول کا اور ایمان والوں کا لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

حضرت خواجہ نے انہی دنوں میں ایک مخلص کو تحریر فرمایا ہے۔

"شیخ احمد نام مردے است در سرہند کثیر العلم و قوی العمل روزے چند فقیر با او نشست و برخاست کرد، عجائب بسیار از روزگار و اوقات او مشاہدہ کردہ، بہ آں می ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا از روشن گردند، بحمد اللہ تعالیٰ احوال کاملہ او مرا بہ یقین پیوستہ اس شیخ مشارالہ برادران و اقربا دارد، ہمہ مردم صالح و از طبقہ علمار، چندے را دعا گو ملازمت کردہ از جواہر عالیہ دانستہ استعدادہائے عجیب دارند، فرزندانِ آں شیخ کہ اطفال و اسرار الہی اند با جملہ شجرہ طیبہ اند، اَنْبَتَتُ اللّٰهُ نَبَاتًا حَسَنًا۔ الغرض بہ جہت کثرت عیال و علو فقر و بے معاشی تفرقہ در اوقاتِ آں جماعت ہست، اگر از وجہ چہل یک ہر سال قدرے معین بہ آں خانوادہ برسد، چنانچہ کاتب قسمتی در میان ایشان قرار دہد بہ غایت مستحسن است مورث خیر بسیار ہر چند کہ اندکے باشد رکنِ عظیم از خیرات خواہد بود، فقرے باب اللہ اند دلہائے عجب دارند، زیادہ جرأت است" لہ

(ترجمہ) "سرہند میں بہت علم اور قوی عمل والے ایک شخص رہتے ہیں، ان کا نام شیخ احمد ہے۔ کچھ دن فقیران کے ساتھ رہا، ان کے اوضاع و اطوار سے بہت کچھ عجائبات ظاہر ہوئے ہیں میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ ایسا روشن چراغ ہوں گے جس سے دنیا روشن ہو جائیگی۔ ان کے کمالات کو دیکھ کر اللہ کے فضل سے مجھ کو اس کا یقین ہے۔ آپ کے برادران اور اقربا بھی نیک اور علمار کی جماعت میں سے ہیں۔ ان میں سے بعض افراد سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ میری نظریں وہ سب جواہر عالیہ ہیں، عمدہ صلاحیت کے مالک ہیں۔ شیخ مذکور کی اولاد جو ابھی کم عمر ہے ہیں اسرارِ الہی ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ مثل شجرہ طیبہ کے ہیں اللہ ان کی ابھی پرورش فرمائے۔ عیال کی کثرت اور فقر و بے معاشی کی وجہ سے اس جماعت کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔



اگر چالیس میں سے ایک کی کوئی مقدار اس گھرنے کے واسطے مقرر کر دیں کہ ہر سال پہنچ جایا کرے اور یہ کاتب اس کی تقسیم مقرر کر دے تو بہتر اور موثر خیر کثیر ہے۔ یہ مقدار چاہے کتنی ہی کم ہو، خیرات میں رکن عظیم رہے گی۔ یہ لوگ اللہ کے در کے فقا رہیں، عجیب و غریب دل رکھتے ہیں۔ زیادہ گستاخی۔

مولانا بدرالدین سرہندی نے حضرت خواجہ باقی باللہ کا یہ بیان لکھا ہے۔

”چوں حضرت مخدوم مولانا خواجگی المکنگی مارا امر کردند کہ بہ ہندوستان بروید تا ایں سلسلہ شریف را از شمار واجے پیدا شود و ما خود را شایان ایں معنی نہ دیدہ تواضع نمودیم ایساں امر بہ استخارہ فرمودند استخارہ نمودیم، دراں استخارہ دیدیم کہ گویا طوطی بر سر شاخے نشست است و مادر دل خود نیت کردیم کہ اگر ایں طوطی ازاں شاخ پریدہ بر دست ما نشیند پس مارا دریں سفر کشایشہا خواهد بود بہ مجر و خطور ایں خاطر آں طوطی پرواز نمودہ بر دست ما نشست و ما منتقار ویرا در دہان خود گرفتیم از لعاب خود بہ وے چشانیدیم گویا گردید بار دیگر منتقارش در دہان خود گرفتیم و در دہان ما شکر ریخت، تعبیر ایں واقعہ چنین کردیم کہ طوطی چوں از طيور ہندوستان است عزیزے از ہندیہ مامتوسل شود کہ بہ معارف و حقائق و اسرار گویا گردد و ما را نیز از وے فائدہ رسد ایں واقعہ را با تعبیر آں در خدمت مولانا گزاردیم مولانا فرمود، تعبیر ایں واقعہ را چنین است کہ بہ خاطر شماراہ یافتہ، دیر گاہ است کہ بزرگان منتظر قدم آں عزیزاں ہشتابید و آں عزیز را دریا بید، معلوم شد کہ آں عزیز از دامن شما پرواز خواہد کرد۔ حضرت خواجہ قدس سرہ بعد اتمام ایں کلام خطاب بہ آں قطب الاقطاب کردہ فرمودند کہ ما ایں واقعہ را اشارت و بشارت نسبت بہ حال شمامی دانیم، آخر کار موافق تعبیر حضرت خواجہ بہ وقوع آمد۔

(ترجمہ) ”جب مجھ کو مولانا خواجگی المکنگی نے حکم دیا کہ ہندوستان جاؤ تاکہ وہاں یہ سلسلہ تم سے رائج ہو میں نے اپنے کو اس کام کے لائق نہ پا کر غدر کیا۔ آپ نے استخارے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں نے استخارہ کیا اور دیکھا کہ ایک طوطا ٹھنی کے سر پر بیٹھا ہے۔ اس وقت دل میں خیال آیا کہ اگر یہ طوطا ٹھنی پر سے اڑ کر میرے ہاتھ پر بیٹھ جائے تو میرے واسطے یہ سفر اچھا رہے گا۔ اس خیال کے آتے ہی وہ طوطا میرے ہاتھ پر بیٹھا۔ میں نے اپنے منہ میں اس کی چونچ لے کر اپنا لعاب اس کے منہ میں ڈالا وہ چھپایا۔ جب سری مرتبہ اکی چونچ اپنے منہ میں لی تو اسے میرے منہ میں ٹکڑا لی۔ میں نے اس واقعہ کی تعبیر اس طرح کی کہ طوطا ہند کا پرندہ ہے، مجھ سے ہند میں کوئی عزیز وابستہ ہو گا اور معارف و حقائق و اسرار پر گویا ہو گا اور مجھ کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا۔ میں نے یہ واقعہ اور تعبیر مولانا سے بیان کی۔ آپ نے فرمایا۔ یہی حقیقت ہے جو تم نے بیان کی۔ ایک



مرتب سے اس عزیز کے انتظار میں بزرگ ہیں، جلد جاؤ اور اس کو پاؤ۔ وہ عزیز تمہارے دامن تربیت سے نکلے گا۔ یہ واقعہ بیان کر کے حضرت خواجہ نے حضرت مجددؒ سے کہا میں اس اشارت و بشارت کو تمہارے حسبِ حال پاتا ہوں۔ اور جو حضرت خواجہ کا خیال تھا وہی ظاہر ہوا۔

حضرت خواجہ نے اس واقعہ کے بیان کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے مریدوں کو بھی آپ کے حوالہ کر دیا ہے۔ خواجہ ہاشم نے اپنے مرشد میر محمد نعمان کا بیان لکھا ہے کہ۔

”بہ ایں فقیر محمد نعمان نیز فرمودند کہ خدمت ایشان را سعادت خود دانستہ ملازم باش۔ بہ مقتضائے ہم پیرگی در نفوس چوں رعوتہا متکمن بود معروض داشتہ کہ قبلہ توجہ من در گاہ شماست ہر چند ایشان بزرگ باشند حضرت خواجہ از روی غضب فرمودند کہ میاں شیخ احمد آفتاب بہت کہ مثل ما ہزاراں ستارگاں در ضمن ایشان گم است و از کل اولیائے متقدمین خال خالے مثل ایشان گزشتہ باشند“ لہ

(ترجمہ) حضرت خواجہ نے مجھ فقیر محمد نعمان سے فرمایا کہ میاں شیخ احمد کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھو اور ان سے وابستہ ہو جاؤ چونکہ وہ میرے پیر بھائی تھے اس لئے میرے نفس میں خودداری تھی۔ میں نے عرض کی کہ میری توجہ تو آپ کا سنگ در ہے وہ چاہے جتنے بڑے بزرگ ہوں۔ آپ نے از روی غضب مجھ سے فرمایا۔ میاں شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اُن کے ضمن میں گم ہیں اور کاملین اولیائے متقدمین میں اُن جیسا خال خال ہوا ہوگا۔ یعنی بہت کم۔

شیخ بدرالدین نے حضرت القدسؒ میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نے پہلی مرتبہ حضرت مجددؒ کو دولت کمال تکمیل کی بشارت دی اور دوسری مرتبہ اپنے مریدوں کو آپ کے حوالے کیا اور تیسری مرتبہ اطفال و عنایات کی حد گردی۔ حضرت خواجہ کا مسکن قلعہ فیروزی میں تھا۔ آپ کو جب تیسری مرتبہ حضرت مجددؒ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو پاپیادہ دروازہ کا بی تک برائے استقبال تشریف لے گئے۔ ”دریں مرتبہ حضرت خواجہ ایشان را اکرام و احترام فوق الحدی نمودند چنان کہ ہر گاہ از مجلس ہرمی خواستند و یا بہ راہ می رفتند رجوع القہقری می کردند مبادا کہ پشت بہ جانب ایشان شود و در راہ رفتن نیز ایں رعایت می نمودند وہ طلاب و حضار می نمودند کہ زہار در حضور ایشان تعظیم من نہ کنند و جمہور اصحاب خود را بہ ایشان حوالہ نمودند و بالکل معاملہ مشیخت و ارشاد را بہ ایشان سپردند بلکہ فرزندان گرامی خود را کہ اطفال رضیع بودند طلبیدہ از آنحضرت طلب توجہ در باب ایشان کردند“ ص ۲۱۔ اس مرتبہ حضرت خواجہ نے حضرت مجددؒ کے اکرام و احترام میں حد گردی۔ جب آپ کی مجلس سے اٹھتے تھے یا کسی راہ پر چلتے تھے تو اُلٹے پاؤں مراجعت کرتے تھے اور طالبانِ حق اور حاضرینِ مجلس



سے فرماتے خبردار آپ کے سامنے میری تعظیم نہ کرو اور اپنے جہوں را صاحب کو آپ کے حوالے کر کے مشغیت و ارشاد کا معاملہ بالکل آپ کے سپرد کر دیا بلکہ اپنے دونوں شیر خوار بچوں کو طلب فرما کر آپ سے ان کے واسطے توجہ طلب کی۔“ خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات کے ص ۲۴۱ میں لکھا ہے کہ دونوں صاحبزادے اناؤں کی گود میں تھے اور آپ نے ان کو توجہ دی اور پھر حضرت خواجہ نے ان کی والدات کے واسطے غائبانہ توجہ کرنے کو فرمایا اور آپ نے امتثال امر کیا۔“

حضرت خواجہ کے مبارک احوال و رسائل اور ملفوظات و رقعات کو آپ کے کسی صادق مرید نے جمع کیا ہے وہ حضرت مجددؒ کو استاد ی لکھتا ہے۔ اس نے حضرت خواجہ کا مرثیہ سات بند کا نہایت درد انگیز لکھا ہے۔ ہر بند کے آٹھ شعر ہیں۔ بجز تیسرے بند کے کہ اس میں سات شعر ہیں ہو سکتا ہے کہ نسخ سے نقل کرتے وقت ایک شعر رہ گیا ہو، پانچویں بند میں اپنا تخلص رشدی لکھا ہے میں تبرگہ آخری بند نقل کرتا ہوں۔

از حق ہزار مکرمت و آفریں برو	شد ختم سرفرازی دنیا و دیں برو
چوں مادر زمانہ نہ دارد چو او پسر	زاں است گر یہائے زمان زمین برو
بر بام خود کشید پیئے فخر چوں مسیح	دل بستہ بود چوں فلک چار میں برو
و انستم آن کہ بود چو من عاشق رخس	کز بام رخت زہرہ گل یا سمیں برو
بلبل نہفت در غزلش خنجر و سناں	گل چاک کرد سپر ہن ناز میں برو
دلہا بہ خاک او چو مگس بر شکر گرو	صد حسرت است در جگر انجمنیں برو
بر قدر درد او نہ توانیم گریہ کرد	گر بند تا بہ حشر شہور و سنیں برو

آہ ایں چہ ماتم است کہ خون جگر بسوخت

ہر لحظہ ام بہ درد و غم تازہ تر بسوخت

آخر کے چار رقعات حضرت مجددؒ کے نام ہیں۔ ہر رقعہ کے ساتھ جامع نے کچھ حال بھی لکھا ہے بنا بریں میں اس حصہ کو نقل کرتا ہوں۔ لکھا ہے۔

رقعہ (۸۳) حق سبحانہ و تعالیٰ بہ اعلیٰ مراتب کمال و اکمال برساند، و لِّلادْنِصِ مِنْ کَاْسِ الْکَرَامِ نَصِيبٌ۔ تکلفے نیست آنچہ حقیقت حال است نوشتہ می شود، پیر انصار قدس سرہ می فرمودند کہ من مرید خرقانی ام لیکن اگر خرقانی دریں وقت می بود با وجود پیریش مریدی من می کرد ہر گاہ صفت آں بے صفتاں ایں باشد گرفتاران آثار صفات چرا جاں فدائے لوازم طلب گاری نمکنند و از ہر کجا بوسے بہ مشام ایشان برسد در پے آں نہ روند، اکنون توقف و اہمال مانہ از استغناء بے نیازی است موقوف اشارت است۔



چوں طمع خواہد ز من سلطان دین خاک بر فرق قناعت بعد ازین  
بارے نسخہ حال و ارادہ ما اینست، خدا بر آنچه می باید مہمند گرداند و از عجب و پندار مخلص بخشند  
بقیۃ المقصود جناب سیادت آب امیر صالح سلمہ اللہ اظہار طلب نمودند چوں وقت فقیر مقتضی آن  
نہ بود تفسیع اوقات ایشان دادن از مسلمانی نہ نمود، لاجرم بہ صحبت شام فرستادہ شد، ان شاء اللہ  
بہ قدر استعداد بہرہ مند گردند و توجہ لطف کامل بیابند۔ والد عار۔

بعد از ان کہ جناب مخدومی استاد میاں شیخ احمد سرہندی بہ درجہ کمال و تکمیل بلوغ نمودند و از  
بس دید عظمت و بے نہایت حضرت مقصود عز قدرہ و مزید طلب کہ آخر نفس حضرت ارشاد پناہی  
خود را مبتدی می دیدند و نظر در حاصل خود نہ می انداختند، مکاتبات بہ روش مذکورہ بہ مخدومی مذکور  
شرف صدور می یافت و در خلا و کلاً بروفق ایں مضمون ناطق بودند و کمالات جناب اشار الیہ را  
زیادہ از آنچه سلیقہ کاتب در قلم آورد از حضرت ایشان شنودہ در چنین اوقات بہ ایں عنایت نامہ  
نوازش فرمودند۔

رقعہ (۸۴) حق سبحانہ و تعالیٰ بہ کمال صفا برساند، جمعے از دوستان کہ گرفتار بار وجود ما بودند چوں  
ما در مضیق: "وَمَا مَثَلُ الْإِلَهِ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ" در بند مصلحت فکر و عقل ما اقتضائے آن کرد کہ  
دین بر شگال از مقابلہ ایں بوقلمون دور افتادہ در تحت أشعۃ آفتاب شہود زندگانی نمایندگان شام  
اللہ العزیز نیکی و پاکی آخر رسد، فوائد جماعت و صحبت محقق است و روشن، چہ حاجت اظہار۔

ما گرفتاریم بر مانا و کب بے داریز سنبل و گل بر کنار مردم آزاد ریز  
استغفر اللہ من جمیع ما کرہ اللہ، دیگر دیرے است کہ از احوال شریف خود چیزے  
رقعے نہ فرمودہ اند، ان شاء اللہ العزیز خیر مانع باشد، بعد از بر شگال اگر راہ استخارہ باشد خواہد آمد  
وَالْأَفْلَکَ، لیکن آنچه در استخارہ ظاہر شود بہ ما بنویسند، اگر تعبیر خود نیز نویسند نُورٌ عَلٰی نُوْرٍ۔ وَاللَّعْنَةُ۔  
بعد از ترک مشیخت و شروع در مزید انزوای سوائے چند نفر مخصوص ہمہ حاضران را در اول فرمود  
بودند کہ بہ خدمت استاد میاں شیخ احمد سلمہ اللہ بروند چوں گسیختن ایں چنین مخلصان بہ یکبارگی  
ازین درگاہ بغایت امر دشوار بود، ملول شدند، آخر جمع را بہ الطاف و ترغیبات راضی کردہ فرستادند  
و انہا کہ بے رضا بہ محض امر عالی می رفتند منع کردند در آن وقت ایں عنایت نامہ نوشتہ شدہ بود۔

رقعہ (۸۵) اللہ تعالیٰ فقرا و مساکین در ماندہ را از برکات برگزیدگان بہ درمانی برساند، مدتی  
است کہ نیازے بہ درگاہ ولایت عرض نہ کردہ ایم، آرے ایں پاک کلمہ را قاصدان صادق حاصل می  
توانند شد، بجز اللہ ایں قسم خود صورت می بندد، دیگر چہ نویسیم، سخن در ویشاں بہ حضرت شام نوشتن  
بہ غایت بے شرمی است و حکایات اوضاع صوریہ بسیار بے جا، الغرض ما طاعت خود می باید نیست



واز فضول احترازی باید کرد۔

رقعہ (۸۷) معروض مخادیم می گرداند کہ روزے چند مصلحت خود در آں می بیند کہ بہ مقتضائے کلمہ قدسیہ حضرت عبدالخالق غجدوانی کہ در شیخی را بر بند و در یاری را بر کشائے، نموده آید اکنوں التماس آن است کہ همچنان کہ کرم نموده مشایعت ترک نموده اند، تواضع و تعظیم را در مسجد نیز ترک نمایند و رشت و بر خاست و آمد و رفت مسجد بہاں معاملہ کہ بہ مرزا حسام الدین و خدمت مولانا یوسف و امثال ایشان می نمایند بہ فقیر نیز نمایند، خورد و بزرگ از دُکہ تا میاں شیخ الہدادر بریں عمل نمایند ان شاء اللہ مثاب شوند۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْ مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدَى

یعنی حضرت خواجہ قدس سرہ نے رقعہ ۸۷ میں شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہراتی معروف بہ پیر انصار و پیر ہرات کا قول نقل کر کے لکھ دیا ہے کہ اب توقف اور اہمال کا وقت نہیں ہے کام آپ کے سپرد ہے اور جامع مکاتیب اپنا چشم دید بیان لکھ رہے ہیں کہ حضرت مجدد کی بلند پروازیوں کو دیکھ کر حضرت خواجہ غلا و ملا میں آپ کی تعریف ایسے الفاظ سے فرماتے تھے کہ کاتب کا سلیقہ (اس کی ہمت) آپ کے بیان کو قلمبند کرنے سے قاصر ہے۔ اور حضرت خواجہ نے رقعہ ۸۷ میں خواجہ خواجگان حضرت عبدالخالق غجدوانی کا قول نقل فرما کر اشارہ کر دیا کہ جب طالب راہ مولیٰ درجات عالیہ پر فائز ہو جاتا ہے تو اس سے مرشد کو ایسی انسیت ہو جاتی ہے جیسی ایک صادق المحبت دوست سے ہوا کرتی ہے۔ حضرت خواجہ نے حضرت مجدد کو اپنا صدیق و یار بنا کر اسرار صدیقیت سے پوری طرح نوازدیا ہے اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ ہو نہیں سکتا۔

خواجہ ہاشم کشمی نے لکھا ہے "حضرت خواجہ آپ سے اپنے اُن مریدوں کا حال دریافت فرماتے تھے جو آپ کے پاس نہ تھے اور حضرت مجدد ان کے متعلق اپنے کشف کی رُوسے جواب تحریر فرماتے تھے۔ ایک مخلص مرید نے حضرت خواجہ سے نظر خاص کی التجا کی۔ آپ نے فرمایا جب وہ (حضرت مجدد) سرہند سے آئیں گے اُن سے کہوں گا تا کہ وہ توجہ خاص کر کے تھوڑی مدت میں مقامات عالیہ تک تم کو پہنچا دیں۔ اور حضرت خواجہ ارباب معرفت و تحقیق کے درجات مقامات اور دقائق علوم آپ سے استفسار فرمایا کرتے تھے اور آپ کے جوابات سے خورسند ہوتے تھے"

حضرت خواجہ نے اپنے ہاتھ سے درج ذیل مکتوب حضرت مجدد کو لکھا تھا۔ میں نے وہ مکتوب شیخ دیکھا ہے اور اسی سے نقل کر رہا ہوں۔ تحریر فرمایا ہے۔

"مُسْنَدُ ارشادِ اَوْسَعِ وَالنُّورِ بَادٍ، مَسْوَدَةُ رِسَالَةٍ کہ در طریقہ خواجگان تمام شدہ خواجہ برہان کُمُلُ الْبَصَرِ مُشْتَقَانِ گردانید، حَمْدٌ لِلّٰہِ سَمَاءٌ وَالْمِنَّہُ بِہِ غَايَتِ عَالِی است و لطیف، لیکن بہ خاطر می رسد کہ التماس نموده آید کہ قدرے در احوال حضرت خواجہ احراز قدس سرہ تفتیش فرمایند، شاید کہ امور دیگر ہم ظاہر شود،



ہماں روز کہ بہ مطالعہ آل لطیفہ غیبیہ مشرف شد در اثنائے نفاس خاطرے آمد کہ دست چپ یعنی عالم ارواح بہ ایشان تعلق دارد چوں حاضر شد بہ جہت ضعف حافظہ متردّد گشت کہ مشارالیه کہ بود لیکن ظن غالب آن بود کہ اشارہ بہ حضرت خواجہ بود، یکے در طبقہ ائمہ دیدہ شود، ممکن کہ چیزے ظاہر گردد، دیگر از سخنان ایشان معنی عصمتی مفہوم می شود و این نیز از بعض خواہا در یافتہ شدہ کہ ایشان بہ حسب خلقت نہایت در بدایت مخلوق شدہ اند چہ عجب اگر فوق نقطہ علم در زیر مقام وحدت علیا کہ قابلیت مطلقہ است مخلوق باشند، یکے کرم نمودہ آن جائے دیدہ شود، ایضا در مقام حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نظر بندازند کہ داخل آن مقام شدہ بہ نزول آمدہ اند یا از راہ دیگر یکبار آمدہ اند، شاید کہ مخلوقیت فوق نقطہ سبب عدم تقرر در آن مقام شدہ باشد، بارے البتہ عنایت نمایند و نیک تفتیش فرمایند کہ خیالے خاطر نگران است۔ التماس دیگر آن کہ در باب فناے بشریت نیز توجہ فرمایند کہ از غیر مقام فناے فی اللہ نیز مقامے دارد، یا منحصر است در داخل شدن بہ ہمیں مقام، از جملہ جماعتے کہ در فوق این مقام مخلوق شدہ اند ظاہر این است کہ ہچنان محفوظ باشند و حاجت بہ کسب در ظہور فنائے بشریت محفوظ باشند و ایضا جماعتے کہ در زیر ہماں مقام وحدت محو شدہ باشند و اگر چہ از راہ جذبہ قیومیت یا غیر آن رفتہ باشند نیز از عود بہ وجود بشریت محفوظ باشند ایضاً یک نظرے در خاندہ جبروت کہ مقام انبیاء است صلوات الرحمن علی نبینا و علیہم نیز بکنند کہ در آنجا نیز مقامے خواهد بود کہ از عود مذکور ایمن گرداند۔ ایضا در مقام فناے فی اللہ نیز نظرے فرمایند کہ شاید غیر از این راہ ظاہر تفصیل راہ دیگرے ہم داشتہ باشد و بعضے از این عزیزاں از اہل داخل شدہ باشند باقی احوال آن متوقف ایشان را بہتر معلوم است چہ نویسم۔ چنداں اسامی و علامات مقامات ما را معلوم نیست تغیرات را چہ نوع توان نوشت۔ ان شاء اللہ آنچہ مرضی است ہماں شود، محمد صادق و جمیع برادران واعزہ نیاز مندی قبول فرمایند۔ انتہی لہ

(ترجمہ) آپ کا ارشاد اوسع اور انور رہے، طریقہ خواجگاں کے رسالہ کا مسودہ اتمام کو پہنچا اور خواجہ بران نے اس کو مشتاقین کے واسطے کحل البصر بنایا۔ حمد و شکر اللہ کے لئے ہے کہ رسالہ نہایت بلند پایہ اور لطیف ہے لیکن خیال آتا ہے کہ حضرت خواجہ احرار کے اقوال کی تفتیش کے متعلق آپ سے التماس کی جائے۔ شاید کچھ اور بھی ظاہر ہو۔ اس لطیفہ غیبیہ کے مطالعہ سے جس دن سرفرازی ہوئی اٹنا وارتگی میں یہ خیال آیا کہ بائیں جانب کا یعنی عالم ارواح کا تعلق اُن سے ہے۔ جب ہوشیار ہوا تو حافظہ کی کمزوری کی بنا پر متردّد ہوا کہ اشارہ کس کی طرف تھا۔ البتہ ظن غالب یہی ہے کہ اشارہ خواجہ احرار ہی کی طرف تھا۔ اب ائمہ کے طبقہ میں دیکھا جائے شاید کوئی بات ظاہر ہو۔



دوسری بات یہ ہے کہ ان کے کلام سے عصمت کے معنی کا پتہ چلتا ہے اور احوال و ارتکاب ہی میں یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ آپ بہ حسب خلقت نہایت در بدایت مخلوق ہوئے ہیں۔ کیا عجب کہ انکی پیدائش نقطہ علم سے اوپر اور مقام وحدت علیا کے نیچے ہوئی ہو جو کہ قابلیت مطلقہ کا مقام ہے۔ مہربانی فرما کر اس مقام کو دیکھیں۔

اور اسی طرح حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے مقام کو بھی دیکھیں کہ اسی مقام میں داخل ہو کر نزول کیا ہے یا کسی دوسری راہ سے یکبارگی آمد ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نقطہ علم سے بالاتر مقام میں تخلیق کی وجہ سے اس مقام میں عدم تقرر ہوا ہو۔ غنایت فرما کر آپ خوب تفتیش کریں کیونکہ مجھ کو بہت خیال لگا ہوا ہے۔

اور دوسری التماس یہ ہے کہ آپ فنائے بشریت کے سلسلہ میں تحقیق کریں کہ کیا فنا فی اللہ کے مقام کے علاوہ بھی اس کا کوئی مقام ہے یا اس کا انحصار اسی مقام کے داخلہ پر ہے۔ اُس جماعت کے متعلق جس کی تخلیق اس مقام سے بالاتر مقام میں ہوئی ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسی طرح محفوظ رہیگی اور فنائے بشریت کے ظہور کے لئے محتاج کسب نہیں ہے۔ اور اسی طرح وہ جماعت جو اس مقام کے نیچے مقام وحدت میں محو ہو گئی ہے۔ چاہے اس کا جانا از راہ جذبہ قومیت ہوا ہو چاہے کسی اور راہ سے۔ وہ بھی وجود بشریت کے عود سے محفوظ ہے۔

اور آپ خانہ جبروت پر بھی ایک نظر ڈالیں جو کہ انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے۔ وہاں بھی ایک ایسا مقام ہونا چاہیے جو بازگشت مذکور سے آئین ہو۔ اور فنا فی اللہ کے مقام میں بھی خیال کریں۔ وہاں بھی بیان شدہ راہ کے علاوہ کوئی ایسی راہ ہوگی جس سے بعض مشائخ وہاں داخل ہوئے ہونگے۔

متوقف کے احوال آپ کو بہتر معلوم ہیں لہذا اس سلسلہ میں آپ کو کیا تحریر کیا جائے۔ کتنے ہی مقامات ہیں کہ ان کے نام اور احوال کا علم نہیں ہے لہذا ان کے تغیرات کا کیا بیان کیا جاسکتا ہے البتہ اللہ سے امید ہے کہ بہتر صورت ہمارے پیش آئے۔

محمد صادق اور تمام برادران واعزہ نیاز مندی قبول فرمائیں۔

اس مکتوب بدیع الاسلوب کو ملاحظہ کیا جائے کہ حضرت خواجہ نے آپ سے کیسے ادق سوالات کئے ہیں اور کیسے اعلیٰ مقامات میں تفتیش کرنے کو کہا ہے۔ شیخ بدر الدین نے جہاں حضرت مجددؒ کی تیسری حاضری اور حضرت خواجہ کے استقبال کرنے کا حال لکھا ہے وہاں تحریر کیا ہے کہ حضرت خواجہ بہ انواع اعزاز و اکرام آپ کو لے گئے اور جب مجلس منعقد ہوئی حضرت خواجہ نے آپ سے دریافت کیا کہ سید الطائفہ (حضرت جنید بغدادی) نے فرمایا ہے۔

”لَوْ طَلَبْنَا بِمَا عَلَيْهِ الْخَزَائِفُ لَهْلَكْنَا“ یعنی اگر مطالبہ کنند مارا برا پنچہ خزاں بران بودہ ہر آئینہ



ہلاک شویم۔ گفتہ اند کہ اُن آگاہی و عدم غفلت بود بین الخرزین، چوں آخر وقت از خراز پرسیدند کہ چہ آرزو داری گفت حسرت دارم بر غفلت، تطبیق چہ گو نہ باشد، حضرت ایشان در جواب گفتہ اند کہ آرزوئے خراز حضور بالکلیہ بود بہ ظاہر و باطن کہ ورے آں را غفلت می دانست دوام حصول آں متعسر بود بر اں تحسر داشت و آں کہ گفتہ اند کہ بین الخرزین اورا غفلت نہ بود مراد حضور باطنی است فقط۔

اگر خراز کی کیفیت کا مطالبہ ہم سے کیا جائے تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ کہا گیا ہے کہ خراز دائمی حضور و آگاہی کے قائل تھے، ایسا دائمی حضور کہ اس میں غفلت اتنی دیر کے لئے بھی طاری نہ ہو جتنی دیر ایک ٹانگے سے دوسرے ٹانگے میں لگتی ہے۔ اور پھر جب حضرت خراز کا آخر وقت تھا اُن سے دریافت کیا گیا، کیا کوئی تمنا رہ گئی ہے فرمایا کاش غفلت نہ ہوتی۔ حضرت خواجہ نے یہ بات فرما کر ارشاد کیا کہ حضرت خراز کے دونوں اقوال میں تطابق کی کیا صورت ہے۔ حضرت مجددؒ نے بہ جواب عرض کی کہ خراز کی تمنا اس حضور و آگاہی کی تھی جو ظاہراً اور باطناً حاصل ہو اور اس کے سوا کو وہ غفلت سمجھتے تھے۔ اور وفات سے قبل جوابات انہوں نے فرمائی ہے اس سے مراد حضور باطنی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ کو حضرت مجددؒ کے کشف و حقائق سنجی پر کامل اعتماد ہو گیا تھا اور آپ حضرت مجددؒ سے ادق مسائل حل کراتے تھے اور آپ اُن معارف و دقائق کا بیان کرتے تھے اور یارانِ طریقت کی کیفیت ”از تحسّر دست بر روی زند مسکین گس“ کے مصداق تھی اور جناب شیخ عبدالحق اپنے مکتوب طولانی لایعنی میں لکھ رہے ہیں۔

”در خدمت خواجہ محمد باقی افتادند و از صحبت شریف ایشان استفادہ ای نسبت کردند و رُوبہ ترقی نہادند در حیات و بعد از وفات ایشان از حالات و کمالات خود خبر دادن گرفتند زیادہ از حصہ و قیاس چنان کہ و چنداں کہ مردم حیراں شدند۔“ الخ۔

جو سوالات حضرت خواجہ نے حضرت مجددؒ سے کئے ہیں کیا اُن کا جواب اور کیا اُن مقاماتِ عالیہ پر استطلاع اور پھر اُن کا بیان کوئی کر سکتا ہے؟ یقیناً حضرت خواجہ کے سوالات اور حضرت مجددؒ کے جوابات نے لوگوں کو متحیر کیا ہوگا۔

خواجہ ہاشم نے اس مکتوب کو نقل کر کے لکھا ہے ”جس طرح روایت عالی از سافل حضرات محدثین میں رائج ہے اسی طرح حضرت خواجہ بزرگوار اپنے نائب عالی مقدار سے اخذ فوائد کرنے لگے تھے“ یعنی جس طرح استاد اپنے شاگرد سے کوئی ایسی حدیث سنے جو اس نے نہیں سنی ہے اور پھر وہ اس حدیث کی روایت اپنے شاگرد سے کرے۔



میرا خیال یہ ہے کہ حضرت خواجہ نہایت باکمال و مشفق مرتبی و ہادی تھے اور استعداد کو برکھنے اور پھر کام پر لگانے کی قابلیت سے بہ درجہ اتم متصف تھے، آپ کے اس مکتوب گرامی سے اگر کوئی صورت استفادہ سمجھا ہے تو میں صورت افادہ سمجھتا ہوں۔ آپ نے ایک مشفق و مہربان استاد و مرتبی کی طرح مقامات عالیہ کی طرف حضرت مجدد کو متوجہ کیا ہے، بے شک اس مبارک مکتوب سے حضرت مجدد کی استعداد اتم اور فوق التصور بلند پروازی کا بھی پوری طرح اثبات ہو رہا ہے اور حضرت خواجہ کے اس ارشاد "اور کامل اولیائے متقدمین میں اُن جیسا خال خال (کوئی کوئی) ہوا ہوگا" کی حقیقت واضح ہو رہی ہے۔ حضرت خواجہ نے آپ پر اسرارِ قیومیت روشن کئے اور آپ کو الف ثانی کا آفتاب معارف بنایا۔ حضرت خواجہ نے اجازتِ ارشاد اور دعوتِ الی اللہ افرادِ کثیرہ کو دی ہے لیکن خلعتِ خلافتِ عظمیٰ آپ ہی کو عنایت کی ہے۔ اس عنایت اور نوازش نے آپ کو محسودِ اقران بنایا جس کا بیان بعد میں آئے گا۔

اگر حضرت خواجہ نے آپ کو ایسے مکاتیب ارسال کئے ہیں اور پیر انصار کا قول تحریر کیا ہے یا خواجہ خواجگان کا ارشاد نقل کیا ہے اور اپنے مریدوں کو آپ کے حوالے کیا ہے تو آپ بھی حضرت خواجہ کی محبت میں فانی تھے اور اسی فنائیت نے آپ کو فنا فی الرسول اور پھر فنا فی اللہ کے مراتب پر پہنچایا۔ میں مختصر طور پر آپ کی محبت اور آپ کے ادب و احترام کے طریقہ کو بیان کرتا ہوں تاکہ اہل فضل و کمال کے فضل و کمال کا مزید اظہار ہو۔

حضرت خواجہ سے محبت اور ان کا ادب | ربی کا مشہور قول ہے "اِنَّمَّا يَعْرِفُ الْفَضْلُ ذُوْهُ" یعنی فضل و کمال کی قدر و قیمت

اصحابِ فضل ہی جانتے ہیں۔ اگر حضرت مجدد ایک دُرِ قیم تھے تو حضرت خواجہ بھی ایک بے مثال خیریت تھے اور حضرت مجدد حضرت خواجہ کے دل و جان سے عاشق تھے خواجہ ہاشم کشمی نے لکھا ہے۔ "مجھ سے خواجہ حسام الدین احمد نے جو حضرت خواجہ کے مقبول ترین افراد میں سے تھے بیان کیا کہ جس زمانہ میں حضرت خواجہ تمہارے پیر و مرشد (حضرت مجدد) کا نہایت احترام کرتے تھے، یہ واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت خواجہ نے مجھ کو تمہارے مرشد کے بلانے کو بھیجا۔ جب میں نے آپ سے حضرت خواجہ کے یاد کرنے کا ذکر کیا تو آپ کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا۔ خوف کے آثار ظاہر ہو گئے۔ انتہائے خشیت کی وجہ سے بدن میں اضطرابی کیفیت پیدا ہو گئی گویا کہ آپ پر روشہ طاری ہو گیا ہے ان کی اس حالت کو دیکھ کر میں نے دل میں کہا۔ اب تک سنتا آیا تھا یہ نزدیکانِ رامیش بود حیرانی! لیکن آج اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہا ہوں" لے



مولانا حسن کشمیری آپ کو حضرت خواجہ کی خدمت میں لے گئے تھے اس کے سالہا سال بعد جب کہ علمِ قطب الاقطابی آپ کے حق پر آراستہ ہو چکا تھا اور اقطار و اکنافِ عالم سے اہل اللہ آپ کی خدمت میں پہنچ رہے تھے۔ آپ نے مولانا حسن کشمیری کو تحریر فرمایا۔

”تعریف اللہ کے واسطے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔ آپ کا مبارک صحیفہ جو کہ اس فقیر کے نام تھا مولانا مہدی علی نے پہنچایا۔ بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ آپ نے شیخ اکبر کی اس عبارت کے متعلق دریافت کیا ہے ”سَبَبٌ يَخْلُقُهُمْ مَدَاةً اَعْمَارِهِمْ“ (حضرات خلفائے اربعہ کی خلافت کا سبب ان کی عمروں کی مدت ہے) مخدوم، مدت ہوئی فتوحات میں یہ عبارت دیکھی تھی۔ اب باوجود تلاش کے نہ ملی۔ اگر یہ عبارت پھر نظر سے گزری ان شاء اللہ فقیر آپ کو مطلع کرے گا۔

ثانیاً، فقیر آپ کی رہنمائی کا شکر ادا کرنے سے اور آپ کے احسان کی مکافات سے عاجز اور قاصر ہے فقیر کو اعتراف ہے کہ یہ سارا معاملہ اُسی نعمت پر مترتب ہے اور یہ سب داد و دید اُسی احسان سے وابستہ ہے۔ آپ کے حسن توکل کی بدولت وہ کچھ فقیر کو ملا ہے کہ کم کسی نے دیکھا ہوگا اور جو کچھ کہ فقیر کو عطا کیا گیا ہے اس قدر کم کوئی لطف اندوز ہوا ہوگا۔ مخصوص عنایات کی وہ کثرت ہے کہ اکثر افراد کو اُس مقدار میں عام عنایات میسر نہیں۔ احوال و مقامات و اذواق و مواجید و علوم و معارف و تجلیات و ظہورات کو راہِ عروج کی طیر می بنا کر مدارِ جِ قرب اور منازلِ وصول تک فقیر کو لے جایا گیا۔ قرب اور وصول کے الفاظ کا استعمال بھی تنگی دامنِ عبارت کی وجہ سے ہوا ہے ورنہ وہاں نہ قرب ہے نہ وصول نہ عبارت نہ اشارت نہ شہود نہ حلول نہ اتحاد نہ کیف نہ آئین نہ زمان نہ مکان نہ احاطہ نہ سرِ بایں نہ علم نہ معرفت نہ جہل نہ حیرت۔

چہ گویم با تو از مرغِ نَشَانہ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

ز عنقا ہست نامے پیش مردم ز مرغ من بوداں نام ہم گم

(ترجمہ) میں اس مرغ کے بارے میں تم سے کیا کہوں جو عنقا کا ہم آشیانہ ہے۔ عنقا کا نام تو لوگوں کے سامنے ہے لیکن میرے مرغ کا وہ نام تک غائب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جو بے حساب عنایتیں اس عالمِ اسباب میں مجھ پر ہوئی ہیں اُن کا سبب آپ ہی کی نوازش ہوئی ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری میں آپ کی شکر گزاری کا مفہوم شامل ہے۔ پھر بھی یہ چند کلمات آپ کو لکھے گئے تاکہ آپ کی نوازش کا شکر کسی قدر ادا ہو سکے۔ آپ پر اور ان سب افراد پر جنہوں نے ہدایت کی پیروی اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی سلام ہو“ لہ



حضرت مجددؒ کے دونوں مرشد زادوں کی ولادت سنہ ۸۰۰ھ میں ہوئی ہے خواجہ کلاں عبید اللہ کی اول ماہ ربیع الاول کو اور خواجہ خورد محمد عبداللہ کی چھ ماہ رجب کو۔ بارغ ولایت کے یہ دونوں بچوں جب اپنی بہار دکھانے لگے تو آپ نے ان کی خدمت میں یہ عریضہ ارسال کیا۔

”حمد و صلاۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد اپنے مخدوم زادوں کی جناب میں عرض ہے کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والد بزرگوار کے احسانات میں ڈوبا ہوا ہے۔ فقیر نے اس طریقہ کی الف بے کا سبق انہی سے لیا ہے اور اس کے حروف تہجی کو انہی سے سیکھا ہے۔ اندراج نہایت در پدایت کی دولت ان کی بابرکت صحبت سے حاصل کی ہے۔ ”سفر در وطن“ کی سعادت بطفیل ان کی خدمت کے ملی ہے۔ ان کی توجہ شریف نے اس ناقابل کو ڈھائی مہینے کے عرصہ میں نقشبندیہ نسبت سے روشناس اور ان اکابر کے حضور خاص سے سرفراز کر دیا۔ آپ کے طفیل سے اس راہ میں جو تجلیات و ظہورات اور انوار و ألوان و بے رنگی و بے کیفیتیں ظاہر ہوئیں ان کی تشریح و تفصیل کیسے بیان کی جائے، توحید کے معارف اور اتحاد و قرب و معیت و احاطہ و سرایان کے دقائق میں سے شاید ہی کوئی معرفت یا دقیقہ رہ گیا ہو جو ان کی توجہات عالیہ کی برکت سے اس فقیر پر ظاہر نہ ہوا ہو اور اس کی حقیقت واضح نہ ہوئی ہو، وحدت کا کثرت میں اور کثرت کا وحدت میں مشاہدہ کرنا ان معارف کے مبادی اور مقدمات میں سے ہے۔ اختصار کے ساتھ عرض یہ ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ کی نسبت اور ان حضرات کا حضور خاص جس مرتبہ اور مقام پر ہے اس کے پیش نظر ان معارف کا نام زبان پر لانا اور شہود و مشاہدہ کا نشان بیان کرنا کوتاہ نظری کی بنا پر ہے۔ ان بزرگوں کا کارخانہ نہایت بلند ہے۔ اس کو زرقاتی اور رقصی سے کیا مناسبت حضرت خواجہ سے ایسی اعلیٰ دولت جو اس فقیر کو ملی ہے اُس کے عوض اگر وہ ساری عمر اپنے سر کو اپنے صاحبان کے عتبہ عالیہ کے خدام سے پامال کرتا رہے تب بھی بیچ ہے۔ یہ فقیر اپنی کوتاہیوں کا کیا بیان کرے اور اپنی شرمندگیوں کا کیا اظہار کرے۔ معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر دے کہ انھوں نے ہم کو تباہی کرنے والوں کا بوجھ اٹھایا ہے اور عتبہ عالیہ کی خدمت کے واسطے کمر ہمت باندھ رکھی ہے۔

گر برتن من زباں شود ہر مومے یک شکروے از ہزار نتوانم کرد  
(ترجمہ) اگر میرے تن کا ہر بال زبان بن جائے تب بھی ہزار میں سے ایک شکران کا ادا نہ کر سکوں۔  
حضرت خواجہ کی آستان بوسی سے یہ فقیر تین مرتبہ مشرف ہوا ہے۔ آخری مرتبہ حضرت نے

بلہ اللہ تعالیٰ بے مثال ہے وہ مشتبہ بھی ہے منزہ بھی ہے تشبیہی اوصاف میں رنگارنگی کی کیفیات ہیں اور منزہی میں بے کیفی اور بے رنگی۔  
نہاں گنگ ہے وصف میں مدعا کے دُرازا دُرازا ہے دُرازا دُرازا ہے  
کہ یعنی کیفیات اور احوال ظاہری سے برتر ہے۔



فرمایا۔ مجھ پر ضعف غالب ہو گیا ہے حیات کی اُمید کم ہے۔ بچوں کے احوال سے باخبر رہنا۔ پھر آپ دونوں کو طلب کیا۔ آپ اپنی اتناؤں کی گود میں تھے اور فقیر کو حکم دیا کہ دونوں کو توجہ دے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ ابن کی والدات کو غائبانہ توجہ دو۔ چنانچہ فقیر نے امتثال امر کیا۔ اللہ سے اُمید ہے کہ حضرت خواجہ کی برکت سے وہ توجہات مثمر برکات ہوئی ہوں گی۔ الخ لہ

آپ نے جمال الدین حسین فرزند مرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا ہے۔

میرے پیران اور مجھ کو اللہ کی راہ بتانے والوں نے (جن کے توسط سے میں نے اس راہ میں آنکھ کھولی ہے اور جن کے توسط سے میں نے اس علم میں لب کشائی کی ہے، جن سے میں نے طریقت کی الف با پڑھی ہے، جن کی توجہات سے میں نے مولویت کا ملکہ پیدا کیا ہے، اگر مجھ میں علم ہے تو انہی کا طفیل ہے اگر معرفت ہے تو انہی کے التفات کی بہ دولت ہے، میں نے انہی بزرگواروں سے ”اندراج نہایت دربدایت“ کی راہ ورسم سیکھی ہے اور انہی سے انجذاب بہ قیومیت حاصل کی ہے۔ ان کی ایک نظر سے وہ کچھ پایا کہ لوگوں کو چلوں میں نہ ملے اور ان کی ایک بات سے وہ کچھ حاصل ہوا جو دوسروں کو سالوں میں حاصل نہ ہو) علو استعداد اور بلند مہمتی کی بنا پر سیرِ انفسی سے ابتدائے کارِ طریقت کی ہے۔ الخ

آپ نے خواجہ ہاشم کشمی کو تحریر فرمایا ہے۔

وہ طریقہ جو اسبق، اوفیق، اوثق، اسلم، احکم، اصدق، اذل، اعلیٰ، اجل، ارفع اور اکمل ہے  
 طریقہ نقشبندیہ ہے، اللہ اس کے اہالی کی ارواح کو اور موالی کے اسرار کو مقدس کرے، یہ ساری  
 بزرگی جو اس طریقہ کو حاصل ہے اور یہ سب علو شان جو ان بزرگوں کو ملی ہے بہ وجہ تمسک اثر اتباع  
 سنت مبارکہ کے ہے عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالْحَيَّةُ اور بدعت نامرضیہ سے بچنے کی بنا پر۔ یہ وہ  
 مبارک جماعت ہے کہ حضرات صحابہ کی طرح کام کی بدایت میں ان کی نہایت مندرج ہے۔ ان  
 کا حضور و آگاہی بہ وجہ اپنے کمال و دوام کے اوروں کے حضور و آگاہی سے برتر ہے۔

اے بھائی! اللہ تم کو سیدھی راہ پر چلائے۔ جب اس راہ کی ہوس اس درویش کو ہوئی تو اللہ کی ہدایت نے دستگیری کر کے ولایت پناہ حقیقت آگاہ ہادی طریق اندراج نہایت درہدایت و مرشد راہ موصل بہ درجات ولایت، دین کی تائید کرنے والے ہمارے شیخ و مولیٰ و امام شیخ رضی الدین محمد الباقی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچایا جو کہ خانوادہ نقشبندیہ کے اکابر و خلفاء میں سے تھے۔ انہوں نے ان تحریروں سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کو حضرت خواجہ سے کیسی محبت اور کتنی عقیدت تھی جبکہ آپ سلطان مسند ارشاد تھے اور آپ کی عمر کا کارواں منازلِ آخر میں قطع کر رہا تھا۔



آپ نے اپنے مخدوم زادوں کو لکھا ہے کہ اگر ساری عمر اپنے سر کو آپ حضرات کی چوکھٹ کے خدام سے پامال کرتا رہوں تب بھی بیچ ہے۔ جو شخص اپنے مربی و محسن کے احسان کو نہ بھولے اور ہمیشہ اس کے واسطے دعا کرے اس نے محبت کا حق ادا کیا ہے۔

آپ نے خواجہ ہاشم کو طریقہ نقشبندیہ کے فضائل تحریر فرمائے ہیں، چوں کہ آپ شروع میں دیگر سلاسل سے مستفید و مستفیض ہوئے اور پھر آپ اس مبارک طریقہ سے وابستہ ہوئے، آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ سلسلہ مبارک کہ آداب نبویہ سے پوری طرح محقق ہے جس کی طرف مولانا جامیؒ نے اشارہ کیا ہے۔

سکہ کہ در شرب و بطحا زوند  
نوبت آخر بہ بخارا زوند  
از خط آں سکہ نہ شد بہرہ مند  
جز دل بے نقش شرہ نقشبند  
آں گہر پاک بہ ہر جا بود  
معدن او خاک بخارا بود  
اول او آخر ہر منتہی  
زاخرا و جیب تمنا تہی

اس مبارک سلسلہ کا انتساب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف ہے اور آپ کو جو تعلق سرارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا وہ محتاج بیان نہیں۔ اس کا اثر اس مبارک سلسلہ میں بہ درجہ اتم موجود ہے۔ اس کی اساس اتباع سنت، اجتناب از بدعت اور آداب صحبت پر ہے۔

نقشبندیہ عجب و تافلہ سالار اند  
کہ برند از رہ پنہاں بہ حرم قافلہ را  
از دل سالک رہ، جاذبہ صحبت شان  
می برد و سوسہ خلوت و فکر چلہ را  
ناقصہ گر کند ایں سلسلہ را طعن قصور  
حاش تہ کہ بر آرم بہ زباں ایں گلہ را  
ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند  
رو بہ از حیلہ چہاں بگسلہ ایں سلسلہ را

اکابر میں سے کسی نے کہا ہے اور حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ "سلسلہ نقشبندیہ اہل علم اور اصحاب عزیمت کا سلسلہ ہے" یہ سلسلہ بلخ و بدخشان اور بخارا میں تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ کے واسطے سے حضرت مجددؒ کو اس سلسلہ سے بہرہ مند کیا اور آپ نے اس سلسلہ عالیہ کی بہ دولت مسلمانانِ عالم کو اللہ تعالیٰ کے رنگ سے رنگ دیا اور ان میں ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا کر دیا۔ ہر ایک کی زبان پر تھا۔

گر تو صد پارہ ام کنی زین رنگ  
بر نہ گردم کہ صیغۃ اللہ ام

اتباع سنن و عزائم امور | آپ کے مبارک رسائل اور مکتوبات کے پڑھنے سے عشق و سوز اور محبت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا

ہے۔ آپ جب بھی سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں نہایت ادب و احترام سے کرتے ہیں اور پھر ہر یہ صلوٰۃ و سلام بہ وجہ اتم و اکمل و احسن پیش کرتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ ہمیشہ آپ کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد رہا کرتا تھا جس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔



”اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَحْسِنُوا الصَّلَاةَ عَلَيْهِ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ لَعَلَّ ذَلِكَ يُعْرَضُ عَلَيْهِ“ (جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج تو اچھے طریقے اور الفاظ سے بھیجو۔ تم نہیں جانتے کہ شاید وہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہو) علمی اور مہتمم بالشان مکاتیب کا اختتام ذکر نبوی پر کرتے ہیں۔ کہیں تحریر فرماتے ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهَدْيَ وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَمَّتْهَا وَأَمَلَتْهَا۔ اور کہیں دعا کر کے لکھا ہے۔ بِحُرْمَةِ حَبِيبِهِ مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَآلِهِ الْكَرَامِ۔ اور کہیں یہ بھی لکھا ہے۔ ثَبَّحْنَا اللَّهَ سُبْحَانَهُ عَلَى إِطَاعَةِ الرَّسُولِ الَّتِي هِيَ عَيْنُ إِطَاعَةِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ اپنے عشق و محبت کا اظہار طرح طرح سے کرتے ہیں اور دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ خوش نصیب افراد جو آپ کے مکاتیب شریف کا مطالعہ کیا کرتے ہیں آپ کی مبارک روش کی پیروی کر کے اسباب سعادت کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے لکھا ہے۔ لہ

”اُس کترین نے بارہا آپ سے سنا ہے کہ کیا ہم اور کیا ہمارا اعلیٰ۔ جو کچھ بھی ہم کو ملا ہے وہ ضرور اللہ کا کرم ہے۔ اور اگر کوئی چیز اس کے کرم کے واسطے بہانہ بنی ہے تو وہ سید الاولین والآخرین کی متابعت ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہمارے کام کا مدار اسی پر ہے جزوی یا کلی طور پر جو بھی ملا ہے اتباع سنت ہی کی بدولت ملا ہے اور جو کچھ نہیں ملا ہے اس وجہ سے نہیں ملا ہے کہ بشریت کی وجہ سے ہم سے اتباع سنت میں کوتاہی ہوئی ہے۔“

ایک دن آپ اسرار و معارف تحریر فرما رہے تھے۔ ناگاہ ضرورت بشری کی وجہ سے بیت الخلا تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ آپ باہر تشریف لائے اور آپ نے پانی طلب فرما کر بائس ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کو دھویا اور آپ نے فرمایا ناخن پر سیاہی کا دھبہ تھا اور سیاہی حروف قرآنی کے اسباب کتابت میں سے ہے۔ بنا بریں لائق ادب نہ سمجھا کہ اس دھبہ کے ہوتے ہوئے طہارت کروں۔ اور پھر آپ برائے طہارت تشریف لے گئے۔

ایک دن آپ نے کالی مرچ کے چند دانے طلب کئے۔ مولانا صالح خٹلانی تھیلی میں سے چھ دانے نکال کر لائے۔ آپ نے رنجیدہ ہو کر فرمایا۔ ذرا ہمارے صوفی کو دیکھو کہ انھوں نے آج تک ”اللَّهُ وَتَوْحِيدُ الْوَحْدِ“ نہیں سنا ہے (اللہ طاق ہے اس کو طاق پسند ہے) و توحید کی رعایت کرنی مستحب ہے یعنی پسند کیا ہوا۔ خبر نہیں لوگ مستحب کو کیا سمجھتے ہیں۔ مستحب وہ کام ہے جو حضرت مولیٰ جل شانہ کو پسند ہے۔ اگر کسی ایسے کام کے لئے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے دنیا اور آخرت

لے زبدۃ المقالات کی فصل ششم کو مطالعہ کیا جائے میں نے اس سے بعض فوائد اخذ کئے ہیں۔



دے دی جائے تب بھی کچھ نہیں دیا۔ یعنی

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتہ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز  
ایک دن آپ چارپائی پر بیٹھے تھے۔ ناگاہ گھبرا کر اٹھے۔ اور ایک کاغذ کو جس پر کچھ تحریر تھا اٹھایا  
اور فرمایا۔ بے ادبی ہے کہ کوئی تحریر ہم سے نیچے رہے۔

آپ اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے۔ فقہ کی معتبر کتابوں کا مطالعہ کیا کرو تا کہ تم کو معلوم ہو کہ کونسا  
فعل مسنون ہے اور کونسا مردود۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ سے یہ زمانہ بہت دور ہو  
گیا ہے۔ بدعات اور فجور کی تاریکی نے دنیا کو گھیر لیا ہے۔ اس تاریکی اور اندھیرے میں چراغِ سنت نبوی ہی  
کی روشنی سے راستہ نظر آسکتا ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع سے عمدہ کوئی فضیلت نہیں ہے  
آنحضرت سے تشبہ نہایت سعادت ہے۔ چاہے وہ ظاہری تشبہ ہو، ایک مبارک سنت کی نامت م  
پیروی اس ہزار شب بیداری سے بڑھ کر ہے جو اپنے طور پر کی جائے۔

آپ نے فرمایا بڑے شرم کا مقام ہے کہ کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو اور وہ رکوع اور سجدے  
میں تین مرتبہ تسبیح کہنے پر اکتفا کرے (یعنی پانچ یا سات مرتبہ نہ کہے)۔

آپ نے فرمایا۔ لوگوں کو ریاضت اور مجاہدے کا شوق ہے۔ حالانکہ نماز کے آداب کو صحیح طور پر  
بجالانے سے بڑھ کر کوئی ریاضت اور مجاہدہ نہیں ہے۔ نماز کے واجبات اور سنن کی پوری طرح رعایت کرنی  
بڑا مشکل کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاتَّقُوا الْكِبْرِيَاءَ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ اور البتہ وہ بھاری سے  
مگرا نہی پر جن کے دل پگھلے ہیں۔

یعنی اصحابِ خشوع کے لئے جن کے دل پگھل گئے ہیں نمازِ راحت ہی راحت ہوتی ہے۔ سردار  
دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال سے جب فرماتے تھے۔ اِرْحَنِیْ یَا بِلَالُ۔ اے بلال مجھ کو راحت  
پہنچا، تو وہ عاشقِ صادق اذان دیتے اور آپ نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے۔

آپ نے فرمایا۔ اولیاء کے احوال شریعت کے تابع ہیں۔ شریعت ان کے احوال کے تابع نہیں۔  
شریعت قطعی ہے۔ اس کا ثبوت وحی سے ہوا ہے اور احوال ظنی ہیں اُن کا ثبوت کشف و الہام سے  
ہے کشف و الہام میں خطا کی گنجائش ہے بخلاف وحی کے کہ وہ حق ہے اس میں خطا کا شائبہ تک نہیں  
ہے تعجب ہے کہ بعض خام و ناتمام درویش اپنے کشف پر بھروسہ کر کے شریعت کی مخالفت کر جاتے  
ہیں۔ حالاں کہ اگر اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوتے جو کہ خود صاحبِ شریعت پیغمبر تھے۔ اسی  
شریعتِ محمدی کی پیروی کرتے۔ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالنَّجَیَّةُ۔ اور اپنی شریعت کی پیروی نہ کرتے۔  
حضرت مجددؒ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر کے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے،



جس کی روایت امام احمد اور بیہقی نے حضرت جابر سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہم یہود سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو ہم کو اچھی لگتی ہیں کیا ہم ان سنی ہوئی باتوں میں سے کچھ لکھ سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم بھی حیرت و شک میں پڑ گئے ہو جیسا کہ یہود اور نصاریٰ پڑ گئے ہیں۔ میں تمہارے پاس ایسی پاک ملت لایا ہوں کہ اگر موسیٰ با حیات ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لئے کوئی دوسری سبیل نہیں تھی۔ لہ

شیخ بدرالدین سرہندی نے حضرات القدس میں لکھا ہے۔

یہ عاجز مرید ہونے سے پہلے کبھی جمعہ کے دن آپ کی مسجد میں نماز پڑھنے جاتا تھا اور آپ کے نماز پڑھنے کو دیکھا کرتا تھا اور بے اختیار ہو کر آپ کی طرف سرکنا رہتا تھا۔ میرا دل گواہی دیتا تھا کہ آپ کو ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنا دیکھتے ہیں اور اسی طریقہ سے نماز ادا کرتے ہیں۔ شیخ بدرالدین نے آپ کے نماز پڑھنے کی کیفیت از تکبیر افتتاح تا سلام و ادن۔ تفصیل سے بیان کر کے لکھا ہے۔ اس حیرنے والے مشائخ کو دیکھا ہے لیکن ہر وقت اور ہمیشہ ایک ہی طرح بجز آپ کے کسی کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ آپ کی نماز خوارق میں سے ایک خرق عادت ہے۔ بغیر کسی کلال و کلال کے نہایت توقیر و تعظیم اور خشوع و عاجزی سے نماز ادا کرنی، اتباع سنت کے کمال رسوخ پر دل ہے۔ لہ

اور حضرات القدس ہی میں ہے۔ ایک دن برائے قضائے حاجت بیت الخلا گئے۔ وہاں مٹی کا ناتمام ایک پیالہ تھا جس پر لفظ مبارک اللہ نقش تھا اور مہتر اس سے قاذورات اٹھاتا تھا آپ کی نظر اس پیالہ پر اور اللہ کے مبارک نام پر پڑی۔ آپ نے اس کو اٹھایا، باہر تشریف لائے اور پانی منگوا کر اپنے ہاتھ سے اس ناتمام پیالہ کو پاک کیا اور پھر اس کو سفید کپڑے میں لپیٹ کر ادب کے طاق میں رکھ دیا۔ جب پانی پیتے تو اس پیالے میں پیتے اور اس سلسلہ میں آپ کو الہام ہوا تم نے ہمارے نام کا احترام کیا ہم تمہارے نام کو رفعت دیں گے۔ لہ

آپ کو جو الہام ہوا روز روشن کی طرح اس کا ظہور تمام عالم میں ہوا۔ بدطینت اور معاند کچھ بھی کریں دنیا آپ کو امام ربانی مجدد و ائلف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی کے نام سے یاد کرتی ہے اور آپ کے واسطے دعا کرتی ہے۔ قَدْ سَ اللہ مَسْرَّةَ الْاَقْدَاس۔

خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقالات کے فصل نہم میں آپ کی علالت اور وفات کا حال لکھا ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ ایک تہائی رات باقی تھی۔ آپ اٹھے اور وضو کیا اور کھڑے ہو کر تہجد کی نماز پڑھی۔ پھر فرمایا۔ تہجد کی یہ آخری نماز ہے۔ وفات سے کچھ پہلے آپ پر بخودی کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ مخدوم زادہ

لے مشکلات باب الاعتصام بالکتاب والستہ حضرت خامسہ میں لہ حضرت سابعہ میں۔



خواجہ محمد سعید نے عرض کی۔ یہ بخودی اور فرودستی کمزوری کی وجہ سے ہے یا استغراق کی۔ آپ نے فرمایا بعض عظیم معاملات درپیش ہیں اور میں ان کی طرف متوجہ ہوں تاکہ وہ مکشوف اور ظاہر ہو جائیں۔ آپ کو اس حال سے جب بھی کچھ افادہ ہوتا تھا اتباع سنت مبارکہ، اجتناب از بدعت اور ذکر و مراقبہ کی تاکید فرماتے تھے۔ اتباع سنت کے سلسلہ میں آپ کے الفاظ یہ ہوتے تھے ”سنت راہ دندانی خواہید گرفت“ یعنی سنت نبوی پر نچستگی اور مضبوطی کے ساتھ عمل کرنا ہوگا۔

خواجہ ہاشم نے اس کے بعد لکھا ہے۔ آپ کی اس وصیت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا جذبہ کارفرما ہے۔ ترمذی اور ابو داؤد نے عریاض بن ساریہ سے جو روایت کی ہے اس کا آخری حصہ اس طرح پر ہے ”جو بھی تم میں سے زندہ رہے گا وہ اختلافات کثیرہ دیکھے گا لہذا تم میری سنت اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو اپنے دانتوں سے پکڑو اور اپنے کو نئی باتوں سے بچاؤ کیونکہ ہر نئی بات گمراہی ہے“

خواجہ ہاشم نے یہ بھی لکھا ہے کہ اشراق کے وقت آپ نے پیشاب کے لئے برتن طلب فرمایا۔ جب برتن آیا تو اس میں ریت نہ تھی۔ فرمایا پھینٹ اڑنے کا اندیشہ ہے۔ لہذا برتن لے جاؤ اور مجھ کو ٹاؤ۔ جب آپ کو ٹٹایا گیا تو مسنون طریقہ پر دلہنے ہاتھ پر رخسار کو رکھا اور ذکر شریف میں مصروف ہو گئے۔ خواجہ محمد سعید نے سرعت نفس دیکھ کر عرض کی۔ حال اشرف کیسا ہے۔ ارشاد کیا۔ بہتر ہے اور پھر فرمایا۔ نماز کی وہ دو رکعت جو میں نے پڑھی ہیں کافی ہیں“ خواجہ ہاشم نے لکھا ہے کہ آپ کا آخری کلام یہی تھا اس کے بعد آپ کی روح جسدِ خاکی اور دارِ فانی کو چھوڑ کر رفیقِ اعلیٰ کی طرف روانہ ہو گئی۔

مشکات کی کتاب الجہاد میں مسروق سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے سورہ آل عمران کی آیت ۱۶۵ کے متعلق دریافت کیا (آیت) وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُزْكَوْنَ۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو تو مردہ نہ سمجھ بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی باتے ہیں“ حضرت ابن مسعود نے فرمایا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ ان کی ارواح سبز پرندوں کے اندر ہیں، ان کے واسطے عرش سے ٹلکی ہوئی قندیلیں ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں جنت میں سیر کرتے ہیں اور پھر قنادیل کی طرف لوٹ آتے ہیں“ الخ کشتگانِ خنجرِ تسلیم و رضا کو مقتولانِ تیغِ اعداء سے کم نہ سمجھنا چاہیے یہ پاک نہاد مدتِ العمر جہاد اکبر میں مصروف رہے ہیں۔

در سفالیں کا سہِ زنداں بخواری منگرید  
قدسیاں بے بہرہ اند از جرعہ کا سلاکرام  
کین عزیزاں خدمتِ جامِ جہاں میں کردہ اند  
ایں تطاول ہیں کہ باعشاقِ مسکین کردہ اند  
خواجہ ہاشم نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا شوق آپ پر غالب آگیا تھا آنکھوں سے آنسو



اور زبان پر مسنون دُعا اللّٰهُمَّ الرَّفِیقُ الْأَعْلٰی جاری تھی اور فرماتے تھے اگر طبیب مجھ کو بشارت دے کہ مرض لاعلاج ہے میں خیرات و صدقات کروں چنانچہ آپ نے بہ کثرت صدقات و خیرات کیں اور فرمایا۔ یہ سب از وجہ شوق وصال ہے، پھر آپ نے محبت کے آنسو بہاتے ہوئے ہندی کا یہ مصرع پڑھا۔

آج ملاوا کنت سوں، سکھی، سب جگ دینوں وار

(ترجمہ) اے محرم راز آج دوست کے وصال کا دن ہے میں تمام عالم کو اس دولت و نعمت کے شاکر کرتا ہوں۔ آپ جس طرح خالی ہاتھ اس دنیا میں تشریف لائے تھے اسی طرح متاع دنیا سے خالی ہاتھ تشریف لے گئے البتہ بہ وقت قدوم حضرت مخدوم نے اذان و اقامت کی صدا آپ کے مبارک کانوں میں پہنچ کر میثاق الٰہی کی یاد دہانی کر دی تھی، آپ اسی دولت لازوال کو نہاں غائر دل میں ساتھ لئے رفیقِ اعلیٰ کی بارگاہ میں پہنچے۔

درگاشن اُمید نسیم شمال بود

یارب چہ عہد بود کہ عہد وصال بود

ہر دم ز دوست تازہ نوید حال بود

آسودہ بود دل ز فراق و ز سوزِ جاں

گفتی مگر در آئینہ جان خیال بود

گیتی چناں رہو ز ما عہدِ آں وصال

ایک شبہ :- بعض افراد نے کہا ہے کہ حضرت مجدد حج بیت اللہ کی نیت سے اپنے وطن سرہند سے روانہ ہوئے تھے، راستہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ سے بیعت ہو گئے اور پھر وطن واپس آ گئے، اس کے بعد پھر حج کو نہیں گئے اور آپ نے فرض ادا نہ کیا۔

بظاہر شبہ وجہ ہے لیکن حقیقت حال کچھ اور ہے، مسئلہ میں آپ کا قصد حج کرنا غلبہ شوق کی بنا پر تھا اور آپ نے ازراہ توکل و رخصت ارادہ کیا تھا، حضرت خواجہ کے فیضانِ صحبت نے آپ پر ابوابِ عزائم کھول دیئے لہذا آپ نے رخصت کو چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَتَزِدُّوْا فَاِنْ خَیْرًا لِّزَادِ التَّقْوٰی وَالْقُوٰی یٰۤاَوَّلٰی الْاَلْبَابِ۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۹۷) اور خرچِ راہ یا کرو کہ خرچِ راہ میں بہتر ہے گناہ سے بچنا اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو! حضرت شاہ عبدالقادر نے یہ ترجمہ لکھ کر موضعِ قرآن میں لکھا ہے "کفر کی غلطی ایک یہ تھی کہ بغیر خرچِ حج کو جانا ثواب گنتے تھے اور توکل، مقدور ہوتے ہوئے خرچ نہ لیتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مقدور ہو تو خرچ لے کر جاؤ۔ بڑا فائدہ یہ کہ سوال نہ کرو، یعنی زارِ راہ لے لیا کرو تاکہ سوال نہ کرنا پڑے۔ زارِ راہ بہت پرہیزگاری ہے۔

حضرت مجدد کی مالی کمزوری اور علو فقر کا بیان حضرت خواجہ باقی باللہ نے اپنے رقعہ میں کیا ہے اور وہ گزرجکا ہے۔ حضرت مجدد نے پہلے راہِ توکل، فرط شوق و محبت میں اختیار کی تھی اور بعد میں راہِ عزیمت، تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے۔

دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

دردم از یار است و درماں نیز ہم



إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (میری نماز اور قربانی اور میرا جانا اور مرنا اللہ کی طرف ہے جو صاحب سارے جہان کا کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے حکم بردار ہوں)

رشتہ در گردنم انگندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

**آپ کی تالیفات** حضرت مجددؒ کی تالیفات کی ابتدا رسائل سے ہوئی ہے اور انتہا مکتوبات پر ہوئی شیخ صفراحمہ مخدومی نے آپ کے سات رسائل اور تین دفتر مکتوبات کا ذکر کیا ہے۔

- ۱۔ رسالہ تہلیلہ، اس کو رسالہ تحقیق در کلمہ طیبہ بھی کہتے ہیں۔
  - ۲۔ رسالہ اثبات نبوت، اس کو رسالہ تحقیق نبوت بھی کہتے ہیں۔
  - ۳۔ رسالہ رد شیعہ، اس کو رسالہ رد ورفض بھی کہتے ہیں۔ منشی نول کشور نے ۱۲۹۲ھ میں اس رسالہ کو مکتوبات شریف کے آخر میں طبع کیا ہے۔
- میرے پاس رسائل سب سے مبارکہ کا مجموعہ ۱۲۶۷ھ کا تحریر کردہ ہے۔ اس میں اور مطبوعہ نسخہ میں فرق ہے۔ قلمی نسخہ کے ریاچہ میں ہندوستان میں اسلام کی آمد اور وحدت کلمہ مسلمان کا ذکر ہے۔ پھر تحریر فرمایا ہے: "حضرت خواجہ خسرو علیہ الرحمۃ والرضوان در تعریف ملک ہندوستان می فرماید" اور پھر آپ نے ان کے چودہ اشعار لکھے ہیں۔

۴۔ رسالہ معارف کدنیہ۔

۵۔ رسالہ شرح الشرح بعض رباعیات حضرت خواجہ۔

۶۔ رسالہ مبداء و معاد۔

۷۔ رسالہ مکاشفات غیبیہ۔

اول الذکر دو رسالے عربی میں اور باقی پانچ (از نمبر ۳ تا ۷) فارسی میں ہیں۔ شیخ صفراحمہ نے لکھا ہے کہ رسالہ مکاشفات غیبیہ کو حضرت خواجہ محمد معصوم نے اور رسالہ مبداء و معاد کو خواجہ محمد صدیق بخشی نے جمع کر کے ابتدا میں خطبہ کا اضافہ کیا ہے باقی تمام مضامین حضرت مجددؒ کے تحریر کردہ ہیں۔

خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات میں رسالہ اثبات نبوت کا ذکر نہیں کیا ہے اور رسالہ جذبہ و سلوک کا ذکر کیا ہے۔

شیخ بدرالدین نے حضرات القدس میں رسالہ تہلیلہ کا ذکر نہیں کیا ہے اور رسالہ آداب المریدین کا نام



لکھا ہے۔ آخر میں وَغَيْرُ ذَلِكَ لکھا ہے، یعنی ان کے سوا اور بھی ہیں۔

خواجہ ہاشم اور شیخ بدرالدین نے تعلیقات عوارف کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت شہاب الدین کے ادب کے پیش نظر آپ نے لکھنا بند کر دیا۔ خواجہ ہاشم نے آپ کی تالیفات کے بیان کرنے سے چار ورق پہلے لکھا ہے کہ بعض فضلا کی التماس پر آپ نے عوارف کی شرح عربی میں لکھنی شروع کی تھی یہ

رسالہ تہلیلہ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجددؒ نے یہ رسالہ اس وقت لکھا ہے جبکہ آپ حضرت مخدوم سے عوارف و فتوحات اور خصوص کے حقائق و دقائق کو حل کر رہے تھے علوم ظاہری کی مروجہ کتابوں کی انتہا اور علوم باطنی کی ابتدا کا دور تھا اور یہ بارہ صفحے کا رسالہ آپ کی پہلی تالیف ہے آپ نے اس رسالہ کی ابتدا: "فَإِنْ قُلْتَ لَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيرِ خَيْرٍ لَا" سے کی ہے۔ یہ عبارت غمازی کر رہی ہے کہ ہنوز تحصیل علم کا سلسلہ جاری تھا بعض افراد کا خیال ہے کہ یہ رسالہ آپ نے اپنے حضرت والد کی وفات کے بعد لکھا ہے کیونکہ آپ نے صفحہ چھ پر لکھا ہے: "قَالَ شَيْخِي دَقَالِدِي قَدْ مَاتَ بِسُوءَةٍ فِي رِسَالَةٍ" آپ نے اپنے والد کا ذکر قدس سرہ سے کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رحلت فرما چکے تھے۔ اس سلسلہ میں میرا خیال یہ ہے کہ یہ دعائیہ جملہ مبیسضہ کرتے وقت اضافہ کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح صفحہ گیارہ پر "وَقَدْ اسْتَفْضَاهُ فِي رِسَالَتِنَا الْمُحَرَّرَةِ لِإثْبَاتِ النَّبُوَّةِ" کا اضافہ ہوا ہے۔

حضرت مخدوم کی وفات کے بعد آپ حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے اور سلسلہ نقشبندیہ کے فیوضات سے سرشار ہوئے حضرت خواجہ سے وابستگی کے بعد آپ کی ہر تحریر میں نسبت نقشبندیہ موجہیں مار رہی ہے لیکن رسالہ تہلیلہ اس سے معرئی ہے۔ یہی کیفیت رسالہ اثبات نبوت اور رسالہ رد شیعہ کی ہے۔ یہ تینوں رسالے سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہونے سے پہلے تالیف ہوئے ہیں۔

آپ کے رسالہ رد شیعہ پر اس دور کے آزاد خیال افراد کو اعتراض ہے۔ ان لوگوں کی نظر میں یہ رسالہ اخوت اسلامی کے منافی ہے۔ یہ لوگ اُن اسباب و علل سے چشم پوشی کر رہے ہیں جن کی بنا پر حضرت مجددؒ اس رسالہ کے لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنے رسالہ کے دیباچہ میں واضح طور سے اس کا ذکر کیا ہے میں اس کا خلاصہ لکھتا ہوں۔

"ما دارا النہر کے علماء نے ایک رسالہ رد و انقض میں لکھا تھا۔ اس رسالہ کے جواب میں شیعوں نے بھی ایک رسالہ لکھا۔ اس میں خلفائے ثلاثہ (یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم) کی تکفیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تشیع اور ذمہ ہے اور شیعوں کے بعض طلبہ جو اس ملک (ہندوستان) میں آگئے ہیں وہ اس رسالہ کی تحریرات پر افتخار و مباہات کرنے لگے اور بادشاہ و امراء کی محفلوں میں اُن



مغالطات کی تشہیر کرنے لگے جس مجلس میں یہ فقیر ہوتا تھا ان کی غلط بیانیوں کا رد مقدمات معقولہ سے کرتا تھا۔ اس وقت دل میں خیال آیا کہ اس سلسلہ میں رسالہ لکھا جائے چنانچہ میں یہ رسالہ لکھ رہا ہوں۔“ حضرت مجدد نے اس رسالہ میں شیعیت کی ابتدائی تاریخ لکھی ہے اور پھر شیعوں کے طوائف کا بیان بہ صورت اختصار کیا ہے۔ وہ طوائف یہ ہیں :- ۱۔ طائفہ بسائیہ ۲۔ طائفہ کاملیہ ۳۔ طائفہ بیانیہ ۴۔ طائفہ سمیریہ ۵۔ طائفہ جناحیہ ۶۔ طائفہ منصورہ ۷۔ طائفہ خطابیہ ۸۔ طائفہ غرابیہ ۹۔ طائفہ زمینیہ ۱۰۔ طائفہ یونسیہ ۱۱۔ طائفہ مفوضہ ۱۲۔ طائفہ اسماعیلیہ باطنیہ ۱۳۔ طائفہ زیدیہ ۱۴۔ طائفہ امامیہ۔

آپ نے ان طوائف کے عقائد بیان کر کے ان کی ذہنی کیفیت عیاں کر دی ہے اور پھر آپ نے علماء ماوراء النہر کے رسالہ کی عبارت نقل کی ہے۔ یہ عبارت آٹھ سطر کی ہے۔ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔ ”جبکہ شیعہ حضرات شیخین (ابوبکر و عمر) اور ذوالنورین (عثمان) اور بعض ازواج طاہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین پر لعن کرتے ہیں اور یہ کفر ہے۔“ الخ

آپ نے اس کے بعد قرآن و حدیث اور ائمہ دین کے اقوال سے علماء ماوراء النہر کے فتوے کو صحیح بتایا اور اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذہب اہل سنت و جماعت کی رو سے حضرت مجدد کی یہ تحریر درست ہے یا غلط۔ اگر مقررین کا خیال یہ ہے کہ غلط ہے تو وہ اس کو ثابت کریں۔ اہل سنت و جماعت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن مجید کے ایک حرف کا انکار بھی کفر ہے حضرت عائشہ کی برأت قرآن سے ثابت ہے۔ اب اگر کوئی آپ کی برأت کو تسلیم نہ کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

جو لوگ حضرت مجدد پر اعتراض کر رہے ہیں اور آپ کی تحریر کو اخوت و محبت کے خلاف قرار دے رہے ہیں، کیا بھی ان کو اس بات کی توفیق ہوئی ہے کہ انھوں نے از روئے اخوت شیعوں سے کہا ہو کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عائشہ اور ان تمام صحابہ کو جن سے پروردگار جل شانہ نے اپنی رضامندی کا اظہار قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے، گالیاں نہ دو ان پر لعنت نہ بھیجیں مسلمانوں کے دلوں کو زخمی نہ کرو۔ دیکھو، عکرمہ فرزند ابوجہل جب اسلام لانے کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو انھیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: ”يَا أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ مَوْصِيًّا فَمَا جَرًّا فَلَا تَسُبُّوا آبَاءَهُ فَإِنَّ سَبَّ الْمَيِّتِ يُؤْذِي الْحَيَّ وَلَا يُلْحِقُ الْمَيِّتَ“ وفي رواية ”لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَتُؤْذُوا الْأَحْيَاءَ“ ۱

(ترجمہ) ”تمہارے پاس عکرمہ مومن اور مہاجر ہو کر آ رہا ہے پس تم اس کے باپ کو گالی نہ دو کیونکہ مردے کو گالی دینے سے زندوں کو تکلیف پہنچتی ہے مردے کو نہیں لگتی۔“ اور ایک روایت میں ہے ”مردوں کو گالی نہ کر زندوں کو ایذا نہ پہنچاؤ۔“



حضرت مجددؒ قدس سرہ اللہ اور رسول کی بات کریں، ائمہ کے اقوال نقل کریں تو مجرم اور شیعہ ہمارے سردار دو جہاں کے جاں نثاروں اور آپ کی زوجات مطہرات کو گالیاں دیں، اُن پر جھوٹے الزام لگائیں تو یہ کوئی بات نہیں، کیا اس سے اخوتِ اسلامی کو تقویت پہنچتی ہے۔

بِمِثْلِ هَذَا أَفْلَيْذُوبُ الْقَلْبِ مِنْ كَيْدٍ إِنْ كَانَ فِي الْقَلْبِ إِسْلَامٌ وَإِيمَانٌ

حضرت مجددؒ کا رسالہ کل چالیس صفحے کا ہے، نو فاسطہ محققین حضرت شاہ عبدالعزیز کی کتاب "تحفہ اشنا عشریہ" اٹھا کر دیکھیں جو سات سو چھیتر صفحات کی بے مثل کتاب ہے۔ اس کا ہر صفحہ حضرت مجددؒ کے رسالہ کے دو صفحے سے زائد ہے ایہیں غلاتِ شیعہ کے جو بیگل، فرقہ زیدیہ کے نو، اور فرقہ امامیہ کے اتالیس فرقوں کا اور ان کے ایک سو سات مکائد اور سینتیس عقائد کا تفصیل سے ذکر ہے۔ یہ کتاب ۱۲۶۱ھ میں دلی کے مطبع حسنی میں چھپی ہے، اس کا اردو ترجمہ عبدالحمید خاں صاحب پٹی بھتی نے کیا ہے جو کہ تحفہ مجیدیہ کے نام سے ۱۳۱۸ھ میں بہ اہتمام عبدالواحد خاں مطبع مصطفائی میں چھپا۔ اس کتاب کی جامعیت اور مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جائے کہ حضرت مصنف قدس سرہ کی حیات میں علامہ غلام محمد بن محی الدین بن عمر سلمی نے ۱۲۶۱ھ میں اس کا ترجمہ عربی میں کیا، اور پھر سید محمود شکاری آلوسی بغدادی نے اس کو مختصر کر کے ۱۳۱۸ھ میں بہ نام "مختصر التحفۃ الاشنی عشریہ" طبع کیا، اور اب ۱۳۹۶ھ میں حسین علمی الشیق بن سعید استانبولی نے ترکی میں اس کو پھر چھپوایا ہے جو کہ تین سو چھتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ جو بھی اناہل علم ہوگا وہ اس کتاب کا دلدادہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے علم و فضل و وسعت معلومات کا دل سے معترف ہوگا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے شاہ بخارا کے دریافت کردہ دس مسائل کا جواب لکھا ہے اس میں بعض سوالات کا تعلق روافض سے ہے۔ یہ رسالہ فتاویٰ عزیزی کے اواخر میں چھپا ہے، شایان دید ہے۔ حضرت مجددؒ کے رسالہ ردّ شیعہ کی تعریف حضرت شاہ ولی اللہ نے کی ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ محمد اکرم نے لکھا ہے۔

"حضرت شاہ ولی اللہ نے حضرت مجددؒ کے رسالہ ردّ روافض کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کے شروع میں عہد اکبری کے مذہبی رجحانات پر تبصرہ ہے اور حضرت مجددؒ کے تمام احسانات و کارنامے ایک ایک کر کے تفصیل سے گنائے گئے ہیں۔"

حضرت قاضی ثنار اللہ نے بھی فارسی میں ایک رسالہ ردّ روافض لکھا ہے جو کہ میرے پاس محفوظ ہے۔ روافض نے جو فتنہ حضرت مجددؒ کے زمانہ میں برپا کیا تھا وہ حضرت شاہ ولی اللہ کے دور میں شدت سے برپا ہوا لہذا ان حضرات نے یہ کتابیں لکھیں اور مسلمانوں کو روافض کے فتنہ سے محفوظ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اجر عنایت کرے۔



حضرت مجدد کے مکتوبات | آپ کے مکتوبات کا آغاز ان عرائض سے ہوا ہے جو آپ نے حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں سلسلہ سے ارسال کرنے شروع

کئے۔ آپ کے مکتوبات کے تین دفتر یعنی حصے ہیں۔ پہلے حصہ کو خواجہ یار محمد البجدید بخش طالقانی نے جمع کیا ہے۔ جب سلسلہ میں مکتوبات کی تعداد تین سو تیرہ کو پہنچی جو کہ انیلے مرسل اور اصحاب بدر کی تعداد ہے تو حضرت مجدد کے اشارے پر اس دفتر کو بند کیا گیا۔ اس کا تاریخی نام ”درالمعرفت“ ہے۔ دوسرے دفتر کو خواجہ عبدالحی حصاری نے جمع کیا ہے۔ اس دفتر کو ننانوے مکتوبات پر حضرت مجدد نے سلسلہ میں بند کر دیا۔ آپ نے فرمایا اسمائے حسنیٰ بھی ننانوے ہیں۔ اس دفتر کا تاریخی نام ”نور الخلاق“ ہے۔ تیسرے دفتر کو جمع کرنے کی ابتدا میر نعمان نے کی تھی۔ انھوں نے تیس مکاتیب جمع کئے تھے کہ یہ خدمت ان کے مرید سرفست جام احمدی خواجہ ہاشم کشمی کے سپرد ہوئی۔ جب مکاتیب کی تعداد ایک سو چودہ کو پہنچی حضرت مجدد نے فرمایا قرآن مجید کی سورتیں ایک سو چودہ ہیں لہذا اس عدد پر اس دفتر کو بند کر دو۔ خواجہ ہاشم نے اس کا نام ”بحر المعارف“ رکھا ہے۔ یہ واقعہ سلسلہ کا ہے۔ اس کے بعد چند ماہ حضرت مجدد بہ حیات رہے۔ اس عرصہ میں دس مکتوبات تحریر فرمائے اور آپ کی وفات کے بعد ان کو اسی دفتر میں شامل کر دیا گیا۔ اس طرح یہ دفتر ایک سو چوبیس مکتوبات پر حاوی ہوا اور آپ کے کل مکتوبات کی تعداد پانچ سو چھتیس ہے۔ ان میں بیس عرائض ہیں جو آپ نے اپنے پیرومرشد کو ارسال کئے ہیں۔ اگر آپ کے رسائل سب کو بھی ان میں ملا لیا جائے تو تعداد پانچ سو تینتالیس ہوئی۔ یہ ہے آپ کا مبارک اثاثہ جو اہل اسلام کے لئے سرمایہ سعادت و نور ہدایت بنا ہوا ہے۔ اور ہزار ہا بندگان خدا اس کی بدولت مراتب عالیہ کو پہنچ چکے ہیں۔ حضرات عالی قدر آپ کے مکتوبات قدسی آیات کا ہر روز درس دیا کرتے تھے۔

صد ہا مشائخ عظام اور علمائے اعلام کے مکاتیب کو ان کے مخلصوں اور شاگردوں نے جمع کیا ہے۔ خود آپ کے فرزندان گرامی قدر اور ان کے صاحبزادگان عالی گھر کے مکتوبات کو بھی جمع کیا گیا ہے لیکن جو قبولیت آپ کے مکاتیب مبارک کو حاصل ہوئی ہے کسی کے مکاتیب کو نصیب نہ ہوئی، محبوبان پروردگار کے متعلق صحیح مسلم کی روایت کردہ حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں: ”تَحْبُوْصُ لَهٗ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ“ پھر اہل زمین میں اس کی قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ یعنی وہ نیک بندہ مقبولِ خلاق ہوتا ہے۔ اس مبارک حدیث کی روشنی میں آپ کے مکتوبات کی قبولیت دیکھ کر آپ کی محبوبیت عند اللہ کا اندازہ کیا جائے۔ ایں سعادت بہ زور بازو نیست تانہ بخشہ خدائے بخشندہ

آپ کے مکتوبات کا ہر لفظ نسبت نقشبندیہ سے بھرا ہوا جام معرفت ہے جو پڑھنے والے کو اعلیٰ درجہ احسان (اَنْ تَقْبَلَ اللّٰهُ کَاَنَّكَ تَرَاهُ) اللہ کی عبادت ایسی کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو پر پہنچا تا ہے۔ ہزار ہا اہل غفلت اس سغراق معرفت کو پی کر دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر گرویدہ



ذاتِ بخت ہوئے ہیں، اُن کے تن کا ذرہ ذرہ صدا لگا رہا ہے۔

خواہم کہ دمام در ہواے تو زیم      خاکے شوم و بہ زیر پائے تو زیم  
مقصود من خستہ ز کونین توئی      از بہر تو می زیم، براے تو زیم

مصر میں جامع ازہر کے ایک سن رسیدہ جلیل القدر عالم کے ہاتھ اتفاق سے مُعَرَّب مکتوبات کا نسخہ آگیا۔ میں ان کے پاس بیٹھا تھا، کم و بیش ایک گھنٹہ تک وہ اس کے مطالعہ میں مصروف رہے۔ پھر انھوں نے کہا ”سبحان اللہ کیا گنجینہ اسرار و معارف ہے“

آپ کے مکتوبات کا ترجمہ اردو میں بھی ہوا ہے۔ اگرچہ وہ ترجمہ اصلاح طلب ہے تاہم از معتنات ہے۔ مولانا ہدایت علی نقشبندی ساکن بے پور نے دفتر اول کے تمام مکتوبات کا خلاصہ اردو میں ”ذرا لاشانی“ کے نام سے ۱۳۵۷ھ میں طبع کیا ہے۔ مکتوب نمبر ۲۸ کا ترجمہ بہ طور نمونہ لکھتا ہوں۔

”خواجہ غمک، آپ نے یاد فرمایا، خوشی ہوئی، لیکن فقیر نے جب اپنے آپ کو اس لائق نہ پایا تو ناچار گوشہ تنہائی میں پوشیدہ ہوا اور قُرب سے بھاگ کر بعد میں آرام لیا اور اتصال سے انفصال کے ساتھ قرار پکڑا اور جب آزادی میں گرفتاری دیکھی تو ناچار گرفتاری کو اختیار کیا۔“

دفتر دوم اور سوم کا خلاصہ کیا ہے یا نہیں اور چھپا ہے یا نہیں اس کا علم مجھ کو نہیں۔

مولانا نسیم احمد غریبی امر وہوی نے بھی مکتوبات شریف کی تلخیص بنام ”تجلیات ربانی“ کی ہے لیکن آپ نے تمام مکاتیب کا خلاصہ نہیں کیا ہے بعض کو چھوڑ دیا ہے پہلے حصہ کی تلخیص مکتبہ فرقان لکھنؤ سے حال میں چھپی ہے۔ بہ طور نمونہ ایک مکتوب لکھتا ہوں جو کہ مکتوب نمبر ۱۳۱ ہے۔

”حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ترقیات نصیب کرے، بحرۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ احوال قلبی کے متعلق کبھی نہ لکھا کہ کیا صورت ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ لکھتے رہا کرو کیونکہ یہ امر موجب توجہ غائبانہ ہوتا ہے۔ محبت و اخلاص راہِ سلوک میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ اگر اس وقت ترقی مفہوم و محسوس نہیں ہوتی تو کچھ غم نہیں ہے۔ جب اخلاص پر استقامت ہے تو امید ہے کہ برسوں کا کام گھنٹوں میں حاصل ہو جائے گا۔ والسلام

غرضیکہ حضرت کے مکتوبات قدسی آیات سراسر کسیر ہدایت ہیں۔ پرفیسر محمد فرمان نے بہت ٹھیک لکھا ہے۔

”آپ کی دو کرامتیں دنیا کے لئے بڑے فیوض کا باعث ہوئی ہیں۔ ایک آپ کی نیک صلاح اولاد ہے جن میں سے ہر ایک یگانہ روزگار تھا۔ آپ کے صاحبزادے محمد صادق، محمد سعید، محمد معصوم ظاہری اور باطنی علوم میں اعلیٰ پائے کے بزرگ ہوئے ہیں اور انھوں نے ترویج شریعت میں اپنے والد ماجد کے ہر ارشاد کی تعمیل کی ہے اور اُن کے بعد اُن کی مشعل ہدایت کے نور کو دور دور تک



پھیلا یا ہے۔ دوسری کرامت جناب کے یہ مکتوبات ہیں، جن کے مطالعہ سے آپ کی علمیت، معرفت، خلوص اور شرع کی پابندی کا ایک ایسا حسین، دلکش اور مستحکم منظر آنکھوں کے آگے آجاتا ہے جس سے پڑھنے والا اپنے دل میں ایک سرور اور سوز محسوس کرتا ہے اور اپنے مزاج و افعال میں نمایاں تبدیلی پاتا ہے۔  
حضرت محمد عبداللہ جان مجددی معروف بہ شاہ آغا، ساکن ٹنڈہ سائیندا ضلع حیدرآباد سندھ متوفی ۱۳۹۳ھ نے مکتوبات شریف کا انتخاب بہ اعتبار مضامین کیا ہے۔ انھوں نے چار ابواب قائم کئے ہیں۔ پہلا اصول و عقائد اہل سنت و جماعت کا، دوسرا مسائل و احکام کا، تیسرا حقائق و معارف و انوار و اذواق و مواجید کا، چوتھا مواظظ و نصائح کا۔ اور اس کا نام فیض البرکات من عین المکتوبات رکھا ہے۔ کتابی تقطیع پر ۴۹۲ صفحات کی کتاب ہے۔ چونکہ انتخاب فارسی میں ہے اس لئے حضرت مجددی کی عبارت ہے۔ اگر حضرت محمد عبداللہ جان رحمۃ اللہ علیہ تمام مکتوبات کو بالاستیعاب بہ اعتبار ابواب لکھتے اور کچھ ابواب کا اضافہ کرتے نہایت اعلیٰ کام ہوتا۔

صاحب فضل و نسبت حسین علمی ایشیق بن سعید استانبولی نے مکتوبات کے پہلے دفتر کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا ہے جو کہ سولہ فروری ۱۹۴۲ء کو چھپ گیا ہے۔ پانچ سو پچاسی صفحات میں مکتوبات کا ترجمہ ہے اور تینتالیس صفحات میں فہرست (کل صفحات ۶۲۸ ہیں) اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ باقی دونوں دفتروں کو بھی ترجمہ کر کے طبع کر دیں۔

میں نے سنا ہے کہ ہندوستان میں ایک پروفیسر مکتوبات کا ترجمہ انگریزی میں کر رہے ہیں وہ اس کام میں دو تین سال سے مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب کرے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اٹلی کے تعلیم یافتہ طبقہ میں دین برحق "اسلام" مقبول ہو رہا ہے۔ ایک جماعت اسلام میں داخل ہو گئی ہے۔ چند افراد یہاں آکر سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں داخل ہوئے ہیں۔ حضرت مجددؒ کا نظریہ توحید شہودی ان کو کھینچ کر یہاں لایا ہے۔ یورپ کے ایک نو مسلم شیخ عبدالواحد کچیہ نے تصوف پر کتابیں لکھی ہیں۔ وہ کتابیں اس جماعت کے لئے مشعل راہ بنی ہیں۔ حضرت مجددؒ کے بعض مکتوبات کا اٹلی والوں نے اپنی زبان میں ترجمہ کر کے طبع کر دیا ہے۔ دفتر سوم کا مکتوب ۶۴ میر منصور کے نام ہے اس کا ترجمہ کیا ہے اور مجھ کو سنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذوق و شوق میں اضافہ کرے اور حضرت مجددؒ کی تعلیمات سے اپنے برادرانِ وطن کو روشناس کرائیں۔

حضرت مجددؒ کے مکتوبات کا جس زبان میں بھی ترجمہ ہوگا اسلام کو تقویت ملے گی، جو بھی آپ کے مکتوبات کو پڑھے گا اس کے سامنے اسلام کا اور اسلامی تصوف کا صحیح نقشہ آجائے گا۔

غلام آں کلام تم کہ آتش افروزد نہ آب سرد ز نند در سخن بر آتش تیز



فقر و خستہ بہ درگاہت آدمی کے کہ جز ولایت توام نیست ہیچ و تازی  
حضرت مجدد نے احیاء سنت کی تحریک شروع کی کیونکہ آپ کے  
نزدیک تمام مفاسد کا علاج اتباع سنت ہی میں مضمر ہے آپ  
نے شیخ حسن برکی کو لکھا ہے۔

”اللہ آپ کو استقامت دے اور مقاصد عالیہ کی نہایت تک پہنچائے۔ آپ نے رفع بدعت  
کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے ٹھیک ہے۔ یہ ایک بڑی نعمت ہے جو بدعات کے اس تاریک دور میں  
کسی خوش نصیب ہی کو ملتی ہے کہ وہ کسی بدعت کو مٹائے اور کسی سنت کو رائج کرے۔ صحاح کی حدیث  
ہے کہ جو شخص کسی ایسی سنت کا احیاء کرے کہ اس پر عمل نہ کیا جاتا ہو اس کو سو شہیدوں کا ثواب  
ملے گا۔ اس مبارک ارشاد سے اس کام کی عظمت کا اندازہ لگانا چاہیے۔ البتہ اس بات کا خیال رہے  
کہ اس کی وجہ سے کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔ اور کہیں ایک بھلائی بہت سی برائیوں کا سبب نہ بنے کیونکہ  
یہ آخر زمانہ اور اسلام کی کمزوری کا دور ہے“ لے

آپ کی تحریک احیاء سنت کو دیکھ کر بعض افراد نے کہہ ہے کہ اس تحریک نے ہندوستان  
میں وہابیت کے لئے راستہ ہموار کیا ہے۔

جو شخص حضرت مجدد کی تحریرات و ملفوظات کا پوری طرح مطالعہ نہیں کرے گا وہ یہ خیال  
قائم کر سکتا ہے، بلکہ ناتمام اور معمولی سمجھ والے مولوی بھی یہ بات کہیں گے۔ اور ہندوستان کے وہابی  
جو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں اس قسم کی باتیں بہت کرتے ہیں۔ یہ لوگ عوام الناس کو دھوکہ دیتے  
ہیں۔ ان پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ تم لوگ ائمہ مجتہدین میں سے کسی امام کے قول کو لیتے ہو اور ہم  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو لیتے ہیں۔ حالاں کہ ائمہ دین میں سے ہر ایک نے  
صدق دل سے یہ بات کہی ہے کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے قرآن و حدیث سے لیا ہے اور اگر قرآن مجید  
میں یا احادیث صحیحہ میں کوئی حکم نہیں ملا ہے تو ہم قیاس کرتے ہیں۔ اگر ہمارا قول کسی صحیح حدیث کے  
خلاف ہو تو اس کو چھوڑ دو اور اس صحیح حدیث پر عمل کرو۔ ان ائمہ کے بعد صد ہا سال سے جلیل القدر  
علماء ان کے اقوال کو پرکھ رہے ہیں اور سر تسلیم خم کر رہے ہیں۔ آج تک ائمہ مجتہدین میں سے کسی  
امام کا ایک قول بھی اہل علم کے نزدیک صحیح حدیث کے خلاف ثابت نہیں ہو سکا ہے۔

جو لوگ حدیث کے نام پر ائمہ دین کا استخفاف کرتے ہیں سورج گہن کی نماز کے متعلق  
حدیثوں کو دیکھیں۔ ان کو یہ روایت بھی ملے گی کہ دوسری نمازوں کی طرح اس نماز میں بھی ہر رکعت  
میں ایک ہی رکوع ہوا۔ اور ان کو دوسرا رکوع کی بھی روایت ملے گی۔ تین کی بھی اور چار کی بھی بلکہ پانچ



کی بھی۔ حالانکہ سورج گہن کی صرف ایک نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے۔ اگر آپ نے مختلف اوقات میں چند مرتبہ یہ نماز پڑھائی ہوتی تو کہا جاسکتا تھا کہ کسی نماز میں آپ نے ہر رکعت میں ایک رکوع کیا ہے اور کسی میں دو اور کسی میں اور زیادہ۔ لیکن یہاں ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے اور نہ اہل سنت و جماعت میں سے کوئی شخص کسی صحابی کو جھوٹا کہہ سکتا ہے۔ ائمہ دین نے جس خوبی سے اس امکان کا حل نکالا ہے یہ اُن ہی حضرات کا کام تھا۔ رَحِمَهُمُ اللہُ وَرَضِيَ عَنْهُمْ۔

ہندوستان میں وہابیت کا بیج مولوی اسماعیل نے بویا۔ مولوی اسماعیل نے رفع یدین کے متعلق مختلف روایتیں دیکھیں اور اس کے قائل ہو گئے۔ حضرت شاہ عبدالقادر اُن کے چچا اور استاد نے ان کے پاس مولوی یعقوب کی معرفت کہلا بھیجا کہ یہ مسئلہ نہ چھیڑو اور فتنہ برپا نہ کرو۔ مولوی اسماعیل نے یہ جواب مولوی یعقوب کو دیا کہ حدیث ”مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فُسَادِ أَصْنَتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ“ کے کیا معنی ہیں۔ (ارشاد نبوی یہ ہے کہ جو کوئی پکڑے گا میری سنت کو میری امت کے بگڑنے کے وقت اس کو سو شہید کا ثواب ہے) مولوی یعقوب نے یہ جواب شاہ عبدالقادر کو پہنچایا، شاہ صاحب نے مولوی یعقوب سے فرمایا: ”بابا ہم تو سمجھتے تھے کہ اسماعیل عالم ہو گیا ہے مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھا یہ حکم تو اس وقت ہے جب سنت کا مقابل غیر سنت ہو اور ہماری بات اس سنت میں ہو رہی ہے جس کا مقابل خلاف سنت نہیں ہے بلکہ دوسری سنت ہے۔ اگر رفع یدین سنت ہے تو ارسال بھی سنت ہے“ لہ

جوابات حضرت شاہ عبدالقادر نے فرمائی اکثر مدعیان حدیث سے پوشیدہ ہے۔ یہ لوگ کثرت روایات اور قلت روایات کو دیکھ لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب میراث کی بات نکلی تو حضرت ابو بکر نے یہ حدیث سب کو سنائی۔ لَا تَوَرُّثُ مَا تَرَكَ نَاۤءُ صَدَقَۃً۔ ہماری میراث نہیں دی جاتی۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ صحابہ کرام نے آپ کی روایت کو تسلیم کیا۔ ایک جلیل القدر اور ذی علم صحابی کی روایت نہایت وقیع اور وزن والی ہو کیونکہ روایت بالمعنی کی صورت میں اس کا شائبہ جاتا رہتا ہے کہ سمجھنے میں فرق آگیا ہوگا۔

مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی کے پاس مولوی ابراہیم گئے اور انھوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ وہ اہل حدیث میں سے ہیں۔ مولانا نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کے وقت کون سی دعا پڑھتے تھے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ”اس وقت یاد نہیں“ مولانا نے دریافت کیا۔ گھر سے نکلتے وقت کیا پڑھتے تھے۔ مولوی صاحب نے وہی پہلا جواب دیا۔ مولانا نے مختلف اوقات و مقامات کے متعلق دریافت کیا۔ مولوی صاحب کا وہی ایک جواب رہا۔ مولانا



نے فرمایا: کیوں مولانا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اختلافی حدیثوں کو یاد کیا ہے لیکن جن حدیثوں کے متعلق کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے ان کے یاد کرنے کی ضرورت کو عمل بالحدیث کے لئے آپ نے ضروری خیال نہ کیا۔ کیا اسی کا نام عمل بالحدیث ہے؟ لہ

حضرت مجددؒ نے صاحبزادگانِ گرامی خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کو آٹھ صفحے کا تحقیق سے بھرا مکتوب ارسال فرمایا ہے، بہ صورت خلاصہ کچھ لکھتا ہوں۔ لکھا ہے۔

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پچھلی سنت پہلی سنت کے لئے نسخ ہے اور نزول فرمانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرینگے کیونکہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ علمائے ظواہر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجتہدات کو بہ وجہ ان کے غموض ماخذ اور کمالِ دقت کے انکار کریں اور آپ کے مجتہدات کو کتاب و سنت کے خلاف سمجھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ امامِ اعظم کے معاملہ کی طرح ہے کیونکہ ورع و تقویٰ کی برکت اور متابعتِ سنت کی بہ دولت امامِ اعظم نے اجتہاد اور استنباط میں جو کمال پایا ہے اس کے سمجھنے سے دوسرے افراد عاجز اور قاصر ہیں۔ اور آپ کے اجتہادات کو ان کی دقتِ معانی کی وجہ سے کتاب و سنت کے مخالف جانتے ہیں۔ اور آپ کو اور آپ کے اصحاب کو اصحابِ رائے سمجھتے ہیں۔ مخالفین نے یہ جو کچھ کیا ہے اس بنا پر کیا ہے کہ وہ امامِ اعظم کے علم و درایت کی بے پایانی کو نہیں پاسکتے ہیں۔ امام شافعیؒ کی فراست و دانشمندی کا اظہار ان کے اس قول سے ہو رہا ہے: ”الْفَقْهَاءُ كُلُّهُمْ عِيَالٌ اِنِّیْ حَنِیْفَةٌ“ تمام فقہاء ابو حنیفہ کی اولاد ہیں۔ رائے از جراتہائے قاصر نظراں کہ قصورِ خود را بہ دیگرے نسبت نہایند۔

قاصرے گر کند این قافلہ را طعنِ قصو حاش نشد کہ بر آرم بہ زباں این گلہ را  
ہمہ شیران جہاں بستہ این سلسلہ اند رو بہ از حیلہ چساں بگسلد این سلسلہ را

اور آپ نے لکھا ہے: ”یقیناً بلا تکلف و تعصب کہا جاسکتا ہے کہ اس مذہبِ حنفی کی نورانیت نظرِ کشفی میں عظیم دریا کی طرح ہے اور باقی تمام مذاہبِ حوض اور نالیوں کی طرح نظر آتے ہیں اور ظاہر میں بھی اس مذہب کے پیرو دیگر مذاہب کے پیروان سے زائد ہیں اور یہ مذہب اپنے اصول و فروع اور طریقہ استنباط میں تمام مذاہب سے ممتاز ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ تقلیدِ سنت میں امام ابو حنیفہؒ کے پیش قدم ہیں وہ مرسل احادیث کو مسند احادیث کی طرح نمایان متابعت اور اپنی رائے پر مقدم سمجھتے ہیں اور اسی طرح صحابی کے قول کو بہ وجہ شرفِ صحبت اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں حالانکہ دوسرے ائمہ کا مسلک یہ نہیں ہے باوجود اس کے امامِ اعظم کے مخالف ان کو صاحبِ رائے کہتے ہیں اور ان کے متعلق بے ادبی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق دے کہ سردارِ دین اور

لہ تدوین حدیث از سید مناظر احسن گیلانی صفحہ ۳۳۹ سے بہ اختصار۔



رئیس اہل اسلام کو برا نہ کہیں اور اسلام کے سوا دُعاً کو ایذا نہ پہنچائیں۔ یُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَهِهِمْ۔ وہ لوگ جو آپ کو اور آپ کے اتباع کو اصحاب رائے کہتے ہیں اگر ان کا یہ خیال ہے کہ اخلاف اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں اور یہ لوگ کتاب و سنت پر عامل نہیں ہیں تو ان کے اس غلط اور فاسد خیال کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل اسلام کا سوا دُعاً عظیم ضال و مُبتدِع ہے بلکہ ملتِ اسلامیہ سے خارج ہے۔ ایسا خیال وہی شخص کرے گا جو جاہل ہو اور اس کو اپنے جہل کی خبر نہ ہو یا زندیق ہو کہ اس کا مقصد شطردین کا ابطال ہو۔ چند ناقصوں نے کچھ احادیث یاد کر لی ہیں اور شریعت کے احکام کو ان احادیث میں منحصر سمجھ لیا ہے اور جن احادیث کا ان کو علم نہیں ہے یا ان کے نزدیک ان احادیث کا اثبات نہیں ہوا ہے ان کا انتفا کرتے ہیں۔

چو آں کرے کہ در شنگے نہان است زمین و آسمان او ہمان است  
یعنی اس کیڑے کی طرح جو پتھر کے اندر چھپا ہوا ہے اس کے لئے اس کی زمین بھی وہی پتھر ہے اور آسمان بھی وہی ہے۔

حضرت مجددؒ نے ”چند ناقصوں نے کچھ احادیث یاد کر لی ہیں“ لکھ کر نام نہاد اہل حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، جن سے مولانا فضل رحمان نے کہا ہے ”آپ نے اختلافی حدیثوں کو یاد کر لیا ہے اور اتفاقی حدیثوں کو یاد کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی“ اور جن کے سرگروہ کے متعلق حضرت شاہ عبدالقادر نے فرمایا ہے ”یہ حکم تو اس وقت ہے جب سنت کا مقابلہ غیر سنت سے ہو“

اسلام کی جو خدمت ائمہ دین نے کی ہے اظہر من الشمس ہے۔ ان حضرات نے اُمتِ مرحومہ کے واسطے ابوابِ یسر کھولے ہیں۔ ان کا وجود مسلمانوں کے واسطے سراسر رحمت ہے۔ حضرت امام شافعی کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ عَلَىٰ قَوْلٍ اُخْتَلَفَ فِيْهِ الْعُلَمَاءُ یعنی ائمہ مجتہدین میں سے ہر ایک کا قول عذابِ الہی سے بچانے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَاسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے“ ائمہ مجتہدین اہل ذکر و صاحبِ علم اور فقہائے اُمت ہیں۔ ان کا قول ہم لاعلموں کے لئے محبت و برہان اور رحمت ہے۔

چو ایشاں طیبانِ ایں ملت اند زما ہر منط لائقِ مدحت اند

حضرت مجددؒ کے نزدیک اتباعِ سنت کی یہ صورت ہے کہ احکام اور مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اتباع کیا جائے اور معمولات و آداب میں احادیثِ مبارکہ پر عمل کیا جائے۔ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہر وقت ہر جا سامنے رہے اور آپ کی مبارک دعائیں و روزبان ہوں تاکہ آپ کی محبت دل میں پیدا ہو اور رب العزت کی محبوبیت نصیب ہو۔ اس کا ارشاد ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ



تَحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو کہ اللہ تم کو چاہے اور بخشے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ شاہ عبدالقادر نے موضع قرآن میں لکھا ہے: ”یعنی کوئی کسی کی محبت کا دعویٰ کرے تو اس طرح محبت کرے جس طرح محبوب چاہے نہ جس طرح اپنا جی چاہے اور اسی طرح چاہے تو محبوب اس کو چاہے اور اللہ بندوں کو چاہے تو یہی کہ ان پر مہربان ہو اور گناہ پر نہ پکڑے اور خیالات عبث ہیں۔“ یہ ہے حضرت مجدد کے نزدیک اتباع سنت کا مفہوم قَدْ سَأَلَ اللَّهُ سِرَّةَ الْأَقْدَاسِ۔ حضرت مجدد کا ارشاد ہے کہ طریقہ نقشبندیہ اتباع سنت اور اجتناب از بدعت کی وجہ سے تمام طرق میں ممتاز ہے۔

بعض افراد نے اعتراض کیا ہے کہ طریقہ نقشبندیہ کا مدار کاتین امور پر ہے، رابطہ، ذکر، مراقبہ اور رابطہ جس کو تصور شیخ بھی کہتے ہیں شرک خفی ہے۔

اہل حدیث نے جس طرح امام ابو حنیفہ کو اہل رائے کہہ کر بدنام کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح نا سمجھ اور کم فہم لوگوں نے طریقہ نقشبندیہ کو جو طریقہ خواجگان ہے مطعون کرنے کی سعی کی ہے خواجگان نقشبندیہ کے حالات کو کتاب ”طبقات الصوفیہ“ امالی پیر ہرات شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری اور کتاب ”فصل الخطاب“ از حضرت خواجہ محمد بارسا اور کتاب ”نفحات الانس“ از عارف نامی مولانا عبدالرحمن جامی اور کتاب ”رشحات عین الحیات“ از ملا علی بن حسین کاشفی میں مطالعہ کریں۔ ان بزرگوں نے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک طریقہ کو مشعل راہ بنایا ہے۔ اور فرمایا ہے سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان اصول ہشتگانہ کی پابندی کرے۔

۱۔ ہوش در دم ۲۔ نظر بر قدم ۳۔ سفر در وطن ۴۔ خلوت در انجمن ۵۔ یاد کرو ۶۔ بازگشت ۷۔ نگاہ داشت ۸۔ یاد داشت۔

ان کلمات مبارکہ کی تفصیل مکتوبات شریف اور سلوک نقشبندیہ کے بیان میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں دیکھا جائے۔ ان حضرات کا چلہ انہی اصول کی پابندی ہے جن کے نزدیک کسی امر مستحب کا چھوڑنا ایک بڑی فروگزاشت ہو کیا وہ شرک میں مبتلا ہو سکتے ہیں؟

رابطہ کی سنت اور اولویت روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ میں مختصر طور پر کچھ لکھتا ہوں۔

۱۔ سورہ یوسف کی آیت چوبیس میں ہے۔ لَوْلَا اَنْ رَّا نِيْ بُرْهَانَ رَبِّهِ۔ اگر یہ نہ ہوتا کہ دیکھتے قدرت اپنے رب کی۔ اس آیت کی تفسیر میں عبدالرزاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابوشیخ اور حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے والد حضرت یعقوب کی صورت دیکھی۔ حاکم نے اس روایت کی تصحیح کی ہے اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، سعید



مجاہد، ابن جبیر، ابن سیرین، حسن، قتادہ، ابوصالح، ضحاک، ابن اسحاق وغیرہم سے روایت کی ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے والد حضرت یعقوب کو دیکھا کہ انگلی دانت سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اور یہی رابطہ ہے۔

۲۔ سورہ توبہ کی آیت ایک سو بیس میں ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ**۔ اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور ہو ساتھ سچوں کے۔ اس آیت شریفہ سے صادقین کی معیت مطلوب ہے۔ اُن کے حضور میں معیت ظاہری ہے اور غیبیبت میں ان کا خیال معیت باطنی اور معنوی ہے۔ جس کو حضرات خواجگان رابطہ کہتے ہیں۔

۳۔ ترمذی نے اس مبارک دعا کی روایت کی ہے۔ **اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِي حُبُّهُ عِنْدَكَ الْخَيْرُ**۔ اے میرے اللہ مجھ کو اپنی محبت اور اس کی محبت کہ جس کی محبت میرے لئے تیرے نزدیک نفع بخش ہو عنایت کر۔

محبت دل کے تعلق اور لگاؤ کو کہتے ہیں اس مبارک دعا میں اللہ سے دل کا لگاؤ اور ہر اس شخص سے دل کا لگاؤ جس کی محبت موصل الی اللہ ہو مطلوب ہے۔ محبت جتنی زیادہ ہوگی۔ **كَأَنَّكَ كَرَاهٌ** گویا کہ تم اللہ کو دیکھتے ہو۔ کی کیفیت بیشتر حاصل ہوگی جو درجہ احسان کا اعلیٰ تر مقام ہے۔

۴۔ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں عرض کی کہ کسی کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ اُن جیسا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ **الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ** جو شخص جس سے محبت رکھتا ہے وہ اُسی کے ساتھ ہے۔ یعنی جس کا خیال دل میں رہے گا اسی کے ساتھ اس کا حضور و نشر ہوگا۔ یہی تصور ہے اور یہی رابطہ۔

۵۔ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ خور و رسال تھے۔ **حَلِيَّةُ نَبِيِّهِ عَلَى صَاحِبَيْهَا الصَّلَاةُ وَالْخَيْرَةُ** پوری طرح حافظہ خیال میں ثبت نہ تھا۔ بڑے ہو کر انھوں نے اپنی حضرت والدہ رضی اللہ عنہا کے ماموں سے کہا جو سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ بیان کرنے میں یکتا تھے۔ **أَنَا أَشْهَى أَنْ يَصْفَرَنِي مِنْهَا شَيْئًا أَلْتَلِقُ بِهِ** میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ کے سراپا کا کچھ بیان کریں تاکہ اس سے میرا تعلق ہو یعنی آپ کا حلیہ مبارکہ میرے خاندان قلب کو بجلی و منظر و منور کرتا رہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

بہ چہ تسکین بدہم دیدہ و دل را کہ ملام  
دل ترمی طلبد دیدہ ترمی خواہد  
ابن ماجہ اور طبرانی نے نیک بندوں کی یہ نشانی روایت کی ہے۔ **إِذَا رَأَوْا ذِكْرَ اللَّهِ**۔ وہ جب



دیکھے جائیں تو اللہ یاد آئے اور بغوی کی روایت حدیث قدسی کی ہے: "أُولَیَّائِی مِنْ عِبَادِی الَّذِیْنَ یُذْکِرُونَ بِذِکْرِیْ وَآذِکْرِیْ کُرْهُمُ" میرے بندوں میں سے میرے اولیاء وہ ہیں کہ میری یاد کے وقت اُن کی یاد اور اُن کی یاد کے وقت میری یاد آتی ہو۔ یعنی وہ مبارک ہستی جس کی فنا اور بقا اللہ ہی سے ہے وہ اللہ کی یاد کا ذریعہ ہے۔ جس کو ایسا ذریعہ ملے وہ خوش نصیب ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اسی سعادت کو حاصل کرنا چاہا۔ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس دولت عظمیٰ اور سعادتِ علیا سے پوری طرح آراستہ و پیراستہ تھے۔ وہ جس وقت اپنے محبوبِ اعظم سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف کرتے تھے بے ساختہ ان کی زبان پر کافّی اَنْظُرْ اِلَی رَسُوْلِ اللّٰہِ آتا تھا۔ یعنی گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں۔ اُن عاشقانِ پاک باطن کی آنکھوں کے سامنے وہی خیال مبارک تھا جو ان کے نگار خانہ دل میں ہمہ وقت محفوظ رہتا تھا۔

ابھی دو سال کا واقعہ ہے کہ دہلی میں ایک جگہ نجد کوئٹ اور شام کے چار فضلا کے ساتھ ہندوستان کے چار علماء کا اجتماع تھا۔ اس مختصر لیکن مؤثر اجتماع میں میری شرکت بھی ہوئی۔ ہندوستان کے علماء میں سے دو صاحبان کا تعلق طریقہ طیبیہ چشتیہ سے تھا۔ مجھ کو بعد میں معلوم ہوا کہ کوئٹ کے فاضل کا تعلق حضرات مشائخ کے کسی سلسلہ سے تھا۔ اس پاکیزہ اور باوقار محفل میں سلاسلِ مبارکہ کا ذکر آیا اور فاضل کوئٹ نے "رابطہ" کے متعلق کچھ کہا۔ فاضل نجد نے رابطہ کے متعلق دریافت کیا اور جب ان کو معلوم ہوا کہ رابطہ تصویرِ شیخ کو کہتے ہیں تو انھوں نے کہا: "هَذَا حَرَامٌ" یہ تو حرام ہے۔ میں نے ان سے کہا (بہ عربی) "جناب من۔ رابطہ تو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول رہا ہے۔ وہ سالہا سال بعد سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ذکر شریف کرتے وقت کس شوق و محبت سے کہا کرتے تھے: "کَافّی اَنْظُرْ اِلَی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم" گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں جس وقت وہ یہ الفاظ فرماتے تھے وہ اس مبارک خیال کو دیکھا کرتے تھے جو اُن کے نہان خانہ دل میں محفوظ تھا۔ یہی وہ رابطہ ہے جو موصول الی اللہ ہے اور حضرات نقشبندیہ اس پر عامل ہیں: "میری بات سن کر فاضل نجد خاموش بیٹھ گئے اُن کے بشر سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اُن کی خاموشی جامہ تفکر پہنے ہوئے ہے اور فاضل کوئٹ کے چہرے پر آثارِ مسرت ظاہر تھے۔ جن اتفاق سے دوسرے دن ایک بڑے اجتماع میں یہ دونوں صاحبان بہت مسرت سے ملے اور کچھ علمی گفتگو ہوئی۔

تصور ہے وہ نسخہ کیمیا	کہ جس نے بس دل کو گندن کیا
تصور میں ہے بونے سوز و گداز	ہے مہر و محبت ہی راہِ نیاز
تصور ہے معمولِ مردانِ دیں	جو سمجھے تھے کوثرِ ماعِ الصّٰقِیْنِ
تصور ہے شمعِ فروزانِ راہ	زہے قولِ عاشقِ کافّی اَسْرَاہ



تصور نے ان کے کیا یہ اثر  
تصور ہے بے شک وہ راہ و صول  
کھلا "لِي مَعَ اللَّهِ" کا وہ بستہ در  
پہنچتی ہے جو بارگاہ رسول  
وہ دوزخ سے یکسر ہوا ہے بری  
جو نارِ محبت کا ہو سوختہ  
نہ ہوگا وہ دوزخ کا آندوختہ  
قتیل و فاپر ہو رحمت مدام  
بہشت بریں ہوگا اس کا مقام  
ناس میں خفا ہے نہ تنکیر ہے  
"مَعَ مَنْ أَحَبَّ" کی یہ تفسیر ہے

صد ہا جلیل القدر علما امثال حضرت مجدد و شاہ ولی اللہ راہِ خطا پر بلکہ العیاذ باللہ راہِ شرک  
پر اتفاق نہیں کر سکتے۔ ان حضرات کی نظر نہایت درجہ دقیق ہے۔ ان پر اسرارِ مستجود لہ اور مستجود  
الیہ ظاہر تھے۔ یہ حضرات اُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمُ اقْتَدِهْ کے مصداق تھے (وہ  
لوگ تھے جن کو ہدایت دی اللہ نے سو تو چل ان کی راہ)

محال است سعدی کہ راہِ صفا تو ان رفت جزو رہے مصطفیٰ

کمالات کا اظہار | اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کمالات عنایت  
کر دیئے ہیں اور تمام اشیاء کا اظہار آپ پر ہو گیا ہے۔ پروردگار فرماتا ہے۔  
وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (یعنی) اتاری ہم نے تجھ پر کتاب بیور اہر چیز کا۔ یعنی  
قرآن مجید میں ہر چیز کی تفصیل اور بھید ہے۔ اور ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اشیاء کا ذکر  
بھی کیا ہے۔ جیسا کہ بخاری، مسلم اور دوسری کتابوں میں مذکور ہے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ الْاِسْلَامَ بِرِجَالٍ  
مَّا هُمْ مِنْ اَهْلِهِ۔ اللہ تعالیٰ اسلام کی تائید ایسے افراد سے کرے گا جو کہ اس کے اہل میں سے نہ ہوں گے۔  
حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے چاہے صراحت ہو یا تشبیہ یا تمثیل یا  
اشارۃ یا تلویحاً۔ اس کا ظہور یقیناً ہوگا اور اپنے وقت پر ہوگا۔ میں دو تین امور کا ذکر کرتا ہوں تاکہ  
حقیقت واضح ہو جائے۔

۱۔ سورۃ یونس کی آیت بانوئے ہے۔ فَاَلْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً  
وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْكَافِرِينَ (ترجمہ) سو آج بچا دیں گے تجھ کو تیرے بدن سے  
تاکہ ہووے تو اپنے پچھلوں کے لئے نشانی اور البتہ بہت لوگ ہماری قدرتوں پر دھیان نہیں کرتے۔  
اس آیت سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ فرعون کی لاش بعد میں آنے والوں کے لئے برائے عبرت باقی رہی  
تیرہویں صدی کے اواخر تک ہمارے علمائے کرام یہی سمجھتے رہے کہ بعد میں آنے والوں سے مراد فرعون کی



قوم ہے۔ اور اسی مناسبت سے اس آیت مبارکہ کو بیان کرتے رہے اور وَاِنْ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا  
لَغَافِلُونَ کا اظہار ہوتا رہا۔ جب مصر پر ناپلیوں کا قبضہ ہوا، یورپ کے پادریوں نے وہاں کہنا شروع کیا کہ  
تمہارے قرآن میں یہ آیت ہے، لہذا ہم کو وہ نشانی دکھاؤ۔ اس وقت ارشاد نبوی اِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ الْاِسْلَامَ  
بِرِجَالٍ مَّا هُمْ مِنْ اَهْلِيْهِ کا ظہور ہوا اور یورپ کے نصاریٰ نے کھوج لگا کر فرعون کی وہ لاش نکال لی جس  
کو اب ہر شخص دیکھ کر عبرت حاصل کر سکتا ہے۔

۲۔ سورہ ابراہیم کی آیت تین تینیں درج تیس ہے۔ اللّٰهُ الَّذِيْ جَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ  
مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَاَخْرَجَ جَبْهٍ مِّنَ الشَّجَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمْ الْفَلَکَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهِ  
وَسَخَّرَ لَكُمْ الْاَنْهَارَ وَسَخَّرَ لَكُمْ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِمِیْنَ وَسَخَّرَ لَكُمْ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَاَتَاكُمْ مِّنْ  
کُلِّ مَآسَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعَدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ۔ (ترجمہ) اللہ  
وہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین اور اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے نکالی روزی تمہارے میوے  
اور کام میں دی تمہارے کشتی کہ چلے دریا میں اس کے حکم سے اور کام میں دیں تمہارے ندیاں اور کام  
میں لگائے تمہارے سورج اور چاند ایک دستور پر اور کام میں لگائے تمہاری رات اور دن اور دیا تم کو  
ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی اور اگر گنوا احسان اللہ کے نہ پورے کر سکو۔ بے شک آدمی بڑا بے انصاف  
ہے ناشکر۔

قرآن مجید میں لفظ سَخَّرَ کا استعمال ہوا ہے۔ شاہ عبدالقادر نے اس کا بیان ”کام میں لگایا“ سے کیا  
شمس و قمر اور دیگر کواکب کے متعلق چند سال پہلے تک یہی سمجھا جاتا تھا کہ ان کی گردش سے اہل جہاں کو  
فائدہ پہنچ رہا ہے، اب چند سال سے تسخیر نے دوسری صورت بھی دکھائی ہے اور قمر پر انسان کے قدم  
پہنچ گئے ہیں۔ جب سے اس کیفیت کا ظہور ہوا ہے، نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ کا یہ شعر یاد آتا رہتا ہے۔  
بَلَّغْنَا السَّمَاءَ فَجَدْنَا وَجَدْنَا وَرَآئِنَا لَنَرْجُوْهُ ذٰلِكَ مَظْهَرًا

(ترجمہ) ہماری عظمت اور مسماعی آسمان تک پہنچ چکی ہیں اور ہم اس سے بالاتر مظاہر کی امید رکھتے ہیں۔  
اور اس طرح وَاَتَاكُمْ مِّنْ کُلِّ مَآسَاَلْتُمُوْهُ کا اظہار ہوا۔ ”دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی“  
اور ساتھ ہی اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ کا بھی ظہور ہوا۔ ”بے شک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکر“  
اللہ تعالیٰ اس کی خواہشیں پوری کر رہا ہے اور وہ لَا رِیْبَیْنَ اور وہریت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ حضرت  
سعدی علیہ الرحمۃ نے بہت خوب فرمایا ہے۔

ابرو بادومہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نمانے بہ کیف آری و بغفلت نہ خوری  
ہم از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری  
۳۔ سورہ یاسین کی آیت ۴۱ و ۴۲ ہے۔ وَاٰیۃٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِی الْفَلَکِ الْمَشْحُوْنِ



وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ (ترجمہ) اور ایک نشانی ہے اُن کو کہ ہم نے اُٹھالی ان کی نسل اس بھری کشتی میں اور بنادی ہم نے ان کو اس طرح کی چیز جس پر چڑھتے ہیں۔ یعنی اس بھری کشتی کی طرح اور چیزیں بھی مہیا کر دی ہیں جن پر سوار ہوتے ہیں۔ اس کشتی کے پیش نظر کہ اس میں کتنے مسافر اور سامان آتا ہے۔ لاریوں، ریلوں اور ہوائی جہازوں کو دیکھا جائے، کیا یہ امثال فلک مشحون (بھری کشتی) نہیں ہیں، پھر مشکات کے ”باب العلامات بین یدی الساعة“ میں صحیح مسلم کی اس طویل حدیث کو دیکھا جائے، جس میں دجال کا بیان ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: ”وَمَا اسْرَاعُهُ فِي الْأَرْضِ“ زمین پر اس کی تیز رفتاری کیسی ہوگی، آپ نے فرمایا: ”كَأَنِّي أَشْتَدُّ بَرَكَةً الرَّيْحِ“ اُس پر کی طرح جس کو ہوا لے اُڑی ہو۔ اب موٹروں، لاریوں، ریلوں اور ہوائی جہازوں کی تیز رفتاری دیکھ لی جائے اور حدیث شریف ”رَوَيْتُ لِي الْأَرْضُ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا“ کو بھی سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ ”زمین کو میرے واسطے یک جا کر دیا گیا ہے اور میں نے اُس کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا“ پھر صحیحین کی اس روایت کو دیکھا جائے: ”رَوَيْتُ لِي الْأَرْضُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَسَيَبْلُغُ مُلْكُ أُمَّتِي مَا دَوِيَ لِي مِنْهَا“ میرے واسطے ساری زمین یک جا کر دی گئی، میں نے اُس کے مشارق اور مغارب یعنی جوانب دیکھ لئے اور میری امت کا ملک اس زمین تک پہنچے گا جو میرے واسطے یک جا کر دی گئی ہے، یعنی جو کچھ مجھ کو دکھایا گیا ہے میری امت کو دیا جائیگا۔ کیا اب اس دور میں اس کا ظہور نہیں ہو رہا ہے۔ ”أَفَسِحْرُ هَذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تَبْصُرُونَ“ اب بھلا یہ جادو ہے یا تم کو نہیں سوچتا“ لہ

یہ سب ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ہیں جو آپ کو عطا ہوئے تھے اور آپ نے عالم مثال میں ان سب کو دیکھ لیا تھا اور اب آپ کی امت عالم شہادۃ میں اس کو دیکھ رہی ہے اور اس سے فائدے اُٹھا رہی ہے اور خیال نہیں کرتی کہ رب العزت جلّ شأنہ وعزّ بڑا نہ فرما رہا ہے۔ ”وَإِذَا تَذَكَّرْتُمْ لَآ زِيَادَ لَكُمْ وَلَآ أَنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ“ (ترجمہ) اور جب سنا دیا تمہارے رب نے کہ اگر حق مانو گے تو اور دوں گا تم کو اور اگر ناشکری کرو گے تو میری مارتخت ہے“ اللہ سب کو اپنے عذاب سے بچائے۔

یہی کیفیت علومِ اولین و آخرین کی ہے۔ چاہے وہ علوم ظاہریہ ہوں چاہے باطنیہ۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔ ”أَوْتَيْتُ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ“ اولین اور آخرین کا علم مجھ کو عطا کر دیا گیا ہے۔ علومِ ظاہری کو علماءِ اعلام اس کے زوایا اور خبایا سے نکال کر پھیلا رہے ہیں۔ علمِ کلام کو ابوالحسن اشعری اور ابومنصور ماتریدی وغیرہما نے اور فقہ و استنباط احکام کو ابوحنیفہ، مالک، شافعی، ابن حنبل وغیرہم نے، اسی طرح باقی علوم کو علمائے اعلام نے ظاہر کیا اور علمِ باطن کو حضراتِ مشائخ نے بیان کیا، اسرار و

لہ مطابقت اختراعات العصر لما خبرہ سید البریہ سے استفادہ کیا ہے۔



حقائق کا بیان شیخ اکبر اور حضرت مجددؒ نے کیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ لے  
اگر کسی عالم کی طرف کسی علم کی یا کسی ولی کی طرف اسرار و معارف کی نسبت کی جاتی ہے۔ یا وہ  
اظہارِ شکر و نعمت کی وجہ سے اپنی طرف اس علم یا اس معرفت کی نسبت کرتا ہے تو وہ صرف اس علم یا  
معرفت کے اظہار کی نسبت ہے ورنہ حقیقتِ معاملہ وہ ہے جس کا اظہار حضرت مجددؒ اپنے مکاتیب میں  
کرتے رہتے ہیں۔

نیا و دردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز و من چیزت  
یہی کیفیت خلافتِ الہیہ کی ہے کہ از روزِ اول یہ منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق رہا  
ہے اور تا روزِ آخرت اس کا تعلق آپ ہی سے رہیگا۔ آپ کا ارشاد ہے۔ مجھ کو نبوت مل چکی تھی اور آدم  
ابھی آب و گل میں تھے یعنی ابھی ان کی تخلیق نہ ہوئی تھی۔

ازل سے ابد تک وہ سب کے نبی تمام انبیاء اُن کے ہیں اُمّتی  
پڑھو آیت تُو مُمْتَن بِہم ہے میثاقِ سب کا خدا سے یہی  
سبھی شانِ عالی کے ہیں مُعْتَرَف ہر اک اُن کی رحمت سے ہے مُعْتَرَف  
نہیں خلق میں اُن سا کوئی دگر ہے احمد میں ظاہر آخِدا کا اثر  
خدا کی خدائی میں یکتا وہ گل خدا نے کیا اُن کو سرِ دارِ کل  
وہ سرتاجِ کلِ انبیاء لَا کَلَامِ بلا شک رسولوں کے برحقِ امام۔

آپ کی تشریف آوری سے پہلے خلافتِ الہیہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو ملتی رہی اور آپ کے  
تشریف لے جانے کے بعد وہ خلافتِ اولیائے کاملین کو بہ نیابت ملی۔ جب تک یہ منصب رہے گا  
قیامت برپا نہ ہوگی۔ اولیائے پروردگار کی شان کیا ہے اس کے متعلق مختصر طور پر لکھتا ہوں۔

اولیائے حق | امام بخاری اور دوسرے ائمہ حدیث نے یہ حدیثِ قدسی روایت کی ہے۔ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ مَنْ عَادَنِي وَلِيًّا فَقَدْ  
أَدْنَيْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِي  
يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يَبْصُرُ  
بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرَجُلَهُ الَّتِي يُمَشِّي بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِي أَعْطَيْتُهُ وَإِلَّا لَأُعَذِّبَنَّهُ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدَّدْتُ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا  
أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ وَلَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ ۝ لے

(ترجمہ) ابوہریرہ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص

لے حضرت شاہ عبدالعزیز کے رسالہ در دفع اعتراضات سے استفادہ کیا ہے۔ لے مشکلات باب ذکر اللہ والتقرب الیہ۔



میرے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے میں اس کو لڑائی سے خبردار کر دیتا ہوں اور میرا بندہ کسی شے سے بھی جو مجھ کو بہت محبوب ہے میرا قرب نہیں پاسکتا جو کہ وہ میرے عائد کردہ فرض سے پاتا ہے اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب مجھ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے تو میں اس کی وہ سماعت ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور وہ بینائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور وہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ گرفت کرتا ہے اور وہ پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے طلب کرے البتہ میں اس کو دوں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ چاہے البتہ میں اس کو پناہ دوں گا۔ اور مجھ کو اپنے کسی کام کے کرنے میں تردد نہیں ہوتا جو تردد مجھ کو مومن کی جان لینے میں ہوتا ہے (کیونکہ وہ موت سے ناخوش ہوتا ہے اور اس کی ناخوشی مجھ کو ناپسند ہے۔ اور اس کو موت سے مفر نہیں۔)

اس حدیث قدسی سے صاف طور سے ظاہر ہے کہ جو تقرب فی اللہ کی ادائیگی سے حاصل ہوتا ہے وہ کسی عبادت سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ سے عداوت کرنے والا بڑے پرخطر مقام پر ہے۔ وہ اپنے کو رب العزت تعالیٰ شانہ کا حریف بنا رہا ہے۔

علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے: "علمائے گنہگار سے برسرِ پیکار نہیں رہتے۔ منکر اولیاء اور اکمل ربّ (سو و خود سے محاربت کا ذکر قرآن مجید میں ہے) یہ دونوں نہایت معرضِ خطر میں ہیں کہ ان کا خاتمہ خرابی پر نہ ہو جائے کیونکہ اللہ سے لڑائی کا فرہی کی رہتی ہے۔ لہٰذا

اور اس مبارک حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اولیاء اللہ کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کا فعل ہو جاتا ہے۔ اللہ کی طرف نسبت تشریف و تکریم و تعظیم کے لئے ہے۔ اور اس میں یہ نکتہ مضمر ہے کہ اولیائے حق کی اپنی کوئی خواہش باقی نہیں رہتی وہ ہر حال میں اپنے مولیٰ سے راضی رہتے ہیں۔ ان کو مقامِ رضا مل چکا ہے۔ حضرت سیدی الوالد قدس سرہ نے مخلصین سے فرمایا: "بچوں کی علالت پر دل میں خیال آتا ہے کہ دعا کروں اس پر ہم کو اپنے مالک تعالیٰ سے شرمندگی ہوتی ہے" لہٰذا

حدیث مبارک میں ہے۔ اگر وہ مجھ سے طلب کرے البتہ میں اس کو دوں گا، اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کی طلب صرف رضا حق تعالیٰ ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔

اُس کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند  
فرزند و عیال و خان و ماں را چہ کند  
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخششی  
دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِنَّ اللَّهَ إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ فَقَالَ إِنِّي أَحَبُّ فَلَانَا فَأَجِبْهُ فَيُجِبُّهُ جِبْرِيلُ ثُمَّ يَدْعُو فِي السَّمَاءِ فَيَقُولُ إِنَّ



اللہ یحبُّ فَلَانًا فَاجْتَوِہُ فَيَجِبُّہُ اَہْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ یُوضَعُ لَہُ الْقَبُولُ فِی الْاَرْضِ ۝ ۱۷  
(ترجمہ) اللہ تبارک و تعالیٰ کو جب اپنے کسی بندہ سے محبت ہوتی ہے وہ جبریل کو بلا کر کہتا ہے۔ مجھ کو اُس بندہ سے محبت ہے تم اس سے محبت کرو چنانچہ جبریل اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر وہ اہل آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ کو اس بندہ سے محبت ہے تم سب اس سے محبت کرو چنانچہ اہل آسمان اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر اہل زمین میں اس کی قبولیت عام ہو جاتی ہے ۝

اللہ تعالیٰ کے ولی کی طرف بندگانِ خدا کے دل خود بخود مائل ہوتے رہتے ہیں اور وہ انسانِ کامل جو بقائے عالم کا سبب بنتا ہے اسی جماعتِ اولیاء میں سے ہوتا ہے۔ ملک العلماء بحر العلوم علامہ عبدالحی انصاری لکھنوی نے حضرت شیخ اکبر کے مسلک کو رسالہ ”وَحْدَةُ الْوُجُودِ وَ شَهَادَةُ الْحَقِّ فِی کُلِّ مَوْجُودٍ“ میں نہایت اچھے پیرایہ سے بیان کیا ہے۔ آپ کا رسالہ فارسی میں ہے۔ اس کا اردو ترجمہ ندوۃ المصنفین دہلی نے ”وحدۃ الوجود“ کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس میں انسانِ کامل کے متعلق لکھا ہے۔

”انسانِ کامل اللہ کے تمام اسماء و صفات کا منظر ہے۔ اللہ نے اس کو اپنا خلیفہ بنایا ہے تاکہ وہ اپنے باطن کی مدد سے کائناتِ عالم کو باقی رکھے اور کائنات میں سے ہر ایک کو اس کے لائق کمال اور نقصان عطا کرے۔ اس بیان سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ کائنات کو بقا دینے والا انسانِ کامل ہے۔ ایسا خیال کرنا کفر ہے۔ دینے والا اور باقی رکھنے والا اللہ ہی ہے، انسانِ کامل صرف وسیلہ بنا ہے۔

تمام خلائق میں انسانِ اکمل اور اللہ کے خلیفہ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دنیا میں آپ کی آمد سے پہلے انبیاء اور رسل آپ کے نائب اور اللہ کے خلیفہ تھے۔ آپ کی وفات کے بعد قطب الاقطاب آپ کا نائب اور اللہ کا خلیفہ اور اللہ کی ٹہر ہے ۝

انسانِ کامل اور قطب الاقطاب کے متعلق جو کچھ شیخ اکبر نے کہا ہے حضرت مجددؒ نے بھی وہی کہا جو اس سلسلہ میں آپ کے دفتر دوم کا مکتوب گیارہ اور دفتر سوم کا مکتوب اسی ملاحظہ کیا جائے۔ فرق صرف نام کا ہے شیخ اکبر جس فردِ اکمل کو قطب الاقطاب کہتے ہیں حضرت مجددؒ اسی کو قیوم کہتے ہیں۔ اس بات پر دونوں حضرات کا اتفاق ہے کہ وہ فردِ اکمل اللہ کے تمام اسماء و صفات کا منظر ہے۔ چونکہ قیوم بھی اللہ کی ایک صفت ہے اور وہ فردِ اکمل اس صفت کا بھی منظر ہے لہذا وہی صفت اس کے منصب کا نام ہونا چاہیے۔ ”الْقَیُّومُ مَدَّ بَرِّ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَ کُلِّ شَیْءٍ وَ قَائِمٌ بِاَمْرِہٖ“ قیوم آسمانوں اور زمین کا مدبر ہے اور ہر شے کا قیام اس کے امر سے ۝

حضرت مجددؒ کے تجویز کردہ نام پر بعض لوگ لاجول و استغفار پڑھتے ہیں ان کے نزدیک یہ تسمیہ سورۃ ادب کو متضمن ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ سننے والے کو سمیع، دیکھنے والے کو بصیر، علم والے کو علیم، حکمت



والے کو حکیم کہتے ہو تو بے ادبی کا احساس کیوں نہیں ہوتا اور قیوم میں یہ احساس کیوں ہوا کیا شریعت میں اس نام کی تخصیص آئی ہے۔

چونکہ سنوی سخن اہل دل ملو کہ خطاست سخن شناس نہ فی دلبر خطا میں جا است  
حضرت شاہ ولی اللہ کے پوتے مولانا اسماعیل نے اپنی کتاب عبقات میں لکھا ہے۔  
اتَّفَقَ أَهْلُ الْكُشْفِ وَالْوُجْدَانِ وَارْبَابُ الشَّهَادَةِ وَالْعُرْفَانِ مُؤَيَّدِينَ بِالْبَرَاهِينِ الْعَقْلِيَّةِ  
وَالْإِشَارَاتِ النَّقْلِيَّةِ عَلَى أَنَّ الْقَيُّومَ لِلْكَثْرَاتِ، الْكَوْنِيَّةِ وَاحِدٌ شَخْصِيٌّ ۝ ۱۰  
(ترجمہ) اصحاب کشف و وجدان اور خداوندان شہود و عرفان جو کہ عقلی دلائل اور نقلی اشارت سے مؤید ہیں  
اس بات پر متفق ہیں کہ کائنات کی کثرت کا قیوم (قائم اور باقی رکھنے کا ذریعہ) ایک شخص ہے ۝  
جوابات شیخ اکبر اور حضرت مجددؒ نے کہی ہے تمام مشائخ نے کہی ہے۔ اگر فرق ہے تو صرف نام میں  
ہے کسی نے غوث کا نام رکھا، کسی نے قطب الاقطاب کا، کسی نے قطب مدار کا، کوئی مشکل کشا کہتا ہو  
کوئی کرتا دھرتا، کوئی قیوم۔ حضرت سیدنا عبدالقادر غوث کہلائے، حضرت شاہ نقشبند مشکل کشا، حضرت  
مجدد قیوم، منصب ایک ہے نام مختلف۔

انسان کامل میں بھی تفاوت درجات ہے جیسا کہ حضرات انبیاء میں ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا  
بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ۝ (ترجمہ) یہ سب رسول، بڑائی دی ہم نے ان میں سے ایک کو ایک سے ۝  
یہ منصب جلیل قیومیت کے نام سے سب پہلے حضرت مجددؒ کو ملا۔ اب قیامت تک جو بھی قیوم  
ہوگا آپ کے ظل سے خارج نہ ہوگا جس طرح پر ہر نقیبہ عیال ابو حنیفہ ہے۔ ذَلِكْ فَضْلُ اللَّهِ يُوتِيهِ مَنْ يَشَاءُ



## حضرت شیخ اکبر

آپ کا اسم گرامی محمد، کنیت ابو کبر، لقب محی الدین اور شہرت ابن عربی کے نام سے ہے۔ علامہ نبہانی نے لکھا ہے کہ غوث زمان ابودین نے آپ کو شیخ اکبر کا خطاب دیا۔ اس خطاب کی اتنی شہرت ہوئی کہ آپ کے نام کو لوگ بھول گئے۔ آپ علی بن محمد حاتم طائی کے فرزند ہیں۔

آپ کی ولادت شب دوشنبہ سترہ رمضان ۷۵۶ھ (چار اگست ۱۱۶۱ء) میں اندلس کے شہر مرسیہ میں ہوئی اور وفات شب جمعہ بائیس ربیع الآخر ۸۳۵ھ (سترہ نومبر ۱۳۳۲ء) میں دمشق (واقع ملک شام) میں ہوئی اور وہاں جبل قایسون میں مدفون ہوئے۔ اب وہ جگہ صالحیہ کے نام سے مشہور ہے۔

آپ نے علم ظاہر اکابر علمائے عرب سے پڑھا اور علم باطن شیخ جمال الدین یونس سے حاصل کیا جو کرتیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی کے خلیفہ تھے۔ آپ کا مذہب ظاہری تھا یعنی امام داؤد ظاہری کے پیرو تھے۔

آپ کی مبارک ذات آیات الہیہ میں سے ایک آیت باہرہ تھی۔ آپ کی تالیفات کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ علامہ نبہانی نے آپ کا تحریر کردہ اجازت نامہ جو آپ نے ملک منظر کو لکھ کر دیا ہے نقل کیا ہے۔ اس میں آپ نے اپنے اساتذہ اور اپنی تالیفات کا بیان کیا ہے۔ میں نے ان کا شمار کیا تہتر نام اساتذہ کے اور دوسو اٹیس نام تالیفات کے ہیں۔ ممکن ہے شمار کرنے میں ایک دو نام کا فرق آگیا ہو۔ علامہ نبہانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے مستقل ایک کتاب آپ کی تالیفات کے سلسلہ میں دیکھی ہے اس میں بہت سی ایسی تالیفات کا ذکر ہے جو اس اجازت نامہ میں نہیں ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ان کی تالیفات زائد از شمار ہیں۔ اگر ایک تالیف آٹھ ورق کی ہے تو دوسری تالیف ایک سو جلدوں میں ہے۔ وہ التفصیل فی اسرار معانی التنزیل لکھ رہے تھے۔ سورہ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ تک پہنچے تھے۔ چونکہ جلدیں ہو چکی تھیں۔ اس تفسیر کا زیادہ تر حصہ لوگوں نے چڑایا ہے۔



مولانا جامی نے لکھا ہے اے بغداد کے ایک شیخ نے آپ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں آپ کی تالیفات کو پانچ سو سے زائد بتایا ہے۔ حضرت خواجہ محمد یار سا (خلیفہ اعظم حضرت شاہ نقشبند) فرمایا کرتے تھے کہ جناب شیخ اکبر کی کتاب فصوص الحکم جان ہے اور فتوحات بکیتہ دل۔ مولانا جامی نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ اکبر پر اعتراض اور طعن کی بڑی وجہ فصوص الحکم ہے اور اس میں کلام نہیں کہ اعتراض و طعن کی وجہ یا تو تقلید و تعصب ہے یا شیخ کی اصطلاحات سے ناواقف اور معانی و حقائق کا غموض جناب شیخ نے فصوص و فتوحات میں جس کثرت سے اسرار و حقائق کا بیان کیا ہے حضرات صوفیہ میں سے کسی نے نہیں کیا ہے۔

امام یافعی، اے مولانا جامی اور ابن عمار حنبلیؒ نے لکھا ہے کہ اتفاقاً طور پر ایک دن شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ اکبر کا برسرِ راہ آمنا سامنا ہو گیا۔ ایک نے دوسرے کو بہ غور دیکھا اور خاموشی سے ہر ایک اپنی راہ ہو لیا۔ بعد میں کسی شخص نے دونوں حضرات کے پاس جا کر ایک دوسرے کے متعلق دریافت کیا۔ شیخ اکبر نے شیخ سہروردی کے متعلق فرمایا۔ فَمَلَّوْا سَنَّةً مِنْ فَرْقِهِ اِلٰی قَدَمِهِ۔ وہ از سر تا پا سنتِ مبارکہ سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور شیخ سہروردی نے شیخ اکبر کے متعلق فرمایا۔ هُوَ بِحُجْرَةِ الْحَقَائِقِ۔ وہ حقائق کا سمندر ہیں۔ كَذَسَ اللّٰهُ اَسْرَارَهُمَا۔

اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ بعض اکابر علماء نے شیخ اکبر کو بڑے الفاظ سے یاد کیا ہے کسی نے کافر کسی نے زندیق اور ابن تیمیہ نے ”اس اُمت کا شیطان“ کہا ہے۔ علامہ ابن حجر اور ابن عمار نے بعض علماء کے سخت الفاظ نقل کئے ہیں اور اس میں بھی کلام نہیں ہے کہ زیادہ تر علماء نے بعض علماء کا ساتھ نہیں دیا ہے۔ اُن میں سے بعض نے شیخ اکبر کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے جیسے علامہ ابوطاہر مجد الدین محمد فیروز آبادی صاحب قاموس اور علامہ کمال بن الزملکانی اور بعض نے اگر شیخ اکبر کے فضل کا بیان نہیں کیا ہے تو اُن کو برا کہنے سے روکا ہے۔ شیخ نوری نے کہا ہے: ”کوئی ان کو کافر اور کوئی قطب کہتا ہے۔ جو مجاہدے اس جماعت کے لئے ہیں اور جو چاشنی انھوں نے پائی ہے اس کے متعلق وہ شخص کیا کہہ سکتا ہے جس نے نہ وہیے مجاہدے کئے ہوں اور نہ وہ حلاوت پائی ہو“ امام نووی سے جب کسی نے شیخ اکبر کے بارے میں فتویٰ طلب کیا تو آپ نے یہ آیت مبارکہ لکھ دی: ”تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔“ (ترجمہ) وہ ایک جماعت تھی گزر گئی اُن کا ہے جو کما لگے اور تمہارا ہے جو تم کماؤ اور تم سے پوچھ نہیں ان کے کام کی“ امام نووی کے جواب کا اثر یہ ہوا کہ وہ علماء جو جناب شیخ کی بعض عبارتوں سے بیزار تھے کہنے لگے کہ نہ جناب شیخ کو برا کہو اور نہ



ان کی کتابوں کا مطالعہ کرو۔

اور اس میں بھی کلام نہیں کہ عام طور پر آجلہ مشائخ اکبر کے گردیدہ اور ان کی ولایت و بزرگی کے دل سے قائل ہیں۔ البتہ جناب ابوالکلام رکن الدین علاء الدولہ سمنانی نے شیخ اکبر کی مخالفت کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں حضرت مجددؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

”خلاف شیخ علاء الدولہ در مسئلہ وحدت وجود یہ طور علما مفہوم می شود بہ قبیح آں ناظر است ہر حید بہ راہ کشف درآمدہ است چہ صاحب کشف آں را قبیح نہ داند“ لہ

(ترجمہ) مسئلہ وحدت وجود میں شیخ علاء الدولہ کا خلاف علما کے طریقہ پر مفہوم ہوتا ہے کیونکہ اُن کی نگاہ اس کے قبیح کی طرف ہے حالانکہ راہ کشف میں یہ مسئلہ ان کو پیش آچکا ہے اور صاحب کشف اس کو قبیح نہیں سمجھتا۔

شیخ اکبر کو اللہ تعالیٰ نے علم ظاہر میں یکتائے روزگار اور علم باطن میں گنجینہ اسرار بنایا تھا ان کے متعلق صحیح رائے وہی شخص قائم کر سکتا ہے جو کہ دونوں سمندروں کا ماہر شنّاور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کام حضرت مجددؒ سے لیا۔ آپ نے حقیقت امر بیان کر کے افراط و تفریط سے طرفین کو بچایا ہے۔

**وَعَائِنُ کَا بِلَانِ** | سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کمالات جو اولیائے پروردگار کے سینوں میں مخفی چلے آ رہے تھے اور جن کے اظہار کی توفیق کوئی نہ پاسکا تھا، شیخ اکبر

نے اُن کا بیان کیا ہے۔ شیخ اکبر نے کتنا عظیم اور پرخطر کام کیا ہے، اس کا اندازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کیا جاسکتا ہے جس کی روایت امّہ حدیث نے کی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔

”حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَعَائِنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَشَّرْتُهُ فَبِکُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَشَّرْتُهُ قُطِعَ هَذَا الْبَلْعُوْمُ یَعْنِیْ فُجْرِی الطَّعَامِ“ لہ

(ترجمہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو طرح کا علم حاصل کیا ہے، اُن میں سے ایک کو میں نے پھیلادیا (یعنی اس کا بیان کر دیا ہے) اور اگر دوسرے کا بیان کروں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے۔

حضرت ابوہریرہ کے اس ارشاد سے چند باتیں استفادہ ہوتی ہیں۔

- ۱۔ علوم دو قسم کے ہیں، ایک سطور میں اور دوسرا صدور میں۔ پہلے کا بیان کرنا واجب ہے اور دوسرے کا نہیں۔
- ۲۔ دونوں علموں کا مصدر ذاتِ نبوی ہے علی صَاحِبِہِ الصَّلَاةِ وَالْجَنَّةِ۔
- ۳۔ علم باطن کا بیان کرنا نہایت مشکل کام ہے، ذرا سی لغزش جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔
- ۴۔ علم ظاہر کے اصحاب کو حق ہے کہ علم باطن کے بیان کرنیوالوں پر گرفت کریں۔



۵۔ نہ گرفت کرنے والوں سے مواخذہ، کیوں کہ انہوں نے اپنی خدمت انجام دی ہے اور نہ گرفتار شدہ پر ملامت کیونکہ اس کے پاس اُن اسرار کی تعبیر کے شایان الفاظ نہیں، کُلُّیَّ یَعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهِ قَرِیْبُکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰی سَبِیْلًا۔ (ترجمہ) ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈول پر، سو تیرا رب بہتر جانتا ہے کون خوب سوچا ہے۔

وہ علم جو چھ سو سال سے خدمت و صحبت کی برکت سے ایک سینے سے دوسرے سینے میں منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا۔ اس کو جناب شیخ اکبر نے ظاہر کیا۔ آپ نے اس کام کے لئے بہ کثرت اصطلاحات مقرر کی ہیں کسی شیخ نے فتوحات مکیہ کی اہم اصطلاحات کو ایک مختصر رسالہ کی شکل میں جمع کیا ہے، اس رسالہ کا نام "اصطلاحات الصوفیۃ الواردة فی الفتوحات المکیۃ" ہے۔ اس میں ایک سو نو سے اصطلاحات کا ذکر ہے۔

ابن عماد نے لکھا ہے: "اس جماعت کی خاص اصطلاحات ہیں۔ ان کے استعمال کردہ الفاظ کے وہ معانی نہیں ہوتے جو متعارف ہیں، اگر اُن کے استعمال کردہ الفاظ کو متعارف معانی پر حمل کیا گیا تو بسا اوقات کفر کی صورت پیدا ہو جائے گی جیسا کہ حجت الاسلام امام غزالی نے کہا ہے: "شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے شیخ اکبر کے متعلق جو بات فرمائی ہے کہ "خالق کائنات ہیں۔" اس سے شیخ اکبر کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ آپ نے بے حساب اسرار کو بے نقاب کیا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ آپ پر ہر وقت اکتشافات ہوتے رہتے تھے، غیبی طاقت ان کو قوت تحریر دیتی تھی اور وہ ان کو صفات اوراق پر ثبت کرتے جاتے تھے۔ نہ اُن کی کسی کی تحسین پر نظر تھی، نہ کسی کی تکفیر سے ڈر خسر و کا یہ شعر اُن کے حسب حال واقع ہوا ہے۔

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند آئے آئے می کند با خلق اورا کارنیت  
علماء میں سے بعض نے آپ کو کافر بعض نے زندیق و ملحد قرار دیا۔ علامہ ابن تیمیہ نے آپ کو اس امت کا شیطان قرار دیا اور میرا بیخیاں ہے کہ آپ کے نظریات کی سرعت انتشار کو دیکھتے ہوئے ابن تیمیہ نے یہ حکم مناسب سمجھا۔

شیخ اکبر کے زمانے تک علماء اور مشائخ کے اختلاف کی شکل شخصی اور انفرادی تھی۔ جو شخص توحید آمیز کلمات زبان پر لاتا تھا اُسی پر علماء رد و نکیر کیا کرتے تھے۔ لیکن شیخ اکبر کے وقت سے اختلاف کی شکل جماعتی ہو گئی۔ اس اختلاف کو رفع کرنے کیلئے ایسے فرد اکل کی ضرورت تھی جو ظاہری اور باطنی علوم سے پوری طرح آراستہ و پیراستہ ہو، تاکہ وہ طرفین کو اُن کے تجاوزات سے آگاہ کر سکے، صباحت و ملاحت میں المتراج ہو، شریعت و طریقت باہم مل کر عیناً یثوب بہا المقربون کی صورت اختیار کر لیں (وہ چشمہ



جس سے مقربین سیراب ہوتے ہیں، وہ فرد اکمل حضرت مجددؒ کی ذات تھی۔ آپ نے شیخ اکبر کے نظریات کو صحیح طور پر بیان کیا اور پھر ان حقائق کا اظہار کیا جن کا انکشاف آپ پر ہوا۔ اس سلسلہ میں آپ نے بکثرت مکاتیب لکھے ہیں۔ میں آپ کے بعض مکاتیب کا خلاصہ لکھتا ہوں۔ اگر کسی کو تفصیل مطلوب ہو تو وہ اس مکتوب کی طرف مراجعت کرے جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔

حضرت مجددؒ نے اپنے تیسرے فرزند خواجہ محمد معصوم کو ایک طویل مکتوب ارسال کیا ہے اس کے آخر میں لکھا ہے۔

## مرو میدان

”اس میدان میں مقابلہ پر شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ ہیں کبھی ان کے ساتھ مقابلہ ہے اور کبھی صلح۔ بہر حال انہی کی ذات ہے جس نے معرفت اور عرفان کے کلام کی بنیاد رکھی ہے اور پھر اسکو خوب شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ اور انہی کی ذات ہے جس نے توحید و اتحاد کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور تعدد و تکثر کی منشاء ظاہر کی ہے۔ وہی ہیں جنہوں نے وجود کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے واسطے ثابت کیا ہے اور عالم کے وجود کو مہوم اور خیالی وجود قرار دیا ہے وہی ہیں جنہوں نے حضرت وجود کے واسطے تنزیلات کا اثبات کیا ہے اور ہر مرتبہ کے احکام کو الگ کیا ہے۔ وہی ہیں جنہوں نے عالم کو عین حق سمجھا ہے اور ”ہمہ اوست“ کہا ہے، یعنی سب کچھ وہی ہے۔ باوجود اس کے انہوں نے اللہ کے مرتبہ تنزیہ کو سب سے بلند تر پایا ہے۔ اور سب کی دید و دانش سے اس کو منزہ و مبرا قرار دیا ہے جناب شیخ سے پہلے جو مشائخ گزرے ہیں اس سلسلہ میں ان حضرات نے اگر کچھ کہا ہے بہ طریق رمز و اشارہ کہا ہے کھل کر بات کسی نے نہیں کہی ہے۔ اور جناب شیخ کے بعد جو مشائخ آئے ہیں اُن میں سے اکثر نے جناب شیخ کی پیروی کی ہے اور آپ ہی کی اصطلاح کو اختیار کیا ہے۔ ہم پس ماندگان انہی بزرگوار کی برکات و فیوضات سے مستفید ہوئے ہیں اور ان کے علوم و معارف سے فوائد حاصل کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے ان کو جزائے خیر عنایت کرے۔

اس سلسلہ میں کام کی بات یہ ہے کہ بشریت کی وجہ سے درست اور نادرست یعنی صحیح اور غلط کے مواقع اور محلات آپس میں ملے ہوئے ہیں، انسان حکم میں کبھی مُصیب اور کبھی مُخْطی ہوتا ہے لہذا اہل حق کے سوا اعظم سے موافقت کو مصداقِ صواب اور مخالفت کو دلیلِ خطا سمجھنا چاہیے۔ بات کا کہنے والا چاہے کوئی بھی ہو اور بات چاہے جیسی بھی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ سوا اعظم کے ساتھ دینے کو اپنے اوپر لازم کرو۔“

اور یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ کسی صناعت کی تکمیل، اختلافِ نظریات اور تلاؤق افکار کے بعد ہی ہوا کرتی ہے۔ سیبویہ کے متعلق جتنا بھی کہا جائے کہ وہ علمِ نحو کے بانی تھے لیکن بعد والوں کے افکار و نظریات کے بعد جو صورتِ نحو کی ظاہر ہوئی ہے اور جو زیب و زینت اس میں آئی ہے وہ کچھ اور ہی ہے۔



”اے رب دے ہم کو اپنے پاس سے مہر اور بنا ہمارے کام کا بناؤ“ والسلام  
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: ”الْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ“ اللہ تعالیٰ  
کی ذات و صفات کے ادراک سے اپنی عاجزی اور نارسائی کا جان لینا ہی ادراک ہے۔ حضرت صدیق اکبر کے  
ارشاد گرامی کے مضمون کو سعدی رحمہ اللہ نے کیا خوب نظم کیا ہے۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و دہم      وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم  
دفتر تمام شد و بہ پایاں رسید عمر      ما، بچناں در اول و صف تو ماندہ ایم  
شیخ اکبر نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشاد گرامی کے سلسلہ میں لکھ دیا ہے: ”فَمِمَّا مَنِ  
عِلْمٌ وَمِمَّا مَنِ جَهْلٌ فَقَالَ الْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ“ یعنی ہم میں سے کسی کو علم ہوا اور  
کوئی جاہل رہا اور اس نے کہہ دیا الْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ۔ اس کے بعد شیخ اکبر نے ان علوم کا  
ذکر کیا ہے جو بعض کو حاصل ہوئے ہیں اور پھر لکھ گئے ہیں کہ ان علوم کا تعلق خاتم الاولیاء سے ہے اور  
ان علوم کو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الاولیاء سے اخذ کرتے ہیں۔ اور شیخ اکبر خاتم ولایت محمدیہ اپنے  
کو قرار دیتے ہیں۔

حضرت مجددؒ نے یہ تفصیل لکھ کر تحریر فرمایا ہے۔ اس قول کی وجہ سے جناب شیخ پر اعتراضات  
کئے گئے ہیں اور آپ مطعون خلّاق بنے اور فصوص الحکم کے شارحین نے اعتراضات اور مطاعن کے  
ہٹانے کی کوششیں کی ہیں۔ اس کے بعد حضرت مجددؒ نے لکھا ہے۔

”فقیر کہتا ہے، وہ علوم جو جناب شیخ نے بیان کئے ہیں اس عجز سے جس کا بیان حضرت صدیق اکبر رضی  
اللہ عنہ نے کیا ہے بہت زیادہ فروتر ہیں بلکہ ان علوم کی اُس عجز سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ان  
علوم کا تعلق ظلال سے ہے اور اس موطن و مقام میں عجز ہی اصل ہے۔ اس قول کے کہنے والے اور  
اس عجز کے ظہور کا مَصَدَر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو سردارِ عارفان و رئیسِ صدیقان ہیں۔ بھلا  
وہ کونسا علم ہے جو اس عجز سے سبقت لے جائے اور وہ کونسا بہادر ہے جو اس عجز والے سے پیش قدم  
ہو جائے۔ جبکہ جناب شیخ، آقائے صدیق صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کچھ کہہ دیں تو پھر حضرت صدیق  
رضی اللہ عنہ کے بارے میں اگر ایسی بات کہیں تو کیا کیا جائے۔

عجب معاملہ ہے کہ باوجود اس کلام کے اور ایسی شیط (سُکرا آمیز بات) خلاف جواز کے جناب شیخ  
مقبولانِ بارگاہِ کبریا میں سے نظر آتے ہیں اور اولیاء اللہ کی جماعت میں ان کا مشاہدہ ہوتا ہے و  
باکریاں کار ہادشوار نیست۔ ہاں کبھی یہ صورت ہوتی ہے کہ دُعا رنجیدگی کا سبب بنتی ہے اور کبھی  
بدتمیزی موجب خوشنودی، شیخ کا رد کرنے والا خطرہ میں ہے اور ان کے اقوال کے ساتھ ان کا قبول



کرنے والا بھی خطرہ میں ہے۔ جناب شیخ کو قبول کیا جائے اور ان کے خلافی کلام کو قبول نہ کیا جائے۔ یہ راہ وسط ہے جو شیخ کو قبول کرنے اور قبول نہ کرنے کے متعلق فقیر کا مختار مسلک ہے۔<sup>۱۷</sup> جناب شیخ کی بزرگی اور جلالت قدر کے سلسلہ میں آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

”عجب کاروبار ہے کہ متقدمین صوفیہ میں سے بہت سے اکابر نے اس قسم کے توحید آمیز اقوال سے حُلُول اور اتحاد کے معانی سمجھ کر ان اقوال کے کہنے والوں کی تضریل و تکفیر کی ہے۔ اور بعض اکابر نے ان اقوال کی ایسی تاویل کی ہے جو قائلین کے مذاق سے مناسبت نہیں رکھتی۔ شیخ الشیوخ نے عوارف المعارف میں منصور کے قول ”اَنَا الْحَقُّ“ اور بایزید کے قول ”سُبْحَانِی“ کے متعلق کہا ہے کہ یہ اقوال برہیل حکایت ان کی زبان پر جاری ہوئے ہیں۔ انھوں نے اللہ کے قول کو نقل کیا ہے اور اگر ان کے کہنے میں حکایت قول نہ ہو اور حُلُول و اتحاد کا شائبہ تک پیدا ہو جائے تو ہم نصاریٰ کی طرح جو کہ حُلُول کے قائل ہیں، ان کا بھی رد کریں گے۔

جو تحقیق پہلے بیان کر چکا ہوں اس سے ظاہر ہے کہ اَنَا الْحَقُّ اور سُبْحَانِی جیسے اقوال میں جو شطح نما ہیں، نہ حُلُول ہے نہ اتحاد۔ اگر حُلُول ہے تو بہ اعتبار ظہور کے ہے نہ بہ اعتبار وجود کے جیسا کہ سمجھا گیا ہے اور ان اقوال کو حُلُول و اتحاد کا لباس پہنایا گیا ہے۔<sup>۱۸</sup>

**توحید کا مسئلہ** ”یہ مسئلہ متقدمین کے زمانہ میں واضح طور پر سامنے نہیں آیا تھا اور نہ پوری طرح اس کا بیان ہوا تھا۔ جو شخص مغلوب الاحوال ہوتا تھا اس کی زبان پر اتحاد نما اقوال آجاتے تھے اور وہ غلبہ سُکرو مدہوشی کی بنا پر حقیقت حال کو بیان نہیں کر سکتا تھا تا آنکہ شیخ بزرگوار محی الدین ابن العربی قدس سرہ کی باری آئی۔ انھوں نے کمال معرفت کی وجہ سے اس دقیق مسئلہ کو خوب واضح طور پر بیان کر دیا۔ انھوں نے اس طرح پر ابواب و فصول مقرر کئے جس طرح علم خود صرف میں ہیں۔ باوجود اس وضاحت اور تحقیق کے صوفیہ کی ایک جماعت (مثل شیخ علاء الدولہ) ان کے مطلب و مدعا کو نہ سمجھی اور ان کو برخطا قرار دے کر مطعون و ملام کیا۔ حالانکہ اس مسئلہ میں جناب شیخ اکبر اپنی اکثر تحقیقات میں حق پر ہیں اور ان پر طعن کرنے والے راہِ صواب سے دور ہیں۔ جناب شیخ نے جس طرح اس دقیق مسئلہ کو حق کیا ہے اس سے آپ کی بزرگی اور علم کی بے پایانی کا اندازہ لگانا چاہیے نہ یہ کہ ان کو بُرا کہا جائے۔<sup>۱۹</sup>

آپ نے خواجہ ہاشم کشمی کو ایک طویل مکتوب سولہ صفحات کا ارسال کیا ہے۔ اس میں آپ نے حضرت خواجہ سے بیعت ہونے، سلوک طے کرنے اور مقاماتِ توحید کے اذواق کا بیان کیا ہے اور تحریر فرمایا ہے۔



اے عزیز۔ اگر تفصیل احوال و تبیین معارف کو قلمبند کروں بات طویل ہو جائے گی اور خاص کر توحید و جودی کے احوال اور ظلیت اشیا کے معارف بیان کیے جائیں تو وہ لوگ جنہوں نے توحید و جود میں عمریں صرف کی ہیں، سمجھ لیں گے کہ انہوں نے دریائے بے نہایت میں سے پورا ایک قطرہ بھی حاصل نہیں کیا ہے، تعجب اس بات پر ہے کہ وہی لوگ اس درویش کو اصحاب توحید و جود سے شمار نہیں کرتے بلکہ اس کو توحید و جودی کے مخالف علماء میں سے سمجھتے ہیں۔ اور اپنی کوتاہ نظری کی بنا پر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ معارف توحید و جودی پر اصرار کرنا ہی کمال ہے اور اس مقام سے ترقی کرنی نقص ہے۔

بیخبر دے چند ز خود بے خبر عیب پسندند بہ زعم ہنر  
(ترجمہ) چند بے وقوف جن کو اپنی خبر نہیں ہے، ہنر کے نام پر عیب کو پسند کرتے ہیں۔  
اس معاملہ میں ان لوگوں کی دلیل گزرے ہوئے مشائخ کے وہ اقوال ہیں جو توحید و جودی سے متعلق ہیں (جیسے سبحانی) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو انصاف کی توفیق دے بھلا ان لوگوں کو کہاں سے معلوم ہو گیا کہ اُن مشائخ کی اس مقام سے ترقی نہیں ہوئی ہے اور وہ اس مقام میں بند ہو کر رہ گئے ہیں۔ معارف توحید کے حصول میں تو ہمارا اختلاف ہی نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایک امر متحقق اور ثابت ہے۔ البتہ اختلاف اس امر میں ہے کہ آیا مشائخ مآ تقدم کی ترقی اس مقام سے ہوئی ہے یا نہیں۔ اب اگر یہ لوگ اس شخص کو جو ترقی کا قائل ہے منکر توحید کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس کے واسطے یہ نام تجویز کرتے ہیں تو یہ ان لوگوں کی خاص اصطلاح ہوئی اور اس میں کیا مناقشہ۔ لہ  
حضرت مجددؒ نے "کیا مناقشہ" تحریر فرما کر مشہور قول "لَا مَشَاخَۃَ فِی الْاِصْطِلَاحِ" کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی اصطلاح کے مقرر کرنے میں کوئی بات نہیں۔

**توحید و جودی اور شہودی** | آپ نے مولانا عبدالحی کو توحید و جودی اور شہودی کے مراتب تحریر فرمائے ہیں کہ بعض افراد کے لئے توحید و جودی کا باعث یہ ہوتا ہے کہ وہ توحید کے مراقبوں کی مشق کرتے ہیں اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنی لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ سمجھتے ہیں اور اس معنی کی کثرت مزاولت سے ان کے خیال میں توحید و جودی کا غلبہ ہو جاتا ہے چونکہ اس توحید میں سلطان خیال کا دخل ہے لہذا یہ معلول ہے اور ایسی توحید والے کو ہم صاحبِ حال نہیں کہہ سکتے۔

اور بعض افراد کیلئے توحید و جودی کا منشاء انجذاب اور قلبی محبت ہوتی ہے یہ لوگ اپنے کام کی ابتداء ذکر الہی اور مراقبات سے کرتے ہیں اور ان کے مراقبہ توحیدی معنی کے تخیل سے خالی ہوتے ہیں۔



یہ لوگ اپنے کام میں منہمک رہتے ہیں تا اُن کے غمایتِ ازلٰی ان کو مقامِ قلب تک پہنچاتی ہے۔ اب اگر اُن پر توحید و جود کا جمال ظاہر ہوتا ہے تو اس کا سبب محبوب کی محبت کا غلبہ ہے جس نے محبوب کے سوا سب کو ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیا ہے۔ جب کہ وہ محبوب کے سوا کچھ نہیں دیکھتے تو کسی کو موجود بھی نہیں سمجھتے، ایسی توحید والے اصحابِ احوال ہیں۔ ان کی توحید علتِ تختل اور شائبہِ توہم سے پاک و صفا ہے ایسی توحید والے اربابِ قلوب اگر اسی مقام سے عالم کو مراجعت کرینگے تو عالم کے ہر ذرہ میں اپنے محبوب کو دیکھیں گے اور ان کی نظر میں عالم کا ہر ذرہ جمالِ محبوب کا آئینہ ہے۔ جب تک وہ مقامِ قلب میں رہیں گے ان کی یہی حالت رہیگی اور جب اللہ تعالیٰ ان کو اس مقام سے بالاتر لے جاتا ہے تو یہ احوال اور کیفیات رُوبہ زوال ہو جاتی ہیں۔ جتنا بڑھتا جائے گا ان احوال سے مناسبت کمتر ہوتی جائے گی۔ بلکہ بعض افراد کی عدم مناسبت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ وہ ان احوال و کیفیات پر طعن و انکار کرنے لگتے ہیں جیسے کہ رکن الدین ابوالکارم شیخ علارالدولہ سمنانیؒ اور بعض افراد نے انکار کرتے ہیں اور نہ اثبات۔

یہ کاتبِ سطور اس جماعت کے انکار اور ان پر طعن سے اپنے کو بہت بچاتا ہے۔ انکار اور طعن کیلئے تو اس وقت گنجائش مکمل سکتی ہے جب اس حال کے ظاہر کرنے میں اُن کا اپنا دخل ہو اور جب ان کے ارادے اور دخل کا اس سے کوئی تعلق نہیں، تو وہ مغلوبِ الاحوال اور معذور ہیں۔ اور معذور و مجبور پر رد و طعن کی گنجائش نہیں۔ البتہ کاتب اتنی بات جانتا ہے کہ اس معرفت سے بالاتر دوسری معرفت ہے اور اس حال کے بعد دوسرا حال۔ اور جو افراد اس مقام میں بند ہو کر رہ گئے ہیں وہ بے شمار کمالات سے محروم ہو گئے ہیں۔

اس حقیر کو مراقباتِ توحید کی مشق سے نہیں بلکہ ذکر و مراقبات کے ضمن میں بغیر کسی جدوجہد کے عرفِ اللہ کے فضل سے اور حضرت خواجہ کی صحبت کے طفیل یہ مقام نصیب ہوا ہے حقیر کو ابتداء میں مقامِ قلب عطا ہوا اور دروازہ معرفت کھلا، اس مقام کے علوم و معارف سے نوازا گیا۔ ایک مدت کے بعد اس مقام سے ازراہ بندہ لوازی رہائی نصیب ہوئی اور وہاں کے معارف رفتہ رفتہ رُوبہ زوال ہونے شروع ہوئے یہاں تک کہ وہ نیست و نابود ہو گئے۔

حقیر نے اپنے احوال کا اظہار اس وجہ سے کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ حقیر نے لکھا ہے از روئے کشف و ذوق لکھا ہے۔ تقلید و خیال کی بنا پر کچھ نہیں لکھا ہے۔

مشائخ سے جو توحید آمیز کلمات (جیسے سبحانی) صادر ہوئے ہیں، اس وقت میں ہوئے ہیں جبکہ وہ مقامِ قلب میں سائر تھے اور وہاں کے معارف سے سرشار ہو رہے تھے۔ چنانچہ اس حقیر نے بھی دورانِ قیامِ قلب میں بعض رسائل لکھے ہیں اور بوجہ انتشار کے ان کا جمع کرنا دشوار تھا لہذا ان کو اسی



حال میں چھوڑ دیا گیا۔ نقص تو اس وقت ثابت ہوتا ہے جب اس مقام میں کوئی بند موکر رہ جائے اور اس کو ترقی نصیب نہ ہو۔ ۱۷

حضرت مجددؒ نے حضرت خواجہ کی خدمت میں ایک عریضہ اس وقت ارسال کیا ہے جب کہ آپ مقام قلب میں سارے تھے۔ اس عریضہ میں آپ نے یہ رباعی لکھی تھی۔

اے دروغا کیں شریعت ملتِ اعلیٰ است      ملتِ ماکفری و ملتِ ترسانی است  
کفر و ایمان زلفِ روئے آن پی نیائی است      کفر و ایمان ہر دو اندر راہِ مایکتائی است  
اللہ کا فضل آپ کے شامل حال ہوا اور مُرشدِ کامل حضرت خواجہ نے آپ کو تحریر کیا "حاشا کہ قائلِ اُن مقبول باشد ز نہار ادب نگاہ دارید کہ کارخانۃ الہی محل استغنا و غیرت است" (ترجمہ) حاشا کہ اس رباعی کا کہنے والا مقبول ہو۔ آگاہ رہیں اور ادب کو محفوظ رکھیں، بارگاہِ خداوندی جائے بے نیازی و غیرت ہے۔ ۱۸

آپ نے خواجہ مرزا جمال الدین حسین کو چھ اوراق کا پُر از حقائق و معارف مکتوب **روحی سیر کا بیان** ارسال فرمایا ہے۔ اس میں سیرِ آفاقی، سیرِ انفسی، سیرِ وِرائی کا ذکر کیا ہے ابتدائی حصہ کا ترجمہ و خلاصہ لکھتا ہوں۔ تحریر فرمایا ہے۔

فرزندِ عزیز، خیال سے سنو۔ جب سالک ذکر شریف میں پورے اخلاص و انہماک سے مشغول ہوتا ہے اور وہ مجاہدات و ریاضات سے تزکیہ نفس حاصل کرتا ہے تو اس کے اوصافِ رذیلہ بدرتجِ اخلاقِ حسنہ میں بدلنے لگتے ہیں، وہ توبہ و انابت کی توفیق حاصل کر لیتا ہے اور دنیا کی محبت سے فارغ ہو جاتا ہے اس وقت وہ عالمِ مثال میں اپنے کو کدورتِ بشریہ کو اوصافِ رذیلہ سے پاک صاف دیکھتا ہے، سمجھ لو کہ اس نے سیرِ آفاقی تمام کر لی ہے مشائخ میں سے ایک جماعت نے اس مقام میں مزید احتیاط کی ہے اور فرمایا کہ جب سالک اپنے ساتوں لطائف (لطیفۃ قلب، لطیفۃ روح، لطیفۃ شہر، لطیفۃ نصی، لطیفۃ اخفی، لطیفۃ نفس، لطیفۃ قابلیہ) کا تصفیہ کر لیتا ہے اور عالمِ مثال میں اُن کے انوار کو دیکھ لیتا ہے جو مختلف الوان کے ہیں۔ (زرد، سرخ، سفید وغیرہ) تو اس کی سیرِ آفاقی اتمام کو پہنچی۔ سالک اس دوران میں عالمِ مثال میں اپنے کو ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں تبدیل ہوتے دیکھتا ہے (زرد ہے پھر سرخ پھر سفید وغیرہ) چوں کہ عالمِ مثال آفاق میں داخل ہے اس واسطے اس سیر کو سیرِ آفاقی کہتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ سیر بھی سیرِ نفسِ سالک ہے اور اوصافِ و اخلاق میں ایک قسم کی کیفی حرکت ہے، چونکہ دور سے دیکھتے وقت اس کا مطلع نظرِ آفاق ہوتا ہے نہ انفس۔ اس واسطے اس سیر کی نسبت آفاق کی طرف کر دی گئی ہے۔ مشائخ نے اس سیر کو سیرِ الٰہی قرار دیا ہے اور فنا کو اس سے مربوط کیا ہے اور سلوک کی تعبیر اس



سیرے کی ہے۔

اس سیر آفاقی کے بعد جو سیر واقع ہوتی ہے اس کو سیر انفسی کہتے ہیں اور اس کو سیر فی اللہ قرار دیتے ہیں اور بقا باللہ کا تعلق اس موطن و مقام سے وابستہ کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ سلوک کے بعد کا جذبہ اس مقام میں حاصل ہوتا ہے کیوں کہ پہلی سیر میں سالک کے لطائف کا تزکیہ ہو چکا ہے وہ کدورات بشریہ سے پاک ہو گئے ہیں۔ ان میں قابلیت پیدا ہو گئی ہے کہ ظلال و عکوس اُس اسم جامع کے جو کہ اس کا رب ہے ان میں ظاہر ہوں اور وہ لطائف مورد تجلیات اور اسم جامع کی جزئیات کے مظاہر بنیں۔ اس سیر کو سیر انفسی اس بنا پر کہتے ہیں کہ اسما و صفات کے ظلال و عکوس کے واسطے انفس آئینے بن گئے ہیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ سالک کی سیر انفس میں ہے جس طرح پر کہ سیر آفاقی کے متعلق بیان کیا جا چکا ہے کہ بہ اعتبار امر اتیت (آئینہ بن جانے کے اعتبار سے) اس سیر کو سیر آفاقی کہا گیا ہے۔ یہ سیر فی الحقیقت انفس کے آئینوں میں ظلال اسما کی سیر ہے۔ بنا بریں اس سیر کو "سیر معشوق در عاشق" بھی کہتے ہیں (یعنی معشوق اپنے عاشق کے لطائف کے آئینوں میں جلوہ گر ہو رہا ہے)۔

آئینہ صورت از سفر دور است      کال پزیراے صورت از نور است

(آئینہ نے جو صورت قبول کی ہے اور اس میں جو شکل نظر آئی ہے اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ سفر کر رہا ہے کیونکہ وہ سفر سے دور ہے کہاں وہ اور کہاں سفر۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جو نورانیت اور صفائی آگئی ہے وہ ظلال و عکوس کو قبول کر کے ظاہر کر رہی ہے)

اس سیر کو جو سیر فی اللہ قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس سیر کے دوران میں سالک "مُتَخَلِّق بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ" ہو جاتا ہے وہ صفات الہیہ کی ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ منظر کو ظاہر کے بعض اوصاف میں سے حصہ ملا کرتا ہے چاہے وہ نہایت جزوی حصہ ہو۔ اس لحاظ سے گویا اسما الہیہ میں سیر متحقق ہوتی۔

یہ ہے اس مقام اور اس کلام کی تحقیق (یعنی سیر آفاقی سیر انفسی و سیر الی اللہ و سیر فی اللہ اور جذبہ و بقا باللہ کا بیان) رہی یہ بات کہ صاحب مقام کا حال کیا ہے اور اس بات کے قائل کی مراد کیا ہے تو ہر شخص اپنی عقل و دانش کے مطابق کچھ کہتا ہے۔ اس بات کا کہنے والا کچھ مطلب نکالتا ہے اور سننے والا کچھ اور ہی سمجھتا ہے۔ یہ لوگ بلا تکلف سیر انفسی کو سیر فی اللہ کہتے ہیں اور بلا کسی تردد کے اس کا نام بقا باللہ رکھتے ہیں اور اس کو مقام وصل و اتصال سمجھتے ہیں۔ فقیر پر اس قسم کی باتیں نہایت شاق گزرتی ہیں اور ان کی تصحیح اور توجیہ کے لئے مشقت اور محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس سلسلہ میں اب جو کچھ لکھتا ہوں اس میں سے کچھ تو شاخ کے کلام سے ماخوذ ہے اور کچھ ازراہ افاضہ والہام ہے۔

سیر آفاقی اور سیر انفسی کے متعلق جو بیان گزرا ہے اس کے پیش نظر یہ سمجھنا چاہیے کہ سیر آفاقی میں



اوصافِ رذیلہ سے تخلیہ حاصل ہوا ہے اور سیرِ نفسی میں اخلاقِ حمیدہ سے تجلیہ ہوا۔ چونکہ تخلیہ کو مقامِ فنا سے مناسبت ہے اس لئے تجلیہ کو بقا سے مناسبت ہوئی۔ ان کے نزدیک سیرِ نفسی کی نہایت نہیں ہے۔ اگر ابدی عمر ہو تب بھی کوئی اس کے اختتام کو نہیں پاسکتا، کیونکہ حضرت محبوب جل شانہ کے شامل اور اوصاف کی کوئی حد نہیں ہے لہذا سالک کے آئینہ میں اس کے کمالات اور اوصاف میں سے کسی نہ کسی کمال اور وصف کا ظہور ہوتا رہے گا اور سالک اس سے متخلق اور متجلی ہوتا رہے گا۔

ذره گر بس نیک و ریں بد بود گرچہ عمرے نگ زند در خود بود

(ترجمہ) ذرہ چاہے اچھا ہو چاہے بُرا، اگرچہ عمر بھر چلتا رہے اپنے ہی میں رہے گا۔

مشائخ اس فنا و بقا کو جو کہ سیرِ آفاقی و نفسی سے حاصل ہوئی ہے ولایت کا نام دیتے ہیں اور کمال کی نہایت اس مقام کو سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو ان کے نزدیک وہ سیر رجوعی ہے جس کو سیرِ عن اللہ باللہ کہتے ہیں اور اسی طرح جو تھی سیر کو سیر فی الاشیاء باللہ کہتے ہیں اور اس کا تعلق بھی نزول سے ہے۔ ان دو سیروں کو برائے تکمیل و ارشاد تجویز کرتے ہیں جیسا کہ پہلی دو سیروں کو حصولِ ولایت و کمال کیلئے کیا ہے۔ اور مشائخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ خبر میں وارد ہے: "اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ جَنَابٍ مِّنْ نُورٍ وَظُلْمَةٍ" اللہ تعالیٰ کے لئے ستر ہزار پردے نور اور ظلمت کے ہیں (نور، جمال اور ظلمت، جلال) اور سیرِ آفاقی میں ان تمام پردوں کا چاک کرنا شامل ہے، سات لطائف ہیں اور ہر لطیفہ کے دس ہزار پردے ہیں۔ جب سیرِ آفاقی پوری ہوتی ہے تمام پردے اٹھ جاتے ہیں سالک کو سیر فی اللہ نصیب ہوتی ہے اور وہ اس کا مقام اس کو مل جاتا ہے۔ اربابِ ولایت کے سیر و سلوک کا خلاصہ یہ ہے جو لکھا گیا اور ان کے نزدیک نسخہ جامعہ (انسانیت) کے کمال و تکمیل کی یہ کیفیت ہے: "لے آپ نے خواجہ مرزا جمال الدین حسین ہی کے سابق الذکر مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔

## نعمتوں کا اظہار

ذابِ یقین اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار اور اس کی عطیات کا شکر کرتے ہوئے ان حقائق و منازل کا بیان کرتا ہے جن کو حضرت مولیٰ نے صرف اپنے لطف و کرم سے فقیر پر ظاہر کیا ہے اور جس راہ پر اس کو چلایا ہے۔

اے اصحابِ بنیٰشِ سنجیدگی سے کام لو اور توجہ سے سنو، اللہ تم کو فہم اور راہِ مستوی پر چلنے کی توفیق دے۔ اللہ تعالیٰ بے مثل و بے کیف ہے، جس طرح وہ آفاق سے برتر ہے اسی طرح اُنفس سے بالاتر ہے لہذا سیرِ آفاقی کو سیرِ الی اللہ اور سیرِ نفسی کو سیر فی اللہ کہنا کب درست ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دونوں سیر الی اللہ میں داخل ہیں اور سیر فی اللہ وہ سیر ہے جو بہت ہی زیادہ آفاق و اُنفس سے بید ہے اور آفاق و اُنفس سے آگے اور بہت آگے ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ یہ لوگ سیرِ نفسی کو سیر فی اللہ قرار دے کر کہتے ہیں کہ اس سیر کی کوئی انتہا نہیں، اگر



کوئی عمر ابدی پالے جب بھی اس کو طے نہ کر سکے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ حالانکہ انفس بھی آفاق کی طرح دائرۃ امکان میں داخل ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ دائرۃ امکان کا طے کرنا ممکن نہیں۔ اندریں صورت حیران دہی اور خسران ابدی کے سوا اور کیا نتیجہ نکلے گا نہ فنا کا تحقق ہوگا اور نہ بقا کا تصور۔ تو پھر وصل و اتصال اور قرب و کمال کیسے حاصل ہوگا۔

سبحان اللہ، جب کہ مشائخ بزرگ پانی کے عوض سراب (دھوکا ہی دھوکا، پرچھائیں) پر اکتفا کر بیٹھیں اور الی اللہ کو فی اللہ سمجھ لیں اور امکان کو وجوب تصور کریں اور مثل کو بے مثل قرار دیں تو پھر چھوٹوں اور پست ہمتوں سے کیا گلہ کیا جائے اور کیسی شکایت۔

چہ بلا شد (کیا آفت پڑی) آخر کس اعتبار سے انفس کو حق جل و علا سمجھ لیا ہے کہ اس کی سیر کو جب کہ اس کی حد و نہایت ہے، بے حد و بے انتہا لکھ گئے ہیں۔ سیر انفسی کے دوران آئینہ سالک میں جو کچھ نظر آیا ہے اس کو یہ لوگ عین اسما و صفات پروردگار کا ظہور قرار دے رہے ہیں حالانکہ وہ اسما و صفات کے ظلال میں سے ایک ظل کا ظہور ہے۔ اس کی تحقیق اس مکتوب کے آخر میں اگر اللہ نے چاہا بیان کر دے گا۔ میں کیا کروں اور باوجود علم اور اقیقت کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں سویرا ادب کو کس طرح برداشت کروں اور اس کی بادشاہت میں کس طرح کسی کو شریک کر دوں۔ بے شک ان اکابر قدس اللہ اسرارہم کے مجھ پر حقوق ہیں کہ ان کی نیک تربیتوں کا پروردہ ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کے حقوق ان کے حقوق سے بالاتر ہیں اور اس کی تربیت اور دلوں کی تربیت سے بہتر اسی کی حسن تربیت کی بدولت اس درجہ میں نے نجات پائی ہے اور اس کی بادشاہت میں غیر کو اس کا شریک نہیں بنایا ہے۔ حمد اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اور ہم ہدایت نہ پاتے اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ بے مثل اور بے کیف ہے اور ہر وہ شے جس پر مشابہت اور کیفیت کا دھبہ ہو اس سے مسلوب ہے اس صورت میں آفاق و انفس کے آئینوں میں اس کے لئے کیا گنجائش۔ کیونکہ ان آئینوں میں جو بھی ظاہر ہو وہ مثل و کیف کے مظاہر کی طرح ہے لہذا آفاق و انفس کے دربار اس کو تلاش کرنا چاہیے۔ اس دائرۃ امکان میں جس میں آفاق و انفس شامل ہیں جس طرح اللہ کی ذات کے لئے گنجائش نہیں ہے اسی طرح اس کے اسما و صفات کے لئے گنجائش نہیں ہے جو کچھ دائرۃ امکان میں ظاہر ہو رہا ہے وہ اسما و صفات کے ظلال و عکوس ہیں بلکہ ظلال و عکوس بھی اس سے بالاتر ہیں۔ یہاں تو صرف ان کا سراغ (تعبیہ) ہے اور قدرت کی کاریگری اور انتقاش بھلا ظہور کس کا اور تجلی کہاں کی۔ کیوں کہ اللہ کی ذات کی طرح اس کے اسما و صفات بھی بے مثل اور بے کیف ہیں۔ جب تک آفاق و انفس سے نہ نکلے اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات کی ظلیت کو نہ پاسکو گے۔ جب کہ آفاق و انفس میں ظلیت کو نہیں پاسکتے تو اسما و صفات تک وصول کیسا۔

عجب معاملہ ہے۔ اگر میں اپنے کشوفات اور یقینی معلومات کی کوئی ایسی بات بیان کروں جو مشائخ کے



مذاق اور ان کے مکشوفات کے مطابق نہ ہو تو کون اس کا یقین کرے گا اور کون اس کو قبول کرے گا اور اگر میں وہ بات نہ کہوں اور اس کو چھپاؤں تو میں نے حق کو باطل کے ساتھ ملانا تجویز کر لیا اور جرات اللہ تعالیٰ کے بارے میں نہ کہنے کی ہے اس کے کہنے کو جائز قرار دے دیا۔ لہذا میں مجبور ہوں کہ جو حق ہے اور خواستہ تعالیٰ کے لائق ہے اس کا اظہار کروں اور جو اس کے شایان نہیں ہے اس کو سلب کروں۔ مجھ کو ادوروں کے خلاف کاٹھور ہے نہ غم خوف و ڈر تو اس وقت مجھ کو ہوتا جب کہ اپنے معاملہ میں مجھ کو تذبذب یا اپنے کشف میں شک ہوتا، جب کہ صبح کی سفیدی اور چودھویں رات کے بڈر کی طرح اصل معاملہ واضح کر دیا گیا ہو اور ظلال و شجہ اور مثال سے بالاتر مجھ کو لیجا یا گیا ہو تو پھر اشتباہ و تذبذب کے کیا معنی۔ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ احوال کی صحت کی نشانی یقین کامل کا حاصل ہو جانا ہے "اور تذبذب و اشتباہ کیلئے سمیل ہی کیسے نکلے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے حضرات مشائخ کے مقرر کردہ احوال پر تفصیل کے ساتھ آگاہ کر دیا ہے اور توحید و اتحاد اور احاطہ و سرایان کے معارف اور ان بزرگواروں کے مکشوفات اور مشہودات کی حقیقت اور ان کے علوم و معارف کے وقائق پوری طرح واضح کر دیے ہیں بلکہ ایک مدت تک ان کے مقام میں رکھ کر وہاں کی ہر شے الّا ما اشار اللہ ظاہر کر دی ہے اور پھر اللہ کے فضل سے انکشاف ہوا کہ یہ تمام کھیل ظلال کا ہے اور یہ سب شجہ و مثال میں گرفتاری کے اسباب ہیں۔ مطلوب تو ان سب سے ورار ہے اور مقصود ان کے سوا، لہذا سب سے منہ موڑ کر رب العزت کی طرف فقیر متوجہ ہوا ہے اور کہتا ہے "اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فِیْ فَطْرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔" میں نے ایک طرف کا ہو کر اپنا منہ اسی کی طرف کیا جس نے بنائے آسمان و زمین اور میں نہیں شریک کرنے والوں میں سے۔ اگر مولیٰ جل شانہ کی تقدیس اور تنزیہ کا معاملہ نہ ہوتا میں اکابر کے مکشوفات کے سامنے کب زبان ہلاتا۔ میں ان کی نعمتوں کے خرمیوں کا ایک ادنیٰ خوش چین اور ان کے خوانہائے کرم کا ایک ناچیز زنگہ بردار (پس خوردہ اٹھانے والا) ہوں۔ انھوں نے گونا گوں نوازشوں سے میری تربیت اور طرح طرح کے احسانات سے میری پرورش کی ہے۔

مسئلہ توحید وغیرہ میں مشائخ سے علماء کا اختلاف ازراہ نظر و استدلال ہے اور فقیر کا اختلاف ازراہ کشف و شہود ہے۔ علماء ان امور کے قبیح کے قائل ہیں اور فقیر بہ بشرط عبور ان کے حسن کا قائل ہے۔ شیخ علامہ الدولہ کا خلاف علماء کے طرز کا مفہوم ہوتا ہے وہ ان امور کے قبیح پر نظر کرتے ہوئے ہیں اگرچہ ان کے کشف میں آچکا ہے اور جس کے کشف میں آجاتا ہے وہ قبیح کا قائل نہیں رہتا (لہذا ان کا خلاف علماء کے طریقہ پر ہوا) الخ لے

اس سلسلہ میں آپ کے اس مکتوب کا خلاصہ لکھنا ہوا جو آپ نے شیخ عبدالعزیز جوئی پوری کو ارسال فرمایا ہے۔

شیخ اکبر اور حضرت مجدد کے نظریات



آپ نے پہلے حضرت شیخ اکبر کا مسلک اور پھر اپنا مسلک بیان کیا ہے۔ اس مکتوب شریف سے حقیقت اختلاف کی صحیح صورت سامنے آجاتی ہے۔ آپ نے اس مبارک مکتوب کو حمد و سلام اور ریاجہ سے جو کہ ادبی میں ہے مُصَدَّر کیا ہے سبحان اللہ کیا ہی تحریر ہے اس کا ہر لفظ آپ کی وارفتگی اور جوش باطنی کا منظر ہے اس کے بعد آپ نے لکھا ہے۔

”مخدوما۔ جناب کو معلوم ہو کہ ہر خیر و کمال کا مبداء وجود ہے اور ہر شر و نقص و زوال کا منشاء عدم ہے۔ لہذا وجود اللہ ہی کے لئے ہے اور عدم ممکن کے لئے تاکہ کمالات اللہ کی طرف اور نقائص ممکنات کی طرف راجع ہوں۔ اگر ممکن کے لئے وجود کو ثابت کیا جائے یا خیر و کمال کی نسبت اس کی طرف کی جائے تو اس کو خدا کی خدائی میں شریک بنایا جا رہا ہے۔ اور اگر ممکن کو عین واجب قرار دیا جائے اور اس کے افعال و صفات کو اللہ ہی کے افعال و صفات کہا جائے تو اس صورت میں بے ادبی اور انکاد ہے۔ نقائص اور زوال سے بھرے ہوئے خیس ملازم کی کیا مجال ہے جو اپنے کو کمالات اور خوبیوں والا عظیم بادشاہ تصور کرے اور اپنی بُری صفات کو بادشاہ کی اچھی صفات کا عین سمجھ لے۔

علمائے ظاہر نے ممکن کے لئے بھی وجود کا اثبات کیا ہے ان کے لئے اللہ کا وجود اور ممکن کا وجود مطلق وجود کے افراد ہیں۔ زیادہ سے زیادہ قضیۂ تشکیک کی بنا پر حضرت واجب تعالیٰ کے لئے وجود کو اولیٰ و اقدم قرار دیا ہے اور اس طرح کے قول سے ممکن کو فضائل اور کمالات میں واجب تعالیٰ کا شریک بنانا ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً۔ اللہ اس سے بہت ہی بالا و برتر ہے۔ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ اللہ فرماتا ہے ”کبرائی میری رِوَا اور عظمت میری ازار ہے“ اگر علماءِ ظاہر اس نکتہ کو سمجھے ہوتے تو ہرگز ممکن کے لئے وجود ثابت نہ کرتے اور اس خیر و کمال میں جو کہ مخصوص بہ واجب ہے ممکن کو شریک نہ کرتے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِيتْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔ اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔

اور اکثر صوفیہ نے اور خاص کر ان کے متأخرین نے ممکن کو عین واجب سمجھ لیا ہے اور ممکن کی صفات اور افعال کو واجب تعالیٰ کی ہی صفات و افعال کہہ دیا ہے اور یہ رباعی کہتے ہیں (قائل حضرت جامی ہیں)

ہم سایہ و ہم نشین و ہم رہ ہمداست در دلق گدا و اطلس شہ ہمداست  
در انجن فرق و نہاں خانہ جمع با اللہ ہمداست

یعنی پڑوسی دہی، ساتھ کا بیٹھنے والا دہی، راہ کا رفیق دہی، گدا کی گڈری میں دہی، بادشاہ کے اطلس میں دہی، انجن فرق میں دہی (مرتبہ تنزلات میں) اور نہاں خانہ جمع میں دہی (مرتبہ غیب الغیب)

لے کسی کلی کا حکم اس کے افراد پر یقینی طور پر نہ کیا جائے بلکہ شک کے طریقہ پر کیا جائے۔ جیسا کہ وجود ہے کہ اس کے افراد میں واجب بھی ہے اور ممکن بھی۔ اور اس کا ثبوت سب کے واسطے بہ طریق شک ہے فرق اتنا ہے کہ واجب کے لئے وجود کا ثبوت اتم و اقویٰ ہے بہ نسبت ممکن کے۔ سید شریف جرجانی نے رسالہ التعریفات میں لکھا ہے ”کالوجود فانه فی الواجب اتم و اثبت و اقویٰ منه فی الممكن“



قسم بہ خدا سب وہی اور پھر قسم بہ خدا سب وہی۔

ان بزرگواروں نے اگرچہ غیر کو وجود میں شریک کرنے سے اپنے کو بچایا ہے اور دوائی سے اجتناب کیا ہے لیکن غیر وجود کو وجود اور نقائص کو کمالات سمجھ بیٹھے ہیں، وہ کہتے ہیں کسی چیز میں اپنی ذات سے بُرائی اور نقصان نہیں ہے، جو کچھ ہے نسبتی اور اضافی ہے انسان کے لئے اگر زہرِ ہلاہل میں بُرائی ہے کہ اس سے حیات ختم ہو جاتی ہے تو اُس حیوان کے لئے جس میں وہ زہر پیدا ہوا ہے آپ حیات اور اکیر ہے۔ ان بزرگواروں کا اس معاملہ میں کشف اور شہود پر مدار ہے۔ جتنا ان پر ظاہر کیا گیا اتنا ہی وہ سمجھے۔ اے اللہ تو ہم پر اشیا کی حقیقتیں پوری طرح ظاہر فرما دے اس معاملہ میں جو کچھ فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے تفصیل کے ساتھ اس کا بیان کرتا ہے۔ پہلے شیخ محی الدین ابن العربی کا مسلک بیان کیا جاتا ہے جو کہ متاخرین صوفیہ کے امام اور مقتدا ہیں اور پھر اس کا بیان کیا جائے گا جو اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے تاکہ دونوں مسلوں کا فرق پوری طرح ظاہر ہو جائے اور مسائل کی باریکیاں ایک کی دوسرے میں نہ ملیں۔

شیخ محی الدین اور ان کے اتباع کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات اس کی عین ذات ہیں اور اسما و صفات آپس میں بھی ایک دوسری کی عین ہیں مثلاً علم اور قدرت جس طرح یہ دونوں صفتیں اللہ کی عین ذات ہیں اسی طرح یہ دونوں صفتیں آپس میں بھی ایک دوسری کی عین ہیں مقام غیب الغیب میں کسی نام اور کسی طریقہ سے تعدد، تکرار، تباہی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے اسما و صفات اور شیون و اعتبارات نے تباہ و تباہی پیدا کیا۔ اگر تباہ و تباہی بہ صورتِ اجمال ہے تو اس کو تعینِ اول (تنزلِ اول) اور اگر بہ صورتِ تفصیل ہے تو اس کو تعینِ دوم (تنزلِ دوم) کہتے ہیں۔ تعینِ اول کا نام وحدت رکھا ہے اور اس کو حقیقتِ محمدی علیٰ صَاحِبِہَا السَّلَامُ وَالسَّلَامُ کہتے ہیں اور تعینِ دوم کا نام وَاَحَدِیَّتِ رکھا ہے جس کو حقائقِ ممکنات سمجھتے ہیں اور حقائقِ ممکنات کو اعیانِ ثابتہ کہتے ہیں پھر ان دونوں علمی تعینات کے لئے مرتبہ و جوب ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اعیانِ ثابتہ کو (جو حقائقِ اشیا ہیں) خارج کی ہوا تک نہیں لگی ہے۔ خارج میں اَحَدِیَّتِ مجرّدہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور جو کچھ خارج میں نظر آ رہا ہے وہ اعیانِ ثابتہ کا عکس ہے اور اس عکس کا ظہور آئینہ ظاہر میں ہوا ہے اور اس عکس نے ایک خیالی وجود حاصل کر لیا ہے جیسا کہ آئینہ میں کسی کا عکس ظاہر ہوتا ہے اور وہ عکس تختی ہوتا ہے آئینہ میں نہ کسی شے کا طول ہوا ہے نہ اُس پر کچھ منقش ہوا ہے۔ اگر نقش ہے تو صرف تختی میں ہے جو آئینہ پر ظاہر ہوا ہے۔

اعیانِ ثابتہ کا جو نقش آئینہ ظاہر میں نظر آ رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری اور صنعت ہے اور اس میں اتقانِ کامل ہے۔ ایسا کامل اتقان کہ وہم اور غفلت کے مٹ جانے پر بھی زائل نہیں ہوتا اور اس پر ابدی عذاب و ثواب کا ترتب ہوتا ہے۔



خارج میں جو کثرت نظر آرہی ہے وہ تین قسم کی ہے۔ پہلی قسم تعین رُوحی، دوسری قسم تعین مثالی، اور تیسری قسم تعین جسدی۔ تعین جسدی کا تعلق عالم شہادۃ سے ہے۔ ان تینوں تعینات کو تعیناتِ خارجیہ کہتے ہیں اور اس کا اثبات مرتبہ امکان میں کرتے ہیں۔

یہ ہے تفصیل پانچ تعینات کی جن کو تنزلاتِ خمسہ اور حضراتِ خمس بھی کہتے ہیں۔

چوں کہ ان افراد کے نزدیک علم میں اور خارج میں صرف اللہ ہی کی ذات اور اس کے اسما و صفات کا وجود ہے اور چوں کہ ان کے نزدیک اسما و صفات، عین ذات واجب ہیں لہذا انھوں نے علمی صورتوں اور شکلوں کو صاحبِ علم کی عین صورت سمجھ لیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی صورت) نہ اس کی پرچائیں یا مثال۔ اور پھر انھوں نے اعیانِ ثابۃ کے نمود اور ظہور کو جو کہ آئینہ ظاہر میں ہوا ہے عین اعیان تصور کر لیا ہے نہ ان کی تصویر یا مثال۔ بنا بریں اتحاد کا حکم کر دیا اور ہمہ اوست کے قائل ہو گئے۔

مسئلہ وحدت وجود میں مختصر طور پر شیخ اکبر کا مسلک بیان کر دیا گیا۔ ان علوم کو اور ان کے اشغالِ علوم کو شیخ اکبر خاتمِ ولایت سے مخصوص سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان علوم کو خاتمِ نبوت، خاتمِ ولایت سے لیتے ہیں اور فصوصِ الحکم کے شارحین اس قول کی توجیہ کے سلسلہ میں تکلفات سے کام لیتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جناب شیخ اکبر سے پہلے حضراتِ مشائخ میں سے کسی ایک نے بھی ان علوم اور ہرار میں اس طریقہ پر زبان نہ کھولی تھی اگرچہ غلباتِ سُکر میں ان کی زبان پر توحید اور اتحاد کے کلمات آجاتے تھے جیسے انا الحق، اور سبحانی لیکن انھوں نے اتحاد کی وجہ ظاہر نہیں کی ہے اور نہ توحید کی نشا پاسکے ہیں۔ لہذا جناب شیخ اس جماعت کے متقدمین کے لئے جبران اور متاخرین کے لئے حجت ہیں (اگرچہ جناب شیخ نے اس سلسلہ میں خوب تحقیق کی ہے) پھر بھی بہت سے دقائق چھپے رہ گئے ہیں اور بہت سے بھید منظر عام پر نہیں آسکے ہیں اور فقیر پران کا اظہار ہوا ہے اور ان کے بیان کرنے کی بشارت اس کو ملی ہے۔ اور اللہ ثابت کرتا ہے سچ کو اور وہی سمجھاتا ہے راہ۔

مخدوم اہل حق کے نزدیک اللہ کی آٹھ صفات خارج میں موجود ہیں لہذا یہ صفات خارج میں حضرت ذات سے بہ تمیز بے مثل و بے کیف متمیز ہیں بلکہ بے مثل اور بے کیف طریقہ پر یہ صفات بھی آپس میں ایک دوسری سے متمیز ہیں اور یہ تمیز بے مثل و بے کیف حضرت ذات میں بھی ہے وہ جل و علا نہایت ہی بے مثل و بے کیف ہے جو متمیز ہمارے عقل و فکر میں سمائے وہ اس سے مسلوب اور منفی ہے کیونکہ اس جنابِ قدس میں نہ بعض ہے نہ تجزئی، نہ تحلیل نہ ترکیب، اور نہ حالت اور نہ محلیت۔ جو اعراض و صفات ممکن میں پائے جاتے ہیں وہ اس کی جنابِ قدس سے مسلوب ہیں نہیں ہے اس صبی کوئی شے نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں۔ اور باوجود اس بے مثلی اور بے کیفی کے خانہ علم واجبی میں

لے حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور مکوش۔ اشاعرہ کے نزدیک صفت کون نہیں ہے۔ باقی سات صفات موجود ہیں۔



اس کے اسما و صفات میں تفصیل و تمایز ہوئی ہے اور ان کا عکس ظاہر ہوا ہے۔

مرتبہ عدم میں ہر اسم و صفت متمیزہ کا نقیض و مقابل ہے۔ مثلاً صفت علم کا نقیض عدم علم ہے جس کو جہل کہتے ہیں اور صفت قدرت کا نقیض عدم قدرت ہے جس کو عجز کہتے ہیں۔ یہی کیفیت تمام اسما و صفات کی ہے کہ ہر ایک کا نقیض مرتبہ عدم میں موجود ہے۔ ان عداات متقابلہ نے بھی علم و اجبی علم الہی میں تفصیل و تمیز پیدا کیا ہے اور وہ اپنے متقابل اسما و صفات کے لئے آئینے بنے ہیں اور اسما و صفات کا ان پر عکس پڑا ہے۔ فقیر کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ عدمی آئینے مع ان عکس کے ہیں جو اسما و صفات کے ان پر پڑے ہیں۔ عداات بہ منزلة اصل و مواد ہیں اور عکس بہ منزلة صور جائز۔

جناب شیخ کے نزدیک علم الہی میں جو تفصیل اور تمیز اسما و صفات نے پیدا کی ہے وہی حقائق ممکنات میں۔ فقیر کے نزدیک وہ عداات جو اسما و صفات کی نقائص ہیں مع ان عکس کے جو اسما و صفات کی ان پر پڑی ہیں حقائق ممکنات ہیں۔ قادر مختار جب چاہتا ہے کہ موجود خارجی کا ظہور ہو تو وہ اس عدمی ماہیت سے جو اسما و صفات کے ظل سے ممتاز ہے اس کا مبداء بناتا ہے۔ جو ظل اسما و صفات کا اس میں ہے وہ حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کا پر تو ہے لہذا ممکن کا وجود، کیا خائے علم میں اور کیا خارج میں حضرت وجود کا پر تو ہوا۔ ممکن کے صفات اللہ کے کمالات کے پر تو ہیں۔ مثلاً ممکن کا علم پر تو ہے اللہ کے علم کا جو عدمی آئینہ میں ظاہر ہوا ہے۔ اسی طرح ممکن کے تمام صفات اور اس کا وجود، صفات الہیہ اور حضرت واجب الوجود کا پر تو ہیں جو عدمی آئینوں پر ظاہر ہوئے ہیں۔

نیا و ردم از خانه چیزے نخست تودادی ہمہ چیز و من چیزت

(ترجمہ) میں اپنے گھر سے لے کر کچھ نہیں آیا ہوں تو نے ہی سب کچھ دیا ہے اور میری ذات بھی تیری ہی چیز ہے فقیر کے نزدیک کسی چیز کا سایہ اس کا عین نہیں ہے بلکہ اس کا شیخ اور مثال ہے لہذا ایک کا دوسرے پر حمل متنع ہے۔ بنا بریں فقیر کے نزدیک ممکن عین واجب نہیں ہے اور ممکن و واجب میں ایک کا حمل دوسرے پر ثابت نہیں کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے اور اسما و صفات کا عکس اس میں ظاہر ہوا ہے اس لئے وہ اسما و صفات کی مثال و شیخ ہے نہ عین اسما و صفات۔ لہذا "سب وہی کہنا ٹھیک نہیں ہے بلکہ "سب اُسی کا" کہنا چاہیے۔ عدم، ممکن کا ذاتی ہے اور وہ شرارت و نقص و خرابی کا مصدر و منشا ہے اور جو کمالات اس میں ہیں جیسا کہ وجود اور اس کے توابع وہ سب حضرت واجب جل سلطانہ سے مستفاد ہیں۔ وہی جل شانہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے سوا سب ظلمت۔ عالم میں جو خُبث و خرابی ہے اس کی ذاتی ہے اور جو خیر و کمال ہے اسما و صفات کے ظلال کا اثر ہے اور وہ سب ارج اللہ ہی کی طرف ہے۔ آیت مبارکہ "مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ" سے اس بیان کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی "جو تجھ کو بھلائی پہنچے سو اللہ کی طرف سے اور



جو تجھ کو بُرائی پہنچے سو تیرے نفس کی طرف سے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمَلِیْہِم۔ الہام کر نیوالا اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے۔  
حضرت مجدد کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ ہی نور ہے ہر خیر و کمال کا مصدر وہی ہے اور وہی واجب الوجود ہے۔ اس کے سوا عدم ہے اور وہ ظلمت ہی ظلمت اور ہر شر و فساد کی جگہ ہے۔ کائنات میں سے ہر کائن کی اصل عدمی جزو ہے۔ اللہ کی صفات نے ان اجزائے عدمیہ پر عکس ڈالا۔ حضرت وجود کے عکس سے عدم کو وجود ملا۔ اور اس کے اسما و صفات کے پر تو سے اجزائے عدمیہ میں کمالات کا ظہور ہوا۔ جتنے مبارک اسما و صفات کا پر تو پڑا ہے اسی قدر اوصاف سے وہ عدمی جزو محلی ہوا ہے۔ اور جن اسما و صفات کی تجلیات سے وہ عدمی جزو محروم رہا ہے وہ ان سے بے بہرہ ہے۔ حضرت مجدد نے آیت مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ الْآیۃ سے اپنے مسلک کی تائید کی ہے۔

حضرت مجدد نے جو کچھ ارشاد کیا ہے از روئے کشف والہام کیا ہے۔ مجھ کو جامع امام ترمذی میں ایک مبارک حدیث ملی ہے اور اس سے حضرت مجدد کے مسلک کی پوری تائید ہوتی ہے۔ میں وہ حدیث شریف اور اس کا ترجمہ لکھتا ہوں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو یَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى خَلَقَ خَلْقَهُ فِي ظُلْمَةٍ فَالْقَى عَلَيْهِمْ مِنْ نُورِهِ فَمِنْ أَصَابَهُ ذَلِكَ النُّورُ اهْتَدَى وَمَنْ أَخْطَأَهُ ضَلَّ فَلِذَاكَ أَقُولُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلَى عِلْمِ اللَّهِ۔ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ۔

”حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ظلمت میں اپنی مخلوق کی خلقت کی۔ پھر ان پر اپنا نور ڈالا جس پر وہ نور پڑا اس نے ہدایت پائی۔ اور جس پر وہ نور نہیں پڑا وہ گمراہ ہوا۔ بنا بریں میں کہتا ہوں قلم خشک ہو چکا ہے (یعنی مقدرات لکھے جا چکے ہیں لا تبدیل لکلمات اللہ۔ اب کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے) یہ حدیث حسن ہے۔“

دونوں نظریات میں فرق | شاہ محمد اسماعیل نے لکھا ہے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے بیان سے یہ بات ظاہر ہے کہ ان مابہ التَّعَیِّنِ لِلْحَقَائِقِ الْأَمْکَانِیَّةِ

هُوَ الْعَدَمُ فَيَنْقَلِعُ أَسَاسُ الْقَوْلِ بِالِاتِّحَادِ رَاسًا فَلَيْسَ مَعْقُولُ امْتِنَانًا لِنَا الْفَاقِدِينَ لِلْكَشْفِ وَالشَّهُودِ إِلَى دَرَكِهِ سَبِيلٌ كَيْفَ وَلَا يُمْكِنُ مَتَانٌ نَتَّصِرُ أَنَّ يَكُونُ الشَّيْءُ الْمَعْدُومُ فَضْلًا عَنِ الْعَدَمِ قِيَوْمًا لِّشَيْءٍ مَوْجُودٍ أَصْلِيًّا كَانَ أَوْ ظَلِيًّا۔ الخ۔

(ترجمہ) ”حقائق امکانیہ کا تعین عدم ہے، آپ کے اس قول سے اتحاد کی اساس جڑ سے نکل جاتی ہے

۱۔ مکتوب اول دفتر دوم۔ ۲۔ جامع ترمذی میں باب انراق حذو الامم کے اخیر میں اور ابواب العلم سے پہلے باب میں یہ حدیث شریف ۳۔ عبقات کے مقدمہ کے اکیسویں عبق میں۔



لیکن ہم جیسے ناقدین کشف و شہود کی سمجھ سے یہ بات بالا و برتر ہے اور اس کی تہ تک پہنچنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں اور ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ایک شے جو نہ صرف عدم بلکہ معدوم ہو، کس طرح اُس شے کا قیوم ہو سکتا ہے (یعنی قائم رکھنے والا) جو موجود ہو چاہے اس کا موجود ہونا بالاصالت ہو چاہے بالظلیت۔ میرے نزدیک جناب مولانا کا ایراد اس صورت سے تعلق رکھتا ہے کہ حضرت مجددؒ صرف اجزائے عدیۃ کو حقائق ممکنات قرار دیتے۔ لیکن حضرت مجددؒ اُن اجزاء کے ساتھ اللہ کے اسما و صفات کے ظلال کو لازمی قرار دے رہے ہیں چنانچہ مکتوب اول الذکر میں تحریر فرمایا ہے: "اُن عَدَمَاتِ بَا آنْ عُلُوسْ بہ وجودِ ظلی موجود شدہ" کہ اجزائے عدیۃ مع اُن عُلُوسْ کے جو اُن میں ہیں بہ وجودِ ظلی موجود ہوئے ہیں۔ ان اجزائے عدیۃ کو قائم رکھنے والا مولوی جل شانہ کے اسما و صفات کا ظل ہے۔ اَلْبَاقِی کے ظل نے اس کو بقا دی، اَلْوَارِث کے ظل نے اس کو واد صاف عالیہ کا وارث کیا، اَلْقَیُّوْم کے ظل نے اس کو قیام عالم کا سبب بنایا اور اس عظیم بوجھ کے اٹھانے کی صلاحیت دی اور اس طرح "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" کا ظہور ہوا۔ بلا شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت مجددؒ نے مولانا حسن دہلوی کو ایک طویل مکتوب لکھا ہے اس کے اواسط میں تحریر فرماتے ہیں: فقیر کے نزدیک نہ کوئی تعین ہے اور نہ کوئی متعین۔ وہ کونسا تعین ہو سکتا ہے جو لا تعین کو متعین کر سکے۔ یہ الفاظ حضرت شیخ اکبر محی الدین اور ان کے تابعان کے موافق مذاق ہیں قَدَّسَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَسْرَارَہُ۔ اگر فقیر کی عبارت میں اس قسم کے الفاظ کا استعمال ہوا ہے تو صُنْعَتِ مُشَاکَلَہ کے طریقہ پر ہوا ہے (یعنی کسی لفظ کا استعمال کسی دوسرے کی مناسبت سے) اور پھر میں کہتا ہوں کہ وہ تعین مجتبیٰ جو کہ تعین اول اور حقیقت محمدی ہے، تعین اِمْرَکَانِی اور مخلوق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَدْلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُورِی۔ اللہ تعالیٰ نے اولاً میرا نور پیدا کیا۔ دوسری احادیث مبارکہ میں اس نور کی پیدائش کے وقت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ آسمانوں کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں دوسری روایتیں بھی موجود ہیں۔ جس چیز کا وجود نہ ہو اور پھر اس کی تخلیق ہوئی ہو وہ حادث اور ممکن ہوئی۔ جب کہ حقیقتہ الحائق جو کہ تمام حقائق سے پہلے ہے مخلوق اور ممکن ہے تو پھر دیگر حقائق بہ طریق اولیٰ مخلوق ہوئیں اور وہ سب ممکن و حادث قرار پائی ہیں۔

تعجب ہے کہ جناب شیخ قدس سرہ حقیقت محمدی کو اور تمام ممکنات کی حقائق کو جن کو وہ اَعْيَانِ ثَابِتَہ کہتے ہیں قدیم سمجھتے ہیں اور ان کو واجب قرار دیتے ہیں۔ وہ کس بنا پر وجوب کا حکم تجویز کر کے ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والنجیۃ کے خلاف جاتے ہیں۔ ممکن تو اپنے اجزاء سے اپنی صورت سے اپنی حقیقت سے ممکن ہے۔ اس کی حقیقت کے واسطے تعین و وجوبی کس بنا پر ممکن، ممکن ہی رہیگا اس کا واجب سے کوئی اشتراک نہیں۔ صرف یہ نسبت ہے کہ وہ مخلوق ہے اور واجب تعالیٰ و تقدس اس



کا خالق۔

جب کہ جناب شیخ واجب و ممکن میں تمیز نہیں کر سکے ہیں جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ لَعَدَامُ التَّمْيِيزِ بَيْنَهُمَا (دو نوں میں تمیز نہ ہونے کی وجہ سے) تو وہ اگر واجب کو ممکن اور ممکن کو واجب کہہ دیں تو کوئی بات نہیں۔ وہ معذور ہیں۔ رَبَّنَا لَا تَوَخُّوا اخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔ ۱۷

اور آپ نے اس مکتوب شریف میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے :-

ایسے علوم جن میں واجب تعالیٰ شانہ اور ممکن کے مابین ایسی نسبت کا بیان کیا جائے جس کا ذکر شریعت میں نہیں آیا ہے وہ سب معارفِ سُکْرِیَہ ہیں اور معاملہ کی تہ تک نہ پہنچنے کا سبب باعث ہیں۔ بھلا ممکن کیا شے ہے جو واجب تعالیٰ کا ظل یعنی سایہ بنے۔ واجب تعالیٰ کا ظل ہو ہی کب سکتا ہے کیونکہ ظل سے مثل کے ظاہر ہونے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور اس سے کمالِ لطافت نہ ہونے کا پتہ چلتا ہے، جب کہ کمالِ لطافت کی وجہ سے اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل نہ تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کا ظل کیسے ہو سکتا ہے۔

آپ نے اپنے خلیفہ اجل میر محمد نعمان بدخشی کو تین اوراق کا پُر از حقائق مکتوب شریف ارسال فرمایا ہے۔ اس میں آپ نے لکھا ہے۔

”جان لینا چاہیے کہ کسی شخص کی حقیقت سے مراد اُس کا وہ تعین و جوبی ہے کہ جس کا ظل اس شخص کا تعین امکانی ہوا ہے۔ اور تعین و جوبی سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسمائے مکرّمہ میں سے کوئی اسم مکرّم ہے جو کہ اس شخص کا رب ہے اور اس کی پرورش کرتا ہے۔ اس کے وجود اور توابع وجود کا مبداء فیوض بنا ہے۔ جیسے علیم، قدیر، مُرید، مُتکَلِّم و امثالہا۔ اسم مکرّم کو اللہ کی ذاتِ مقدّسہ سے چند مراتب ہیں، ایک مرتبہ صفت کا ہے اس مرتبہ میں اس کا وجود ذاتِ مقدّس کے وجود سے زائد ہے اور اس وجود زائد پر اسم مکرّم کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور ایک مرتبہ شان کا ہے۔ اس مرتبہ میں اس کی بیشی ذاتِ مقدّسہ پر صرف اعتباری ہے اور اس مرتبہ میں بھی اسم اس پر صادق آتا ہے۔ صفت اور شان کا فرق اس مکتوب میں بیان کر دیا گیا ہے جو سلوک اور جذبہ کے بیان میں لکھا گیا ہے“۔ ۱۸

آپ نے یہ مکتوب اپنے بھائی غلام محمد کو لکھا ہے جو دفتر اول کا مکتوب دو سو ستاسی ہے۔ مکتوب کیا ہے دس اوراق کا گنجینہ معارف ہے۔ آپ نے صفت و شان کا دقیق فرق جو بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیض دو نوع کا ہے۔ ایک وہ ہے جس کا تعلق اِیْجَاد، اِبْقَاء، تَخْلِیق، تَرْزِیْق، اِجَاء، اِمَاتت اور ان جیسی دوسری صفات سے ہے اور یہ فیض بہ توسطِ صفات ہی پہنچتا ہے۔ اور دوسری وہ ہے جس کا تعلق ایمان و معرفت اور ولایت و نبوت کے کمالاتِ مراتب سے ہے۔ اس دوسری نوع



کے فیوضات میں سے بعض کا تعلق صفات سے ہے اور بعض کاشیونات سے جو صرف اعتبارات ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ شیون کا مقام صاحب شان کا مواجہہ ہے اور صفت میں یہ کیفیت نہیں۔ صفات اور شیون میں فرق نہایت دقیق ہے۔

**ازالہ فرق کی کوشش** بعض حضرات نے سعی کی ہے کہ مسئلہ توحید میں شیخ اکبر اور حضرت مجدد کے اختلاف کو لفظی اختلاف قرار دیں۔ میرے نزدیک ان حضرات کے

مسائل کی تردید حضرت مجدد کے کلام سے صراحۃً ہوتی ہے۔ مختصر طور پر میں اس کا بیان کرتا ہوں تاکہ حقیقت واضح تر ہو جائے۔ شیخ اکبر کے نزدیک تمام کائنات کی اصلی اور حقیقت علم الہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ انسان جن فرشتے، حیوان، زمین، آسمان، کواکب، لوح، قلم، کرسی، عرش، جنت، دوزخ، غرض ہر شے کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں سب کچھ موجود ہے اور جس شے کے متعلق جو کچھ علم الہی میں ہے وہی اس شے کی حقیقت اور اس کی اصل ہے۔ جب تک علم الہی کا ظہور نہیں ہوا ساری حقیقتیں عالم غیب میں مستور ہیں اور جب علم الہی کا ظہور ہوا حقیقتیں بھی ظاہر ہو گئیں۔ شیخ اکبر ان ظاہر شدہ حقیقتوں کو اُعیان ثابتہ کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جب اُعیان ثابتہ کے ظہور کا وقت آیا تو ان کا عکس ظاہر ہوا اور وہی عکس ان کا وجود ہے چونکہ یہ عکس بھی اللہ کی صنعت اور کاریگری ہے اس لئے اس کے واسطے پابندی ثابت ہے۔ ایسی پابندی کہ اس پر عذاب و ثواب کا ترتب ہوتا ہے۔ عکس اپنی ذات سے وہی و خیالی ہوتا ہے لیکن صنعت الہی نے اس کو پابندی اور خیالی وجود بخشا ہے۔

شیخ اکبر کے نزدیک کائنات کی حقائق اللہ کا علم ہے اور ان کا وجود اللہ کے علم کا عکس ہے، سب کچھ علم الہی اور اس کا عکس ہے، خارجی شے کچھ بھی نہیں ہے اور حضرت مجدد کے نزدیک کائنات کی حقائق اجزائے عذمیہ ہیں جو فانیہ ہیں۔ اُن پر اوصاف الہیہ کا پرتو اور ظل پڑا۔ آپ کے نزدیک ظل عین اصل نہیں ہے۔ لہذا اوراق ثابت ہوا۔ اور مولانا اسماعیل نے ٹھیک لکھا ہے۔ فَيَنْقُلُ اَسَاسَ الْقَوْلِ بِالْاِتِّحَادِ رَاسًا۔ یعنی حضرت مجدد کے قول سے اتحاد کی جڑ اور اس اس سرے سے نکل جاتی ہے اور وحدت وجود کا نظریہ قائم نہیں رہتا۔

حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ سالک جب فنایت کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو بہ جز محبوب کے کچھ نہیں نظر آتا حتیٰ کہ وہ اپنا وجود بھی نہیں دیکھتا۔ لہذا اس کی زبان سے اتحاد کا قول نکلتا ہے۔ کوئی انا الحق، کوئی سبحانی کہتا ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں اگر اسی مقام اور کیفیت کی حالت میں سالک کی عالم میں مراجعت ہوتی ہے تو عالم کے ہر ذرہ میں اس کو جمال محبوب نظر آتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

دیدہ بکشا و جمال یار ہیں ہر طرف ہر جا رُخ و لہار ہیں

آپ فرماتے ہیں یہ مقام ولایت ہے اور اس سے بالاتر مقام ارشاد ہے جس کا تعلق مقام نبوت سے ہے۔ ابھی سالک کو اس شاہراہ پر پہنچنا ہے۔ وہاں اس کی زبان پر آتا ہے۔ سُبْحَانَكَ ثُبُثْ اِلَيْكَ وَ



أَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ۔ میں نے توبہ کی تیرے پاس اور میں سب سے پہلے یقین لایا۔  
یہ مقام عبدیت ہے اور بالاصالة اس کا تعلق سرورِ کل کائنات سیدنا محمد علیہ افضل  
الصلوات وَاكْمَلُ النَّبِيَّاتِ سے ہے۔

حضرت مجددؑ کے والد بزرگوار حضرت مخدوم نے اپنے رسالہ "اسرارِ شہد" میں النَّبِيَّاتِ لِلّٰہ کے متعلق  
نہایت لطیف کلام بیان فرمایا ہے اور خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات میں آپ کے بیان میں کچھ فوائد اس مبارک  
رسالہ سے اخذ کر کے لکھے ہیں۔ میں ان فوائد کا کچھ خلاصہ لکھتا ہوں۔ تحریر کیا ہے۔

معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمہ کی ابتدا النَّبِيَّاتِ لِلّٰہ وَالصَّلٰوۃ وَالطَّيِّبَاتِ سے  
ہوئی ہے۔ آپ عرض کرتے ہیں کہ تمام انواع کی صفات کمال اللہ ہی کے لئے ہیں۔ چاہے بندہ اس کا اظہار  
زبان سے ثنا و صفت کر کے کرے یا بدن سے عبادت میں مشغول ہو کر کرے، یا لطائف باطنیہ قلب و  
روح وغیرہ سے مولیٰ جل شانہ کی یاد کرے اور مخلوق بہ اخلاق الہیہ ہو۔ ان تینوں اعتبارات کو قولی اور فعلی  
اور حالی کہتے ہیں۔

مومن کی معراج نماز ہے اور نماز کا آخر قعدہ پر ہے۔ اور قعدہ میں اس مبارک مکالمہ کو رکھا گیا ہے  
جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں مکالمہ کی ابتدا کی ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ  
ہے کہ مومن کی معراج کی نہایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی بداءت ہے اور اس کا سرِ زریقہ  
آنحضرت۔ اور اس بات کا اشارہ ہے کہ مومن کی معراج کی انتہا وصول بہ حضرت رسول اور رسول اللہ کی  
معراج کی انتہا بارگاہ رب العلاء ہے۔ لہذا نمازی کو بعد از شہد درود پڑھنا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں حضرت فرید الدین عطار نے کیا خوب کہا ہے رحمہ اللہ۔

درود از حضرتش بر جانِ آں کس	کہ نامد مثلِ او اندر جہاں کس
زمین و آسمان و عرش و کرسی	بہشت و دوزخ و جنتی و انسی
ز بہر اوست بشنوازد دلِ پاک	بدیں روشن و لیلے ہست کو لاک
مُرَقَّہ انبیا در زیرِ جاثمش	مُشْرِفِ ادبیا از خاکِ رایش
دریں عالم ہر آن کو برتری یافت	ز خاکِ درگہ او سروری یافت
علمہا را بہ حضرت رابطہ اوست	اگر مقبول گردد واسطہ اوست
محمد در شریعت نامِ اوداں	ولیکن در حقیقت احمدش خواں
بیفکن میم احمد از طریقت	کہ تا نامش بدانی در حقیقت
خدا را در اگوہیتِ احد خواں	نبی را در عبودیتِ یکے داں
چو حق اندر خدائی فرد و داناست	نبی در بندگی بے مثل و ہمتاست



یقین دہاں تاکہ شناسی خدا را نہ دانی قدر و جاہ مصطفیٰ را  
تو اور اگر بدانتی تمام است ترا کار و دو عالم با نظام است  
جس مقام کو شیخ اکبر حقیقت محمدی کہتے ہیں اور اس کے واسطے درجہ وجوب کا اثبات کرتے ہیں۔  
حضرت مجددؒ کے نزدیک وہی مقام عبدیت ہے، ممکن ہے اور وہ اپنے اجزائے اپنی حقیقت سے اپنی  
ضرورت سے ممکن ہے اس کو واجب تعالیٰ و تقدس سے کوئی اشتراک نہیں اس کو نسبت عبدیت ہے  
وہ عبد ہے اور واجب تعالیٰ معبود جس کی تخلیق ہو اس کیلئے درجہ وجوب کیسا ارشاد نبوی ہے۔ اَللّٰهُمَّ  
اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنیْ وَاَنَا عَبْدُکَ۔ اے اللہ تو میرا پالنے والا ہے تو نے مجھ کو پیدا کیا ہے  
اور میں تیرا بندہ ہوں۔

## آپ کے زمانے کی مذہبی حالت

ہندوستان کی تاریخ میں اکبر بادشاہ کا زمانہ (۹۶۳ھ سے ۱۰۱۴ھ تک) اسلام کیلئے نہایت نازک  
اور پرخطر زمانہ تھا۔ ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی کتاب منتخب التواریخ میں چشم دید واقعات لکھے ہیں جن سے اسلام  
کی زبوں حالی کا پوری طرح پتہ چلتا ہے۔ مولانا سید مناظر حسن گیلانی نے اپنے قیمتی مقالہ میں ملا عبد القادر کی تاریخ  
سے کچھ واقعات اور حالات لکھے ہیں۔ یہ گیلانی صاحب نے ملا صاحب کے حلف نامہ کو اُن کی کتاب کے صفحہ  
۲۶۴ سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے ”حلف کے بعد ہمارے لئے عدم اعتماد کی پھر مشکل ہی سے گنجائش پیدا  
ہو سکتی ہے“ مولانا مرحوم نے شرع منظرہ کی رو سے عدم اعتماد کو مشکل قرار دیا ہے اور ان کی بات یقیناً  
درست ہے لیکن کیا کیا جائے کہ اس دور کے محققین کی نظریں مراتب چہارگانہ وضع کرنے والے ابوالفضل  
کی جو وقعت ہے وہ ملا صاحب کی کہاں ہو سکتی ہے تاہم یہ محققین تسلیم کرتے ہیں کہ ملا مبارک نے ایک  
محضر نامہ لکھا جس میں اکبر کو اختیار دیا گیا کہ وہ اجتہاد کر کے حکم نافذ کرے اور یہ کہ اکبر آفتاب کی تعظیم کرتا تھا  
اور اس کی عبادت کے خاص اوقات تھے۔ طلوع آفتاب، نصف النہار، غروب آفتاب اور نیم شبی نیم شبی  
کی وجہ ابوالفضل نے یہ لکھی ہے۔

”آں روشنی افزائے انجمن ہستی رُوبہ فراز نہد و غمز دگان تیرہ شب را نوید خوشدلی رساند“  
انجمن ہستی کو روشنی دینے والے کا رخ بلندی کی طرف ہو چلا اور اندھیری رات کے غمزوں کو خوش دلی



کی نوید پہنچی۔ اور اس شیعہ فعل کے امتحان کے لئے سورۃ الشمس سے استدلال کیا گیا ہے۔ اِنِ اللّٰهِ الْمُنْزَعُ وِ  
الْبَدَنِ الْمُشْتَكٰی۔

اکبر کی غلط روی دائرہ کفر تک پہنچ گئی تھی یا نہیں، اس بحث کا تعلق زیر نظر کتاب سے نہیں ہے اس  
سلسلہ میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ ایک ناواقف اور ناخواندہ شخص کے ہاتھ میں دین کے مسائل کی زمام دیدینا  
یقیناً تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

مولانا آزاد نے اس سلسلہ میں لکھا ہے:-

**مولانا ابوالکلام آزاد کی تخریر** "اکبر نے تمام عالمین مذہب کا یہ حال دیکھا تو سرے سے مذہب  
ہی کو خیر باد کہہ دینا چاہا۔ خود ابوالفضل فیضی کو بھی انہی لوگوں نے اپنی ہوا پرستیوں اور ظلم و عدوان کے نمونے  
دکھلا کر اس طریقہ میں آنے کی دعوت دی تھی، جس کی بے اعتدالیاں دیکھ دیکھ کر وہ خود بھی متأسف ہوتے  
ہوں گے کہ مقصود کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا۔ انھوں نے علماء سور کے غرور و پندار کا بت توڑنے کے لئے  
ایک دوسرا بت تیار کیا جس کا نام اکبر تھا لیکن آگے چل کر خود اسی بت کی پرستش شروع ہو گئی۔ لہ  
اکبر کی غلط روی کا کیا اثر ہوا تھا اور اس وقت کی مذہبی حالت کیا تھی اس کے متعلق حضرت خواجہ  
عبید اللہ معروف بہ خواجہ کلاں، (فرزند حضرت خواجہ باقی باللہ) شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت مجددؒ  
کی بعض تحریرات نقل کرتا ہوں۔

**خواجہ کلاں کی تخریر** خواجہ کلاں اور خواجہ خور کی عمریں تقریباً دو سال کی تھیں کہ حضرت خواجہ  
قدس سرہ کی وفات ہوئی۔ ان دونوں گرامی قدر صاحبزادوں کی خدمت اور  
تربیت خواجہ حسام الدین احمد نے کی ہے۔ حضرت مجددؒ نے جو مکتوب اپنے مرشدزادوں کو ارسال کیا ہے  
اور میں اس کو نقل کر چکا ہوں اس میں اظہار حقیقت کرتے ہوئے لکھا ہے: "معارف آگاہ خواجہ حسام الدین  
احمد کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے خیر دے کہ انھوں نے ہم کو تباہی کرنے والوں کا بوجھ اٹھایا ہے اور عتبہ  
عالیہ کی خدمت کے واسطے کمر ہمت باندھ رکھی ہے۔ لہ

خواجہ حسام الدین احمد کی اہلیہ ملامبارک کی دوسری بیٹی تھیں۔ لہذا خواجہ کلاں کا بیان ملامبارک  
اور ابوالفضل کے متعلق مستند اور وقع ہے۔ خواجہ کلاں نے ملاحدہ کے بیان میں محمود بسخوان، امیر شریف علی  
اور ابوالفضل کا حال تفصیل سے لکھا ہے میں آپ کے کلام کا ترجمہ اختصار کے ساتھ لکھتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:-  
امیر شریف آملی "بسخوانی مذہب" کے رئیسوں میں سے تھا۔ اکبر کے زمانہ میں وہ ہندوستان آیا اور ابوالفضل  
کا دست دبا زوبن کیا۔ فطری شقاوت کی بنا پر آملی کو کسی مذہب میں سکون نہ ملتا تھا۔ اور آخر کار وہ الحاد کے دائرہ  
میں داخل اور بسخوانی کے مسلک کا گردیدہ ہوا۔ اتفاق سے وہ اکبر کے پاس پہنچ گیا اور اس نے اکبر کو اپنی باتوں



سے خوش کر کے منصب ہزاری حاصل کیا وہ درگاہ کا خلیفہ بن کر یعنی اکبری مذہب کا مبلغ بن کر بنگال گیا اور وہاں مراتب چہارگانہ کی ترویج میں مصروف ہوا۔ یہ مراتب چہارگانہ ابوالفضل کے اجتہاد کا ثمرہ ہے۔

ابوالفضل شیخ مبارک ناگوری کا بیٹا ہے اس نے علوم و فنون اپنے والد سے پڑھے اور قلبی پراگندگی اور حیرت زدگی وراثتاً اپنے باپ سے پائی۔ سنِ حداثت سے ہی اس کا دل کسی مذہب پر نہیں جمتا تھا وہ چاہتا تھا کہ ہندوستان سے باہر جا کر مجوس، نخبیہ، ثعلبیہ، یہود، نصاریٰ وغیرہ کے مذاہب کا مطالعہ کرے لیکن اپنے والد کی وجہ سے نہ جاسکا جب اس کی رسائی اکبر تک ہوئی تو اس نے اکبر کو بھی اپنی طرح حیرت و تردد و اشتباہ میں گھرا پایا۔ لہذا وہ اکبر کی مصاحبت کو غیبی امداد سمجھ کر اپنے ارادے کی تکمیل میں مشغول ہو گیا۔ اس نے شاہی فرامین کے ذریعہ دوسرے ملکوں سے متفرق مذاہب کی کتابیں منگوائیں اور ان کے مطالعہ میں مصروف ہوا اور جوگیوں، پنڈتوں وغیرہ کو بلا کر ان سے معلومات حاصل کیں۔ آخر میں شریف آلی اس کو ملا اور اس کی ملاقات سے ”چشمِ دے روشن ترکشت“ اس کے آنکھ کی بینائی بڑھی۔ اور الحاد و اباحت کی وادی میں داخل ہو گیا۔

**مولانا ذکار اللہ کی تحریر** | مولانا نے اپنی کتاب تاریخ ہندوستان میں ابوالفضل کی کتاب آئین اکبری اور اکبر نامہ سے اکبر کے مذہبی خیالات اور مراتب چہارگانہ کے متعلق لکھا ہے۔

”بادشاہ کے نزدیک دورانیِ عامتہ کی کچھ قدر نہیں۔ وہ ہر مذہب میں جو پسندیدہ بات ہے اس کی تحسین کرتا ہے اور بار بار اس نے فرمایا ہے کہ آدمی وہ ہے کہ انصاف کو اپنی راہ کا پیش رو بنائے اور ہر گروہ کی جو بات پسندیدہ خرد ہو اس کو اختیار کرے شاید اس سے وہ قفل جس کی کنجی گم ہو گئی ہے کھل جائے۔ اس تقریب میں ہندی نژادوں کی حقیقت گزینی کی ستائش اس نے اس فصاحت سے بیان کی کہ وہ وفاداری کے لئے ان چار چیزوں مال و جان و ناموس و دین، کو دے دیتے ہیں اور ان چار چیزوں کے سوا دنیا میں کچھ اور نہیں ہے۔“

ابوالفضل کے اس بیان سے جو مولانا ذکار اللہ نے نقل کیا ہے حضرت خواجہ کلاں کے کلام کی پوری تائید ہو رہی ہے۔ آپ نے لکھا ہے ”اکبر کو بھی اپنی طرح حیرت و تردد و اشتباہ میں گھرا پایا“ اور مولانا نے یہ عبارت نقل کی ہے ”شاید اس سے وہ قفل جس کی کنجی گم ہو گئی ہے کھل جائے“ اپنے دین و مذہب میں جب کسی کو اس درجہ حیرت و تردد و اشتباہ پیدا ہو جائے تو وہ دین و مذہب ہی کیارہا۔ اور پھر مراتب چہارگانہ کی جو تفسیر مال، جان، ناموس، دین سے کی گئی ہے۔ جب یہ چاروں چیزیں بادشاہ کو سوپ دی جائیں تو پھر باقی کیا رہا۔



جناب شیخ نے فیضی کے متعلق لکھا ہے :-

## جناب شیخ عبدالحق کی تحریر

یکتائے روزگار تھا لیکن دائے بدبختی کہ اس نے اپنے کو کفر و ضلالت کے گڑھے میں ڈال کر اپنی پیشانی پر رسوائی کا ایسا داغ لگایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کے لئے اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا نام لینا بھی درست نہیں۔ لہ

جناب شیخ کی اس مختصر عبارت سے چند اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ آپ نے فیضی کا ذکر لفظ "بود" سے کیا ہے جس کا ترجمہ اردو میں "تھا" ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ عبارت فیضی کے مرنے کے بعد لکھی ہے۔

۲۔ آپ نے فیضی کو فصاحت و بلاغت زبان دانی اور انشا پر دازی میں یکتائے روزگار مانا ہے۔ اس سے آپ نے فیضی کی تفسیر غیر منقوطہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہ عربی میں ہے اور اس کا نام سواطع الالہام ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ حروف غیر منقوطہ سے قرآن مجید کی تفسیر لکھنی از عجائبات روزگار ہے۔ باوجود التزام حروف معجم یعنی غیر منقوطہ سلاست روانی فصاحت و بلاغت میں بلند مرتبہ ہے۔ فیضی نے سلسلہ میں یہ تفسیر لکھی ہے۔ ۱۲۶۳ھ میں شیخ محمود افندی مفتی دمشق نے اسی صنعت میں تفسیر "دراسا" لکھی ہے عین ممکن ہے کہ شیخ محمود نے فیضی کی تفسیر دیکھی ہو اور اس سے استفادہ بھی کیا ہو۔ پھر بھی فیضی کی تفسیر کی حاجت کچھ اور ہے فیضی نے دیباچہ کے بعد ایک سو تیس سواطع لکھے ہیں اور یہ سب سواطع بمنزلہ مقدمہ کے ہیں اور آخر میں ننانوے تاریخیں لکھی ہیں۔ پھر عربی کے تیس شعر کہے ہیں اور یہ سب حروف غیر منقوطہ میں ہیں۔ شیخ محمد اکرام نے جناب شیخ کے رویہ کے متعلق لکھا ہے :-

"شیخ عبدالحق نے فیضی کو فتح پور سیکری کی ان محفلوں میں دیکھا تھا جہاں اس کی بے راہ روی اور رعونت عروج پر تھی۔ اس زمانے میں ان کی اور فیضی کی گاڑھی چلتی تھی۔ لیکن شیخ نے ان محفلوں میں جو کچھ دیکھا اس نے ان کا دل اس قدر کھٹا کر دیا کہ اب وہ سواطع الالہام والے فیضی سے بھی نہیں ملنا چاہتے۔ حالانکہ اس دوران میں فیضی کے انداز خیال میں جو تبدیلی ہوئی اس پر ثمنوی "نل دمن" کی نعت یا تفسیر سواطع الالہام ہی نہیں، شیخ کے نام فیضی کے خطوط بھی گواہی دیتے ہیں۔ شیخ اپنے فیصلہ پر ثابت قدم رہے بلکہ انھوں نے "تذکرۃ المصنفین دہلی" میں فیضی کی نسبت لکھا ہے :- لہ

اس کے بعد شیخ اکرام نے وہ عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ لکھ چکا ہوں۔

شیخ اکرام کا تعجب اپنی جگہ ٹھیک ہے کیونکہ ان کے پیش نظر سواطع الالہام کی وہ عبارت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہے اور ان کے سامنے "نل دمن" کے اشعار نعتیہ ہیں اور پھر وہ



خطوط میں جو فیضی نے جناب شیخ کو لکھے ہیں۔ اور جناب شیخ کی تحریر اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کیونکہ ان کی نظر میں ایمان نام ہے زبان کے اقرار اور تصدیق قلب کا۔ یعنی دل صداقت کے ساتھ اللہ کی وحدانیت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مانے۔ اگر دل میں کھٹکا باقی ہے تو ایمان نہیں ہے جس جماعت کا یہ خیال ہو کہ آدمی وہ ہے کہ انصاف کو اپنی راہ کا پیش رو بنائے اور ہر گروہ کی جو بات پسندیدہ خورد ہو اس کو اختیار کرے شاید اس سے وہ قفل جس کی کنجی گم ہو گئی ہے کھل جائے۔ بھلا اس کو ایمان سے کیا لگاؤ۔ بے شک فیضی کی تفسیر ادبی شاہکار ہے۔ کیا اس تفسیر کے لکھنے کی علت غائی سردارِ عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی یا اظہارِ علم و فضل تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پوری طرح تقاضا کرتی ہے کہ تصدیق قلبی میں بال برابر کمی نہ آئے۔ چاہے بشریت کی بنا پر عمل میں کوتاہی واقع ہو جائے۔ کیا فیضی اس منحوس جماعت سے بیزار ہو گئے تھے۔ کیا قفل کی گمشدہ کنجی (تصدیق قلب) ان کے ہاتھ آگئی تھی؟ شیخ عبدالحق کا یہ لکھنا "اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا نام لینا درست نہیں" ظاہر کرتا ہے کہ فیضی اس منحوس جماعت سے بیزار ہوئے تھے اور نہ ان کے ہاتھ مفتاحِ سعادت لگی تھی حقیقت امر کیا ہے اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ مدارِ کار خاتمہ پر ہے۔ اِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَاِنْ شَرًّا فَشَرٌّ۔

۳۔ جناب شیخ کے نزدیک وہ جماعت جس سے فیضی کا تعلق تھا مسلمانوں کے لئے ایک بدنام داغ تھی کہ اس کا نام لینا بھی مسلمانوں کے لئے درست نہ تھا۔

۴۔ اور یہ کہ فیضی وغیرہ کفر و ضلالت کے ہاویہ میں گر پڑے تھے۔ افسوس صد افسوس۔ مَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّٰ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْنَا (ترجمہ) جو کوئی راہ پر آیا تو آیا اپنے ہی واسطے اور جو کوئی بہکا رہا تو بہکا رہا اپنے ہی بڑے کو۔

حضرت مجددؒ کی تحریرات | حضرت مجددؒ کے رسائل اور مکتوبات سے آپ کا بیان نقل کرتا ہوں۔ حضرت مجددؒ نے رسالہ "اثبات نبوت" میں لکھا ہے۔

"اس زمانے میں یہ بات میں نے دیکھی کہ خود نبوت ہی کے متعلق اور پھر کسی فرد واحد کے لئے نبوت کے اثبات کے سلسلہ میں لوگوں کے اعتقاد میں فتور آچلا ہے۔ یہ خرابی اتنی بڑھ گئی ہے کہ اسلام کے وہ علما جو شریعت کی پیروی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری میں ثابت قدم تھے قتل کر دیئے گئے اور یہ حالت ہو گئی کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مکرم نام کو چھوڑا جا رہا ہے جس کا نام آپ کے مبارک نام پر ہوتا ہے اس کو بدل دیتے ہیں۔ ذبح بقر سے روکا جاتا ہے حالانکہ وہ ہندوستان میں اسلام کے بڑے شعائر ہیں سے ہے مسجدوں اور مقبروں کو توڑا جا رہا ہے۔ کفار کے معابد اور ان کے رسم و رواج کی تعظیم کی جاتی ہے مختصر یہ کہ اسلام کے شعائر اور اعلام کو مٹا کر کافروں کے رسوم اور ان کے باطل ادیان کو رائج کیا جا رہا ہے تاکہ اسلام کا نشان تک مٹ جائے۔"



میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ شک اور انکار کا دائرہ پھیلتا جا رہا ہے۔ خود اطباء (علماء) بیمار ہو چلے ہیں (ان میں خرابی پیدا ہو رہی ہے) اور اللہ کی مخلوق ہلاکت تک پہنچ گئی ہے۔ میں نے ایک ایک کے عقائد کو ٹھٹھولا ہے اور ان سے ان کے شبہات دریافت کئے ہیں۔ ان کے دلی خیالات اور اعتقادات کی جانچ پڑتال کی تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس ساری خرابی کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے یہ زمانہ دُور جا پڑا ہے اور حکمائے ہند اور فلسفہ کی کتابوں سے شغف بڑھ گیا ہے۔ میں نے ایسے افراد سے مناظرہ بھی کیا ہے جنہوں نے فلسفہ کا اور کافروں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور جن کو فضل اور فضیلت کا دعویٰ بھی ہے (ابو الفضل کی طرف اشارہ فرمایا ہے) ان لوگوں نے خلق خدا کو گمراہ کیا ہے اور تحقیق اصل نبوت اور شخص معین کے لئے اس کے ثبوت کے سلسلہ میں خود بھی بھٹکے ہیں اور دوسروں کو بھی بھٹکا یا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ "حکمت و مصلحت اور مخلوق کی ظاہری حالت کو سنو! اور ان کو لڑائی جھگڑے اور خواہشات نفسانیہ کے انہماک سے روکنا ہی حاصل نبوت ہے۔"

یہ تحریر حضرت مجدد کی دسویں صدی کے اواخر کی ہے جب کہ اکبر اس منحوس جماعت کی سرپرستی کر رہا تھا اور اس نے مختلف مذاہب کے ان افراد کو عبادت خانہ میں جمع کیا تھا جنہوں نے اکبر کو خلیفۃ الزماں انسان کامل اور مظاہر حق کا اتم منظر قرار دے کر مبعودیت کے دائرے میں شامل کیا تھا اور اس کے واسطے سجدہ تجویز کیا تھا۔

اب میں آپ کے مکاتیب شریفہ کے کچھ اقتباسات لکھتا ہوں۔ آپ نے شیخ بدیع الدین کو لکھا ہے۔  
 ۱۔ "شریعت کا جو حکم مبتدی کے واسطے ہے وہی حکم منتہی کے واسطے بھی ہے۔ چنانچہ عارفوں کے خاص الخاص اور ایک عام مومن اس معاملہ میں یکساں ہیں۔ خام صوفی اور بے سرانجام ملحد اس کو شش میں ہیں کہ وہ اپنے کو شریعت کے احکام سے آزاد کر لیں۔ ان کی نظر میں شریعت کے احکام کا تعلق عوام سے ہے۔ اور خواص کے لئے معرفت کا حاصل کرنا ہے۔ یہ لوگ اپنی جہالت سے امرا و سلاطین کو مکلف عدل و انصاف سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام پر عمل کرنے کا مقصد معرفت ہے۔ جہاں معرفت حاصل ہوئی شریعت کے احکام ساقط ہو گئے۔ انہوں نے "وَاعْبُدُوا رَبَّكُمُ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ" سے استدلال کیا ہے (سورہ حجر کی آخری آیت ہے) "اور بندگی کر اپنے رب کی جب تک پہنچے تجھ کو یقین" (یعنی موت کہ بے شک ہے۔ موضع) انہوں نے یقین سے معرفت مراد لی ہے جیسا کہ سہل تسری نے کہا ہے۔ حالانکہ یقین کا بیان معرفت سے جس نے بھی کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ عبادت کی تکلیف کا احساس اس وقت تک ہوتا ہے جب تک معرفت حاصل نہیں ہوئی ہے۔ معرفت حاصل ہو جانے پر عبادت میں تکلیف کا احساس نہیں رہتا (بلکہ راحت ملتی ہے) اور جو مطلب ان لوگوں نے نکالا ہے وہ زندہ اور

لے قلمی نسخہ سے لیا ہے۔



الحاق ہے۔

یہ لوگ یہ بات بھی کہتے ہیں کہ پیر اس مقصد سے عبادت نہیں کرتا کہ وہ عبادت کا محتاج ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے اتباع اس کو دیکھ کر عبادت کریں۔ ان لوگوں نے مشائخ کے اس قول سے استدلال کیا ہے: "جب تک پیر ریاکار نہ ہو مرید اس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا" ان لوگوں کو اللہ رستو اکرے کیا ہی جاہل ہیں۔ عبادت کی ضرورت جس قدر عارفوں کو ہے اس کا دسواں حصہ بھی مبتدیوں کو نہیں۔ کیونکہ عارفوں کے عروج و جات اور ان کے مدارج تقرب وابستہ بہ عبادت و احکام شریعت ہیں۔ اگر عوام کو اجر ملنے کی توقع قیامت کے دن کی ہے تو عارفوں کو وہ اجر آج ہی نصیب ہے لہذا وہ آخرت بہ عبادت و اخراج بہ ایتیان امر شرع ہوئے" ۱۷

آپ نے شیخ نظام تھانی سری کو تحریر فرمایا ہے۔

۲۔ معتبر افراد سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے بعض خلفا کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں۔ وہ زمین بوسی پر اکتفا نہیں کرتے۔ اس فعل کی قباحت اظہر من الشمس ہے۔ آپ ان کو تاکید کے ساتھ اس سے منع کریں۔ ایسے فعل سے ہر ایک کو بچنا لازم ہے اور خاص کر ایسے شخص کو جو خلق کا مقتدا ہو۔

آپ کی مبارک مجلس میں تصوف کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ چاہیے کہ فقہ کی کتاب بھی پڑھی جائے فارسی میں فقہ کی کافی کتابیں ہیں۔ جیسے مجموعہ خانی، عمدۃ الاسلام اور فارسی کنز اگر تصوف کی کتابیں نہ بھی پڑھی جائیں تو حرج نہیں کیونکہ ان کا تعلق مال سے ہے اور مال قال میں نہیں سماتا فقہ کی کتابوں کا نہ پڑھنا احتیال خیر رکھتا ہے۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم کہ دل آزرہ شوی ورنہ سخن بسیار است  
(حرجہ) مختصر طور پر دل کا دکھڑا آپ کے سامنے بیان کیا ہے کیونکہ مجھ کو کھٹکا ہوا کہ کہیں آپ آزرہ نہ ہو جائیں ورنہ کہنے کو بہت کچھ ہے۔ ۱۸

۳۔ آپ نے لالریگ کو تحریر فرمایا ہے۔

اللہ ہم میں اور آپ میں اسلام کی خیمت زیادہ کرے۔ تقریباً ایک قرن سے اسلام پر ایسی غربت چھا گئی ہے کہ کفار اسلامی علاقوں میں کفر کے احکام جاری کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کو شیش میں ہیں کہ اسلامی احکام پوری طرح زائل ہو جائیں، اسلام اور مسلمان کا نام تک باقی نہ رہے۔ اگر کوئی مسلمان اسلامی شعار کو ظاہر کرتا ہے تو اس کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ ۱۹

۴۔ آپ نے سیادت پناہ شیخ فرید بخاری کو تحریر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے آبائے کرام کے طریقہ پر ثابت قدم رکھے۔ بادشاہ کی مثال ملک کیلئے ایسی



ہے جیسے کہ دل بدن میں ہے۔ اگر دل صحیح ہے تو بدن بھی صحیح ہے اور اگر دل فاسد ہے تو بدن بھی فاسد ہے۔ بادشاہ کی درستی ملک کی درستی اور اس کا فساد ملک کا فساد۔ آپ جانتے ہیں کہ پچھلے دور میں اسلام پر کیا کچھ گزری ہے۔ اسلام کی کمزوری اور زبوں حالی پہلے ادوار میں جب کہ اسلام غریب الٰہیارتھا (نیا آیا تھا) اس سے آگے نہ بڑھی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر قائم رہیں اور کفار اپنے دین پر۔ لیکن پچھلے دور میں (اکبری دور میں) اہل کفر بزمِ ادا دارِ اسلام میں (اسلامی علاقوں میں) کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلام کے احکام کے اظہار سے عاجز تھے۔ اگر اظہار کرتے تھے تو قتل کر دیئے جاتے تھے۔ افسوس صد افسوس اس خرابی اس مصیبت اس حسرت اس غم پر۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رب العالمین کی تصدیق کرنے والے ذلیل و خوار تھے اور ان کے منکر صاحبِ عزت اور صاحبِ اعتبار مسلمان اپنے زخمی دلوں سے اسلام کی تعزیت میں مصروف تھے اور ان کے معاند تمسخر اور استہزاء کے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے۔ ہذا کا آفتاب گمراہی کے پردوں میں چھپ گیا تھا اور حق کا نور باطل کے حجابات سے پوشیدہ ہو گیا تھا۔ آج جبکہ مانعِ دولتِ اسلام کے زائل ہونے کی نوید اور بادشاہِ اسلام کے جلوس کی بشارت ہر خاص و عام کے کان تک پہنچی ہے، اہل اسلام نے تہیہ کر لیا ہے کہ وہ بادشاہ کے مددگار اور معاون رہیں گے اور ترویجِ شریعت اور تقویتِ ملت میں ان کا ساتھ دیں گے، ان کی مدد کریں گے، چاہے زبان سے ہو چاہے ہاتھ سے۔ سب سے اول مسائلِ شرعیہ کی مدد ہے تاکہ کتاب و سنت و اجماع امت کے موافق عقائد کلامیہ کا اظہار ہو۔ کوئی بدعتی اور گمراہ بیچ میں آکر راستہ نہ کاٹے اور کام کو نہ بگاڑے۔ اس امداد کا تعلق علمائے حق سے ہے جن کو آخرت کی فکر لگی رہتی ہے۔ اور وہ علماء جو دنیا کے طلبگار ہیں ان کی صحبت مثل زہرِ قاتل کے ہے ان کا فساد متعدي ہے۔

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند  
او خوشیتن گم است کرار ہبری کند  
(ترجمہ) جو عالم دنیا سازی اور تن پروری کرے وہ خود بھٹکا ہوا ہے دوسرے کو کیا راہ دکھائے گا۔  
پچھلے دور میں مسلمانوں پر جو بھی مصیبت آئی وہ اسی جماعت کی نحوست سے آئی ہے بادشاہوں کو انھوں نے ہی بہکایا ہے۔ وہ بہتر فرقتے جنھوں نے گمراہی اختیار کی ان کے مقتدا یہی علمائے سوتھے۔ اگر علمائے سوس کے علاوہ کسی نے راہِ ضلالت اختیار کی ہے تو اس کی ضلالت دوسروں تک بہت کم متعدي ہوئی ہے اور اس زمانہ کے اکثر صوفی نما جاہل علمائے سور کے حکم میں ہیں کیونکہ ان کا فساد بھی متعدي ہے۔  
اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل قدرت اور بادشاہ کا قرب عنایت کیا ہے اس لئے آپ کی ذات سیادتِ پناہ سے امید ہے کہ ظاہر و باطن میں برابر شریعتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی ترویج کیلئے کوشش کریں گے اور مسلمانوں کو ذلت اور پستی سے نکالیں گے۔ آمین



۵۔ اور آپ نے سیادت پناہ شیخ فرید بخاری ہی کو تحریر فرمایا ہے۔

نقابت و نجابت دستگاہ۔ تمام مواضع کا خلاصہ اور تمام نصیحتوں کا لب لباب یہ ہے کہ اہل تدین اور اصحاب تشریع سے احتلاط اور تعلق رکھا جائے۔ تدین اور تشریع کا تعلق اہل سنت و جماعت کے طریقہ سے وابستہ افراد سے ہے کہ اسلام کے تمام فرقوں میں یہی فرقہ ناجیہ ہے۔ ان بزرگواروں کی پیروی کے بغیر نجات محال ہے اور اُن کی آراء سے ہٹ کر فلاح نہیں ہے اور یہ بات عقلی، نقلی، کشفی دلائل سے ثابت ہے جس میں مختلف کا احتمال تک نہیں ہے۔ اگر پتہ چل جائے کہ کوئی شخص رائی کے دانہ کی برابر ان کی راہ سے ہٹا ہوا ہے تو اس کی صحبت کو ستم قاتل اور اس کی مجالست کو زہرِ بلاہل سمجھنا چاہیے۔ علم کے طلب کرنیوالے بے باک افراد جس فرقہ کے بھی ہوں دین کے ڈاکو ہیں ان کی صحبت سے اجتناب ضروری ہے۔ دین میں جو بھی خرابی پیدا ہوئی ہے وہ انہی کی نخوست سے ہوئی ہے کہ انھوں نے ناچیز دنیا کے لئے اپنی آخرت برباد کر لی ہے۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبَحَتِ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُفْتَدِينَ۔ (ترجمہ) وہی ہیں جنھوں نے خرید کی راہ (ہدایت) کے بدلے گمراہی، سونفیع نہ لائی ان کی سوداگری اور نہ راہ پائی۔ ابلیس لعین کو ایک شخص نے آسودہ اور فارغ البال بیٹھا دیکھا کہ اغوار اور اضلال سے اپنا ہاتھ روک رکھا ہے اس نے ابلیس سے اس کی وجہ پوچھی۔ وہ بولا کہ اس وقت کے علمائے سور نے میرا کام سنبھال لیا ہے وہ اغوا اور اضلال کے متکفل ہو گئے ہیں۔ ۱۷

۶۔ آپ نے خان جہاں کو پندرہ صفحات کا طویل مکتوب ارسال کیا ہے اس میں اہل سنت و جماعت کے عقائد اور اَرْکانِ خمسۃ اسلام کا بیان ہے۔ اس مکتوب کے اخیر میں تحریر فرمایا ہے۔

”وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے آپ صاحبان کو دی ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ آپ بھی اس کو نہ سمجھے ہوں، یہ ہے کہ بادشاہ وقت سات پشت سے مسلمان اور از جماعت اہل سنت و جماعت اور حنفی مذہب ہے۔ اگرچہ کچھ سالوں سے اس زمانہ میں کہ قرب قیامت اور عہد نبوت سے بعد کا زمانہ ہے بعض ایسے طلبگارانِ علم نے (علمائے) جو کہ بد باطن، لالچی اور امرا و سلاطین کا تقرب چاہنے والے ہیں، دین متین میں خشوک و شبہات پیدا کئے اور سادہ لوحوں کو بھٹکایا ہے۔ ایسا بڑا بادشاہ جب کہ آپ کی بات کو سنتا اور قبول کرتا ہے تو آپ اسلام کی حق بات، موافق اہل سنت و جماعت، بادشاہ کے کان تک پہنچائیں کم ہو یا زیادہ، اِشَارَۃً ہو یا صَرَاحَۃً۔“ ۱۸

۷۔ آپ نے اپنے تیسرے صاحبزادے حضرت محمد معصوم کو تحریر فرمایا ہے۔

بعض مشائخ نے مخو اور اضمحلال کے الفاظ کا استعمال کیا ہے اور ان کا مطلب وہ نظری اور کیفیاتی مخو و اضمحلال ہے جو استفراق کی حالت میں سالک کو پیش آتا ہے اور اس وقت اس کو اپنا



تعیّن نظر نہیں آتا ہے (تعیّن کا بیان وحدت وجود کے سلسلہ میں گزر چکا ہے) مشائخ کا مطلب عینی محویت و اضمحلال نہیں ہے کہ فی الواقع اس کا عین اللہ کی ذات میں محو ہو جائے۔ کیونکہ یہ زندقہ اور الحاد ہے۔ ناقصوں کی ایک جماعت عینی محویت کی قائل ہو گئی ہے۔ لہذا انھوں نے آخرت کے ثواب و عذاب سے انکار کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جس طرح وحدت سے کثرت میں آمد ہوئی اسی طرح کثرت سے وحدت تک پہنچا ہے اور کثرت پھر وحدت میں مضمحل اور محو ہو جائے گی۔ ان زنادقہ میں سے ایک جماعت نے محویت کو قیامت کبریٰ سمجھ لیا ہے اور حشر، نشر، حساب، صراط، میزان کے منکر ہو گئے ہیں۔ خود گمراہ ہوئے اور بہت لوگوں کو گمراہ کیا۔ ۱۷

۸۔ آپ نے خواجہ محمد تقی کو عالم مثال اور شیخ اکبر کی روایت کردہ حدیث "إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ مِائَةَ أَلْفِ عَالَمٍ" کے متعلق معارف بیان فرما کر لکھا ہے۔

ایک ایسی جماعت نے جن کے قلوب بیمار ہیں ان باتوں سے تنازع کا جواز سمجھ لیا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ وہ عالم کو قدیم سمجھ لیں اور قیامت کبریٰ کا انکار کر جائیں۔ بعض ملحد جنھوں نے غلط طریقہ پر مسند شیخی سمجھا لی ہے (ناحق کے پیر بن بیٹھے ہیں) تنازع کے جواز کا خیال کرتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک نفس حد کمال کو نہ پہنچ جائے وہ جون بدلتا رہتا ہے اور جون بدلنے سے اس کو چارہ بھی نہیں ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب نفس کمال کو پہنچ جاتا ہے تو پھر جون بدلنے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہ بدن کے تعلق سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی تخلیق سے جو کمال مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔ ان لوگوں کی یہ بات کفر صریح ہے۔ ۱۸

۹۔ آپ نے اپنے فرزند کلاں حضرت محمد صادق قدس سرہ کو گیارہ اوراق کا حقائق بھر اکتوب ارسال فرمایا ہے۔ اٹھویں ورق میں لکھتے ہیں۔

خام صوفی ذکر و فکر کو اہم سمجھ بیٹھے ہیں۔ فرائض اور سنن کی بجا آوری میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ ازبہینات اور ریاضات کو اختیار کر کے جمعہ و جماعت کو چھوڑتے ہیں وہ نہیں سمجھتے کہ ایک فرض کو جماعت سے ادا کرنا ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے۔ ہاں جو ذکر و فکر آداب شرعیہ کے ساتھ کیا جائے وہ بہتر اور شایان اہتمام ہے۔ بے سرانجام علماء بھی نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں اور فرائض کو خراب اور ناقص کرتے ہیں مثلاً عاشوراء کی نماز جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے بہ جمعیت و جماعت پڑھتے ہیں حالانکہ ان کو خبر ہے کہ فقہ کی روایات سے نوافل کا جماعت سے پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے۔ ۱۹

۱۰۔ آپ نے اتباع سنت اور درجات ولایت کے متعلق سید شاہ محمد کو مکتوب لکھا ہے اس میں



تحریر فرمایا ہے۔

فقیر کے نزدیک سنت مبارکہ کی دائمی متابعت اور بدعت کے اجتناب کلی سے نفس کو اطمینان اور اعمال صالحہ کے حقائق حاصل ہوتے ہیں۔ جب تک بدعت حسنہ کو بھی بدعت سیئہ کی طرح نہ سمجھا جائے اور اس سے اجتناب نہ کیا جائے یہ نعمت نصیب نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کام اس زمانہ میں بہت مشکل ہے۔ کیونکہ تمام عالم بدعتوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ لوگوں کو بدعتوں کی ظلمتوں میں آرام مل رہا ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعتوں کے دور کرنے کے سلسلہ میں دم مارے اور اچھائے سنت کا لفظ کون زبان پر لا سکتا ہے۔ اس وقت کے اکثر علماء بدعتوں کو رائج کر کے سنتوں کو مٹانے والے ہیں۔ جو بدعتیں رائج ہو چکی ہیں ان کو قائل کے نام پر مستحسن قرار دے رہے ہیں اور فتویٰ دے کر لوگوں کو بدعت کی راہ دکھا رہے ہیں۔ لہ

۱۱۔ آپ نے سیادت پناہ شیخ فرید بخاری کو تحریر فرمایا ہے۔

”سنا گیا ہے کہ بادشاہ اسلام نے اپنے حسن فطرت کی بنا پر آپ سے کہا ہے کہ آپ ایسے چار دیندار علماء کا انتخاب کریں جو مسائل شرعیہ کو بیان کریں تاکہ خلاف شرع کوئی حکم نہ صادر ہو۔ یہ مقام حمد و شکر ہے۔ مسلمانوں کے واسطے اس سے اچھی بشارت اور غمزدوں کے لئے اس سے بہتر کیا خبر ہو سکتی ہے۔ یہ عاجز اسی غرض سے آپ کی طرف متوجہ ہوا ہے اور اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ عرض کر چکا ہے۔ اس سلسلہ میں عاجز کہنے اور لکھنے سے اپنے کو الگ نہیں رکھ سکتا امید ہے آپ معاف فرمائیں گے۔ کیوں کہ صاحب غرض دیوانہ ہوا کرتا ہے۔

عرض یہ ہے کہ ایسے دیندار علماء کا جن کی غرض شریعت کی ترویج کے سوا کچھ بھی نہ ہو، دستیاب ہونا بہت مشکل ہے کیونکہ ایسے علماء بہت کم ہیں۔ اگر منتخب شدہ علماء میں ذرا بھی حب جاہ ہوئی تو وہ اپنی فضیلت کو ظاہر کرنے کیلئے اختلافی مسائل چھیڑ کر بادشاہ سے قرب حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، اس صورت میں دین کا کام بگڑے گا۔ دورِ اول میں علماء ہی کے اختلاف نے عالم کو آفت میں ڈالا تھا۔ اب پھر وہی صورت سامنے آرہی ہے۔ اس حال میں دین کی ترویج کیا ہوگی بلکہ تخریب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس حال سے اور علمائے سور کے شر سے سب کو بچائے۔ لہذا صرف ایک دیندار عالم کا انتخاب بہتر رہے گا۔ اگر وہ عالم ایسا ہو کہ اس کو صرف آخرت ہی کی فکر لاحق ہو تو کیا کہنا۔ اس کی صحبت بہ منزلہ اکیر کے ہے اور اگر ایسا کامل فرد نہ ملے تو پھر ایسے عالم کا انتخاب کیا جائے جو سب سے بہتر ہو۔“ لہ

۱۲۔ آپ نے خانِ اعظم کو تحریر فرمایا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا ہے۔ ”الْإِسْلَامُ مَبْدَأُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا فَطُوبَى لِلْغَرِيبِ“ اسلام اپنے آغاز میں بے گھر اور کمزور رہا اور عنقریب پھر اسی حال پر ہو جائیگا لہذا خوش خبری ہے بے گھر اور



کمزور افراد کو جو تمسک بہ کتاب و سنت کریں۔ اسلام کی غربت و کمزوری اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ کفار بر ملا اسلام اور مسلمانوں پر طعن کرتے ہیں۔ بے تحاشا کوچہ و بازار میں کفر کے احکام کا اجرا اور اہل کفر کی مداحی کرتے ہیں۔ مسلمان اجرائے احکام اسلام سے ممنوع اور امر شرعی کے بجالانے پر منقطع و نڈھوم۔

پیری نہ ہفتہ رخ دیدو در کمر شمشہ و ناز بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بولوا عجیب است

(ترجمہ) پیری نے تو اپنا چہرہ چھپایا اور دیونا زد کرشمہ دکھا رہا ہے۔ عقل حیران ہے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔

شریعت کی رونق کو بادشاہوں سے وابستہ کیا گیا ہے۔ مگر اب قضیہ پلٹ گیا ہے اور معاملہ برعکس ہو گیا ہے۔ ہائے افسوس، ہائے ندامت، ہائے شرمندگی۔ آج کے دن ہم آپ کے وجود کو غنیمت سمجھتے ہیں اور شکست خوردگی اور کمزوری کے اس میدان میں مردِ مبارک آپ ہی کو جانتے ہیں۔ اللہ آپ کا تائب کرنے والا اور مددگار رہے۔

آج وہ دن ہے کہ اس میں عمل قلیل کو بہ اجرِ جزیل پورے اعتنا کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے۔ اصحابِ کہف سے سوائے ہجرت کے کوئی عمل نمایاں نہیں ہوا ہے۔ چوں کہ ان کا یہ عمل بر محل تھا۔ اس کا اتنا اعتبار کیا گیا ہے۔ جس وقت دشمنوں کا غلبہ ہوتا ہے اگر تھوڑی سی جدوجہد سپاہی کرتے ہیں وہ بھی بہت اعتبار رکھتی ہے۔ بہ خلاف زمانہ امن کے (کہ اس میں اس قلیل جدوجہد کی وقعت نہیں ہوتی) یہ جہادِ قولی جو آج کے دن آپ کو میسر ہے جہادِ اکبر ہے۔ آپ اس کو غنیمت سمجھیں اور ہن من مزید کہہ کر زیادتی کی طلب کریں۔ اس زبانی جہاد کو عملی جہاد سے بڑھ کر سمجھیں۔ ہم جیسے بے دست و پا فقر اس نعمت سے محروم ہیں۔

آپ سے التماس ہے کہ جب اس خاندان (نقشبندیہ) کے اکابر کی محبت کی برکت سے جو آپ کے دل میں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات میں تاثیر رکھی ہے اور آپ کے اقران میں آپ کی مسلمانی کی عزت ہے تو آپ کوشش کریں تاکہ کم از کم یہ صورت نکل آئے کہ کفر کے وہ بڑے احکام جو مسلمانوں میں رائج ہو گئے ہیں ختم ہو جائیں اور منکرات سے مسلمانوں کو نجات ملے۔ اللہ آپ کو ہماری اور سب مسلمانوں کی طرف سے اجر دے۔ پہلی حکومت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مخالفت اور اس سے دشمنی مفہوم ہوتی تھی۔ اس حکومت میں یہ ظاہر وہ بات نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو لاعلمی کی بنا پر ہے۔ اندیشہ اس بات کا ہے کہ کہیں اس حکومت میں بھی پہلی حکومت کی کیفیت نہ پیدا ہو جائے اور غرضتہ حیات مسلمانوں پر تنگ ہو جائے۔ ”جو بید بر سر ایمان خود بھی لرزم“ اپنے ایمان پر مثل بید کانپ رہا ہوں۔

۱۳۔ آپ نے میر صدر جہاں کو تحریر فرمایا ہے۔

سننے میں آیا ہے کہ بادشاہ اسلام اسلامی حسن استعداد کی بنا پر علماء کے طلبکار ہوئے ہیں۔ یہ اللہ



کاکرم ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ پچھلے دور میں جو خرابی پیدا ہوئی تھی علمائے سو کی وجہ سے ہوئی تھی۔ لہذا علمائے کے انتخاب میں آپ خوب چھان بین کریں۔ علمائے سو دین کے ڈاکو ہیں ان کا مقصد عزت و منزلت اور ریاست ہے اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے بچائے۔ ۱۴

آپ نے میر صدر جہاں ہی کو تحریر فرمایا ہے۔

اب جبکہ حکومت پلٹ گئی اور اہل ملّٰی کے عناد کا زور ٹوٹ گیا ہے تو تمام مقتدایان اسلام پر چاہے وہ وزرائے عظام ہوں یا علمائے کرام لازم ہے کہ اپنی تمام کوشش شریعت کی ترویج پر لگادیں اور اسلام کے منہدم ارکان کو قائم کریں۔ تغافل میں کچھ فائدہ نہیں ہے مسلمانوں کے دل مضطرب ہیں ان کو پچھلے دور کی مصیبتیں یاد ہیں کہیں یہ نہ ہو کہ تلافی مافات کی صورت ہاتھ سے نکل جائے اور اسلام کی غربت میں مزید اضافہ ہو۔ جب بادشاہوں کو طریقہ نبویہ کی اشاعت کا خیال نہوا اور بادشاہ کے مقربین اپنے کو اس کام سے بچائیں اور چند روزہ حیات کی فکر میں رہیں تو اہل اسلام کا معاملہ کیوں کرنے خراب ہو۔

صَبَّحْتُ عَلَىٰ مَصَائِبَ لَوْ أَنَّهَا صَبَّحْتُ عَلَىٰ الْآيَاتِ صِرْتُ لَيَالِيَا

(ترجمہ) جو صیبتیں مجھ پر ڈالی گئی ہیں اگر دنوں پر ڈالی جاتیں تو وہ راتیں ہو جاتے۔ ۱۵

آپ نے حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرمایا ہے۔

علمائے کے چہرے پر دنیا کی محبت ایک سیاہ داغ ہے۔ ایسے دنیا پرست علمائے اگرچہ لوگوں کو فائدہ پہنچ جائے، چاہے اُن سے شریعت کی تائید اور مذہب کی تقویت ہو جائے لیکن خود اُن کے لئے اُن کا علم مفید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فاجروں سے بھی اس دین کی تائید کراتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید کسی مرد فاجر سے کرائیگا۔ ایسے علمائے رنگ پارس کی طرح ہیں اگر اس سے تانبا یا لوہا رگڑ کھالے تو سونا بن جائے لیکن وہ خود پتھر کا پتھر ہی رہے گا۔ یہی حال اس آگ کا ہے جو پتھر اور بانس میں چھپی ہوئی ہے کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن خود وہ پتھر اور بانس آتش درونی سے غیر مستفید ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ایسے علمائے کے لئے ان کا علم نقصان دہ ہے کیونکہ اُن پر یہ علم حجت ہوگا۔ ارشاد نبوی ہے۔ اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَّمْ يَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهِ۔ بے شک قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس عالم پر ہوگا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ نے اس کو فائدہ نہیں پہنچایا ہے۔

تدریس و افتا اس وقت مفید ہے جبکہ خالص اللہ کی رضا مندی کے لئے ہو، حجت جاہ و ریاست اور حصول مال و رفعت سے یکسر خالی ہو۔ ۱۶

آپ نے ایک پاک دامن بی بی کو آٹھ صفحات کا مکتوب گرامی ارسال کیا ہے جو دفتر اول



کا اکتالیسواں مکتوب ہے اس میں اُن تمام بدعات اور قبائح کا بیان ہے جن میں عام طور پر مستورات مبتلا ہیں، جیسے مشرکوں کے رسومات کی تعظیم، چیچک اور دوسری بیماریوں کے ازالہ کیلئے غیر اللہ سے استمداد، بھوت پریت کا قائل ہونا، کسی دیوی کی منت ماننا، قبروں پر حیوانات کو لے جا کر ذبح کرنا، بعض پیروں کے نام کے اور بعض بی بیوں کے نام کے روزے رکھنا اور نامشروع طریقوں پر افطار کرنا وغیرہ۔

۱۷۔ ایک اور عقیقہ صالحہ کو ستر صفحات کا طویل مکتوب ارسال فرمایا ہے جو دفتر مسموم کا مکتوب سترہ ہے۔ اس میں آپ نے عقائد اور عبادات کا بیان خوب تفصیل سے کیا ہے۔

حضرت مجددؒ قدس سرہ کی تحریریں گنجینہٴ اسرار و معارف ہیں اور ان کا ایک ایک لفظ آپ کے سوزِ نہانی اور جذبہٴ ایمانی کا اظہار کر رہا ہے۔ آپ دنیوی سیاست سے بالکل الگ تھے آپ کو حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ آپ کا تعلق صرف دین سے تھا۔ آپ کی یہ تمنا تھی کہ دین تروتازہ ہو مسلمان حقیقی معنی میں مسلمان بنیں اور آپ آخری وقت تک اسی کوشش میں مصروف رہے۔

اللہ تعالیٰ حکیم و دانا ہے۔ فرماتا ہے۔ "اللَّهُ أَعْلَمُ مَخِیْثٌ یَّجْعَلُ رِسَالَتَهُ" اللہ بہتر جانتا ہے جہاں بھیجے اپنے پیغام" وہ جس شخص سے جو کام لینا چاہتا ہے بہ درجہ اتم اس کی استعداد و عنایت کر دیتا ہے۔ حضرت مجددؒ سے تجدید و اصلاح دین کا کام اس کو لینا تھا لہذا اس کی کامل صلاحیت بھی آپ کو دی آپ نے ایک حازق حکیم کی طرح اُن اسبابِ علل کو معلوم کرنے کی کوشش کی جن کی وجہ سے دین ناتواں و کمزور ہو گیا تھا۔ آپ نے رسالہ "اثبات نبوت" میں لکھا ہے "میں دیکھ رہا ہوں کہ شک اور انکار کا دائرہ پھیلتا جا رہا ہے۔ خود اطباء بیمار ہو چلے ہیں اور اللہ کی مخلوق ہلاکت تک پہنچ گئی ہے۔ میں نے ایک ایک کے عقائد کو ٹٹولا اور ان سے ان کے شبہات دریافت کئے ہیں" لہ

آپ کے بیان سے درج ذیل قباحتوں کا پتہ چلتا ہے۔

## قباحتوں کی تفصیل

- ۱۔ اکبر کے دورِ حکومت میں اسلام سے دشمنی مفہوم ہوتی تھی۔
- ۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام کو چھوڑا جا رہا تھا اور آپ کے مبارک نام پر جس کا نام ہوتا تھا اس کو بدلا جاتا تھا۔
- ۳۔ اہل بِلّ اسلام سے برسرِ عناد تھے۔
- ۴۔ کافروں کے رسوم کو جاری کیا جا رہا تھا۔
- ۵۔ اسلام کے ارکان منہدم کئے جاتے تھے۔
- ۶۔ مسجدوں اور مقبروں کو توڑا جاتا تھا۔

لہ اس بحث کے آغاز میں آپ کی پوری عبارت لکھ چکا ہوں۔



۷۔ مفسر علماء کو قتل کیا جاتا تھا۔

۸۔ کوچہ و بازار میں بڑا اسلام پر طعن کیا جاتا تھا۔

۹۔ نبوت کے متعلق ذہنوں میں فتور آگیا تھا۔

۱۰۔ حکمت و مصالحت کو حاصل نبوت سمجھ لیا تھا۔

علماء کی حالت :—————

۱۔ علمائے سور۔

۲۔ دنیا طلب فاجر علماء۔

۳۔ ڈھیل دینے والے بے باک و بے سرانجام علماء۔

صوفیہ کی حالت :—————

۱۔ فرائض سے تغافل اور دُور آزار مجاہدات اور ریاضات سے رغبت۔

۲۔ مشائخ کے اقوال کا غلط مفہوم نکال کر ملحدوں کا ساتھ دینا۔

۳۔ مسنون طریقوں کو چھوڑ کر بدعات میں مبتلا ہونا۔

۴۔ مرید اپنے پیر کو سجدہ کرتے تھے۔

۵۔ بعض ملحد مشنرین۔

عوام مرد و زن کی حالت :—————

۱۔ بدعات میں مبتلا۔

۲۔ مشرکانہ رسوم کا ارتکاب۔

۳۔ ہندووانی ٹوٹکوں پر عمل۔

اور ان تمام قباحتوں کے ساتھ روافض کا مسلک بھی فقہ عظیم تھا جو اہل بیت اطہار کے نام پر سادہ لوحوں کو غلط راہ پر ڈال رہا تھا۔

حضرت مجددؒ نے ان تمام اسباب و علل کے ازالہ کی سعی فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیاب مصلح بنایا۔ خلق خدا نے آپ کو مجددؒ کا خطاب دیا اور اللہ نے آپ کو مقام صلہ عنایت کیا۔ فَطَوَّبَىٰ لَهُ وَلَهُ عِنْدَ اللَّهِ لَزُفَىٰ وَحُسْنُ مَا يَـُٔىٰ۔



## مُجَدِّد کس کو کہتے ہیں

مُجَدِّد اسم فاعل کا صیغہ ہے یعنی پُرانے کو نیا کرنے والا۔ حدیث شریف میں مُجَدِّد کا بیان اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا** اللہ تعالیٰ اس اُمت کے واسطے ہر صدی کے شروع میں کسی کو بھیجے گا تاکہ وہ اُمت کے واسطے اُن کے دین کی تجدید کرے۔ مشکات میں اس کی روایت ابو داؤد سے ہے۔ ملا علی قاری نے مشکات کی شرح میں لکھا ہے۔

طبرانی نے اس حدیث کی روایت صحیح سند سے "اَوْسَط" میں کی ہے۔ حاکم نے بھی اس حدیث کی روایت ثقات سے کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملا علی قاری نے اس حدیث شریف کے بیان میں ابن عباس کا یہ قول لکھا ہے کہ ایسا کوئی سال نہ گزرے گا جس میں لوگ کسی بدعت کو رائج اور کسی سنت کو ضائع نہ کریں۔ یہاں تک کہ سنتیں ختم اور بدعتیں رائج ہو جائیں گی۔

مشکات میں حدیث فوق الذکر کے بعد یہ حدیث لکھی ہے: **"عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْلُفُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عُدُولُهُ يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِيَيْنِ وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِيْنَ"** رواه البيهقي في كتاب المدخل مسنداً۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس علم کو (جو قرآن و حدیث کا علم ہے) عادل (اور ثقہ افراد) اپنے اسلاف (کے جانشینوں) سے حاصل کر کے غلو کرنے والوں کی تحریفات، باطل پرستوں کے غلط دعوای اور جاہلوں کی تاویلات کا اترفا کریں گے۔"

اس حدیث شریف میں تین قسم کے افراد کا بیان ہے جن کے مفاسد کا ازالہ حق پرست اور عادل اشخاص کریں گے۔

۱۔ غلو کرنے والوں کی تحریفات کا۔

۲۔ باطلوں کے غلط دعوای کا۔

۳۔ جاہلوں کی تاویلات کا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے رسالہ "رد دفع اعتراضات" کے آخر میں لکھا ہے۔

پُر ظاہر است کہ از وجود ذات شریف حضرت ایشان شبہات ملاحظہ و روافض و غالیان توحید و مبتدعان طرائق و معتقدان شرک نجفی و علی بالکلیہ برطرف شد و تابعان ایشان بفضلہ تعالیٰ در اتباع سنت



سرگرم و دراجتناب از بدعت پیش قدم " لہ

(ترجمہ) اچھی طرح ظاہر ہے کہ حضرت مجددؒ کی ذات شریف کی وجہ سے ملحدوں، رافضیوں، توحید میں غلو کرنے والوں اور سلاسل کے مبتدعین اور شرک خفی و جلی کے معتقدین کے شبہات بالکل دور ہو گئے اور اللہ کے فضل سے آپ کی پیروی کرنے والے سنتِ مطہرہ کی پیروی میں خوب ساعی اور بدعت سے اپنے کو بچانے میں پیش قدم ہیں۔

شاہ عبدالعزیز نے بیہقی کی روایت کردہ حدیث کے مفہوم کا ذکر کیا ہے کہ حضرت مجددؒ اس پر عامل تھے۔ میں مختصر طور پر تینوں قسم کے افراد اور حضرت مجددؒ کے ساعی کا ذکر کرتا ہوں۔

غلو کرنے والوں کی تحریفات = یہ شیعان علیؑ اور ان کی تحریفات پر صادق آتا ہے۔ حضرت مجددؒ نے لکھا ہے "عجب دین ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کو گالی دینی اس کا بڑا جز ہے" اور اسی مکتوب میں لکھا ہے "شاید اس جماعت کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین و شریعت کا ابطال ہے اور وہ اہل بیت کی محبت کے نام پر اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے ہیں۔ کاش ان لوگوں نے حضرت علیؑ اور ان کے رفقا ہی کو بے داغ چھوڑ دیا ہوتا اور ان حضرات کو ثقیۃ کرنے والوں میں شمار نہ کرتے جو ٹکڑ اور نفاق کرنے والوں کی علامت ہے" اور چند سطر بعد آپ نے لکھا ہے "یہ سب افسراطِ محبت کے پھول ہیں جو دائرۂ اسلام سے نکلنے کے لئے کافی ہیں" لہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں سب سے پہلے اس جماعت نے حضرت فاطمہ اور حضرت علیؑ کا اور پھر حضراتِ حسنینؑ اور اہل بیتؑ اظہارِ کاسہارالے کر اپنے لئے ہر شے میں امتیاز پیدا کیا اور اسلام کی ہر روش کو بدلا۔ اللہ تعالیٰ سورہ حج میں فرماتا ہے۔ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا "تمہارا نام اللہ نے اگلی کتابوں اور اس کتاب میں مسلمین رکھا ہے لیکن اس جماعت نے اس نام کو ٹھکرا دیا اور اپنے کو مومن کے نام سے پکارنے لگے۔ انھوں نے اپنی اذان اپنی مسجد الگ کی اور دعویٰ کر دیا کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سورہ حجر میں فرما رہا ہے "اِنَّا عَمَخْنَا نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَخَافِظُوْنَ" (آیت ۹) بے شک یہ قرآن ہم نے اتارا اور بے شک ہم اس کے نگہبان ہیں" اس جماعت نے حرمتِ نبوی کے ضائع کرنے کی پوری کوشش کی۔ حضرت عائشہ کی برائت سے انکار اور ان پر اور حضرت حفصہ، حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور تمام اکابر صحابہ پر لعن طعن اور سب و شتم ہی ان کی عبادت ہوئی۔

در مذہب کہ دشنام طاعت باشد مذہب معلوم اہل مذہب معلوم

حضرت مجددؒ نے خان جہاں کو اہل سنت کے عقائد لکھ کر تحریر فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے بعد زندہ رہنے والا بہت اختلافات دیکھے گا۔ تم



میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو، نئی باتوں سے اپنے کو بچاؤ کیونکہ نئی بات گمراہی ہے، جو بھی نئی بات پیدا ہو وہ رد ہے۔ لہذا جو مذہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کے بعد پیدا ہوا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے وہ رد ہے۔ آپ اس نعمت کا شکر بجالائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو فرقہ ناجیہ میں شامل کیا۔ یہ جماعت اہل سنت ہے اور ان میں سے نہ کیا جو اللہ کی خاص صفات میں بندہ کو شامل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اور آخرت میں اللہ کے دیدار کا انکار کرتے ہیں جو دنیوی نعمتوں کا سرمایہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کی بھی نفی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو ان دو فرقوں سے بھی الگ رکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے برسر پیکار اور اکابر دین سے بدظن ہیں ان کو آپس میں ایک دوسرے کا دشمن سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن میں بغض و عناد تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے: ”وَحَمَاءٌ بَيْنَهُمْ“ کہ وہ آپس میں محبت کرنے والے ہیں۔ یہ دونوں فرقے اللہ تعالیٰ کے کلام کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سیدھی راہ پر چلائے۔

دو فرقوں سے مراد رافضی اور خارجی ہیں۔ اول الذکر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو اور آخر الذکر حضرت علی کو ہدف ملامت و مورد لعن و طعن بناتے ہیں۔ قَاتِلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی يُوَفِّكُوْنَ۔

حضرت مجددؒ نے باطلوں کے غلط دعویٰ اور جاہلوں کی تاویلات کا جس طرح رد کیا ہے اور اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مختصر بیان عنقریب کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس حدیث کا اتم مصداق بنایا اور اس وقت کے اکابر علماء نے کھلے دل سے اس کا اعتراف کیا ہے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی اور شیخ بدر الدین نے اپنی تالیفات میں تفصیل سے اس کا بیان کیا ہے۔

خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات کی فصل ششم میں علامہ روزگار مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے متعلق لکھا ہے کہ ”مُجَدِّدُ الْاَلْفِ الثَّانِي“ کا خطاب انھوں نے آپ کے واسطے تجویز کیا ہے۔

”اولیائے حق“ کے بیان میں صحیح مسلم کی حدیث گزر چکی ہے۔ اس میں ہے کہ ”اہل آسمان اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر اہل زمین میں اس کی قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔“ مولانا عبدالحکیم نے جو خطاب آپ کے واسطے تجویز کیا، قبولیت کے زیر اثر کیا۔ لہذا تمام عالم میں اس کی شہرت ہوئی اور ہرگز ورنہ بلکہ آپ کے معاند تک آپ کو مجدد کے نام سے یاد کرتے اور لکھتے ہیں۔

ایں آں سعادتیت کہ حسرت بزرراں جو یائے تاج قیصر و ملک سکندری  
اس سلسلہ میں آپ نے اپنے فرزندِ کلاں حضرت محمد صادق کو لکھا ہے۔



اے فرزند یہ وہ وقت ہے کہ زمان سابق میں ایسے ظلمت بھرے وقت میں انبیاء اولوالعزم کا ظہور ہوا کرتا تھا اور وہ نئی شریعت لایا کرتے تھے۔ چونکہ یہ امت خیر الامم ہے اور اس کے نبی خاتم النبیین ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے علما کو بنی اسرائیل کے انبیاء کی جگہ دی ہے۔ ہر صدی کے شروع میں کسی عالم کا انتخاب ہوتا ہے تاکہ وہ دین کی تجدید کرے اور شریعت میں جان ڈالے (یعنی اس میں قوت آئے اور اس کے احکام نافذ ہوں) پہلی امتوں میں ایک ہزار سال گزرنے کے بعد اولوالعزم پیغمبر (ہمت والے رسول) کی بعثت ہوا کرتی تھی۔ اس امت میں ایک ہزار سال گزرنے پر ایسے عالم کی ضرورت ہے جو معرفت نامہ رکھتا ہو (شریعت کے احکام سے اور طریقت کے اسرار اور حقائق کے رموز سے پوری طرح باخبر ہو) فیض روح القدس ارباز مدد فرماید دیگران ہم بکنند آں چہ مسیحامی کرد (ترجمہ) یعنی اگر مولیٰ جل شانہ کا لطف و کرم ساتھ دے تو جو کچھ مسیحائی نے کیا ہے اور بھی کر دکھائیں یہ توجہ سے اے زید خیبر جہاں کی ہوئے زندہ دل مردہ جاں کیسے

سرشار بادہ احمدی حضرت خواجہ ہاشم کشمیری رحمہ اللہ نے حدیث، صلہ کے متعلق جو واقعہ لکھا ہے اسی کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

### حدیث صلہ

ایک مرتبہ حضرت مجدد کو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارت ملی کہ تمہاری شفاعت سے قیامت کے دن کتنے ہزار افراد بخشے جائیں گے۔ اس بشارت ملنے پر آپ نے کھانا پکوا کر لوگوں کو کھلایا اور تَحْدِیثًا بِنِعْمَةِ اللَّهِ اس بشارت کا بیان کیا۔ میں اس وقت حاضر تھا، میں نے آپ سے عرض کی۔ آپ نے (دوسرے دفتر کے چھٹے مکتوب میں لکھا ہے۔

”آپ مجھ کو دوزخ آفرینش خودی دانستم معلوم شد بہ حصول پیوست و مسئول ہزار سالہ بہ اجابت تشرین گشت۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صَلَۃً بَيْنَ الْبَحْرَیْنِ وَمُضِلِّحًا بَيْنَ الْفِئْتَنِیْنِ“ (ترجمہ) میں اپنی پیدائش کا جو مقصد سمجھا ہوں وہ پورا ہو گیا ہے اور ایک ہزار سال کی طلب مقرون اجابت ہوئی۔ حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کہ اس نے مجھ کو دو سمندروں کو جوڑنے والا اور دو جماعتوں میں اصلاح کرنے والا بنایا۔

آپ کی اس تحریر کے متعلق ایک فاضل عزیز سے میری بات ہوئی اور ہم دونوں نے علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب جمع الجوامع کی اوراق گردانی کی اور ہم کو یہ حدیث دستیاب ہوئی۔ یَكُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُلٌ یَّقَالُ لَہٗ صَلَۃٌ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِہٖ کَذَا وَکَذَا۔ (ترجمہ) میری امت میں ایک شخص ہوگا اور اس کو صلہ کہا جائے گا اس کی شفاعت سے اتنے اتنے جنت میں داخل ہوں گے۔



میں نے اس فاضل عزیز سے کہا۔ کیا اس حدیث شریف سے آپ کی طرف اشارہ نہیں ہو رہا ہے۔  
اس نے کہا اشارہ کا احتمال ہے یہ

اس حدیث شریف کو محمد بن سعد نے اپنی طبقات میں لکھا ہے۔ اس کی روایت اس طرح ہے۔  
عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُونُ  
فِي أُمَّتِي رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ صَلَٰةٌ يَدْخُلُ بِشَفَاعَتِهِ الْجَنَّةَ كَذَا وَكَذَا ۝  
فرق صرف بِشَفَاعَتِهِ اور الْجَنَّةَ کی تقدیم و تاخیر کا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے رسالہ ”درد فح اعتراضات“ کے آخر میں ایک علمی مضمون لکھا ہے میں  
بہ صورت اختصار اس کو لکھتا ہوں کیونکہ اس مُجْتَمَع سے اس کا تعلق ہے۔ فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اِکْتِسَابِ کمالات کے اِئْتِسَابِ کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی اُمت  
کا ولی کسی غرض کو غرض میں سے یا کسی صِفَتِ اضافی کو صِفَاتِ اضافیہ میں سے آپ کی اُمت تک  
پہنچانے کا واسطہ بنا ہے، وہ اوروں کو اپنی باطنی تہذیب سے فائدہ پہنچا رہا ہے اور باطنی تہذیب نام  
ہے تزکیہ لطائف و حصولِ ملکہ یا دراشت و حضورِ دائمی و نسبتِ بی رنگی کا۔

یہ بات مثل آفتاب کے روشن ہے کہ یہ کام حضرت مجددؒ نے خوب کیا ہے۔ بخارا، سمرقند، بلخ، بخشان  
قندھار، کابل، غزنی، تاشکند، یارکند، شہر سبز، حصارِ شادمان، اہل اسلام کے گڑھ ہیں وہاں نہ ہندو ہیں  
نہ نصاریٰ نہ روافض، ان مقامات میں صرف آپ ہی کا طریقہ رائج ہے شاید ہی کسی دوسرے طریقہ سے  
کوئی وابستہ ہو۔

اور یہ بات بھی خوب ظاہر ہے کہ ملحدوں، رافضیوں، غالی توحیدیوں، اہل طرق کے بدعتیوں اور  
شرک خفی و جلی کے معتقدوں کے تمام شہادت آپ کی مبارک ذات کی برکت سے بالکل دُور ہو گئے اور  
آپ کے متبعین اللہ کے فضل سے اتباعِ سنت میں سرگرم اور اجتناب از بدعت میں پیش قدم ہیں۔  
آپ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو دعویٰ کرے کہ مجھ کو اُس حکیم نے ناسب بنا کر بھیجا ہے۔ اور وہ  
لوگوں کا علاج کرے اور لوگوں کو فائدہ ہو۔ اب اگر حضرت مجددؒ کے متعلق حکیم مطلق جلّ شانہ کی سند  
درکار ہے تو وہ بھی موجود ہے۔ جمع الجوامع میں سیوطی نے یہ حدیث لکھی ہے۔ (شاہ عبدالعزیز نے  
فوق الذکر حدیث نقل کی ہے) اور حضرت مجددؒ نے تحریر فرمایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَنِي صَلَٰةً  
بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ وَمُضِلِّحًا بَيْنَ الْفِتْنَتَيْنِ اور آپ کو بشارت ملی کہ قیامت کے دن تمہاری شفاعت

لے زبدة المقامات صفحہ ۲۸۳ و ۲۸۵ ۝ طبقات کبریٰ، جلد رات صفحہ ۱۳۴۔ اور اس حدیث کو حلیۃ الاولیاء سے علامہ ابن حجر عسقلانی  
نے الاصابہ کی تیسری جلد صفحہ ۵۲۵ میں اور علامہ علی المتقی نے کنز العمال کی جلد رات صفحہ ۱۳۱ میں نقل کیا ہے۔ حضرت مجددؒ پر  
جو کشف ہوا اس کی تائید حدیث شریف سے ہوئی ہے اب چاہے وہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو از اعظم سعادت ہے۔  
ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔



سے ہزاروں افراد بخشے جائیں گے۔ آپ کی اس تحریر پر اور آپ کے مبشر ہونے پر حدیثِ صلہ پوری طرح صادق آرہی ہے۔ ہزار سال کے دورے میں صلہ کا لقب کسی دوسرے شخص کو نہیں ملا ہے اور آپ کے اس استنباط کی تائید نقلیات اور کشفیات سے بھی ہو رہی ہے۔ حضرت مجددؒ نے اللہ کا شکر ادا کیا ہے۔ شکر کا قبول کرنے والا وہی ہے وہ فرماتا ہے۔ لَإِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (اگر حق مانو گے تو اور دوں گا تم کو) اور وعدہ الہی کے بموجب آپ کی دعا جو شکر الہی ہے مقبول ہے۔ از قبول کسان دیگر کارے نیست۔

إِذَا رَضِيتُ عَنِّي كِرَامًا عَشِيَّتِي فَلَا زَالَ غَضَبَانَا عَلَى لِيَا مَهَا

(ترجمہ) اگر مجھ سے کرم والے بزرگ لوگ راضی ہو گئے (میرا کام بن گیا اب چاہے) مجھ سے رِئَام (یعنی ذیل لوگ) ہمیشہ ناراض ہی رہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے رسالہ کو اسی شعر پر تمام کیا ہے۔ آپ نے یہ شعر لکھ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اہل فضل اور اصحاب کمال حضرت مجددؒ کے مدارج ہیں۔ جاہل اور کم کردہ راہ جو چاہیں سو کہیں۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَرَضِيَ عَنْهُ۔

## شواہد تجدد

ارشادِ نبویؐ عَلٰی صَاحِبِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ہے اَذْكُرُوا فَمَا سَنَ مَوْتَاكُمْ۔ اپنے اموات کی حسنات بیان کرو۔ لہذا میں حضرت مجددؒ کی ان حسنات کا ذکر کرتا ہوں جن کا تعلق احیائے دین سے ہے۔ حضرت مجددؒ نے امر اور راکین سلطنت کو مکاتیب لکھے۔

### ۱۔ اکبری الحاد کا استیصال

اسلام کی زبوں حالی کا بیان اس انداز سے کیا کہ ان کے دلوں میں اسلام کا درد پیدا ہوا۔ اُدھر اکبرؒ مرا اور جہانگیرؒ بادشاہ ہوا۔ امر کو موقع ملا کہ بادشاہ کے کان تک کلمہ اسلام پہنچائیں۔ اسی دوران میں عنسی اِنْ تَكُونُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ بَاظِمًا ہوا (شاید تم کو بُری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تم کو) جہانگیرؒ نے حضرت مجددؒ کو قید کیا اور پھر تین سال دس مہینے نظر بند رکھا جس کا بیان عنقریب آنے والا ہے۔ نظر بندی کے زمانہ میں جہانگیرؒ سے آپ کی ملاقاتیں ہوئیں۔ آپ کے نفس گرم کی گرمی نے جہانگیرؒ کے دل کو پگھلایا اور اس طرح دینِ مبین میں پھر سے تروتازگی کے آثار پیدا ہوئے۔ بلحدوث اور گمراہوں کی جمعیت پریشان ہوئی۔ وہ الحاد جس کی سرپرستی ایک عظیم مملکت کا سربراہ کر رہا تھا ایک پورے نشین فقیر کے اخلاص اور جدوجہد کی بدولت ایسا نیست و نابود ہوا کہ اس کا نام لیوا تک باقی نہ رہا۔ ذَلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ۔



۲۔ ملحدین صوفیہ | یہ وہ لوگ ہیں جو مسند شیخی پر بیٹھ گئے تھے اور حضرات مشائخ کرام کے اقوال کی غلط اور گمراہ کن تشریح کر کے عوام کو گمراہ کر رہے تھے آپ نے ان کے رد میں

پُر زور مکاتیب لکھے اور واضح کیا کہ یہ گمراہ حضرات مشائخ کے اقوال کو طائفہ باطنیہ (شیعوں کا ایک فرقہ) اور ملحد فلاسفہ کے طریقہ پر بیان کر رہے ہیں اور آپ نے ان کی تشریحات کی قباحت و وقاحت کا بیان کیا۔

۳۔ بیباک علماء | آپ نے بیباک علماء کو دین کا ڈاکو قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں وہ بمنزل سنگ پارس ہیں کہ وہ خود پتھر ہی رہتا ہے اور لوہا تانبا اس سے رگڑ کھا کر سونا بن

جاتا ہے، ان کے وعظ سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہے لیکن وہ خود بے بہرہ ہیں بلکہ ان کے واسطے ان کا علم قیامت میں حجت بنے گا۔

۴۔ جاہل صوفیوں کو تاکید | آپ نے جاہل صوفیوں کو تاکید کی کہ وہ شریعت کی پیروی کریں۔ قیامت میں شریعت کے متعلق پوچھنا چھ ہوگی نہ طریقت سے۔

شریعت کا ثبوت وحی سے ہوا ہے جو قطعی اور یقینی ہے اور طریقت کا ثبوت الہام سے ہے جو ظنی ہے۔ قطعی کے مقابلہ میں ظنی کو پیش نہیں کیا جاسکتا۔ تترہا۔ یہ مشائخ پر فریفتہ نہ ہونا چاہیے۔ لہ اور آپ نے تحریر فرمایا

ہے "زہار بہ توسط روحانیات مشائخ و امدادات ایشان مغرور نہ شود" لہ مشائخ کی روحانیات اور ان کی امدادات پر ہرگز مغرور نہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں۔ تمام مشائخ کے اقوال اور اعمال کو سردارِ دو جہان صلی اللہ علیہ

وسلم کے اقوال اور اعمال پر جانچو، مطابق پاؤ تو فیہما و نغم، ورنہ ان کی تاویل حسن کرو کیونکہ ان بزرگواروں سے یہ اقوال و اعمال اس وقت ظاہر ہوئے ہیں جب وہ مقامِ قلب میں تھے یعنی جبکہ ان کی ولایت اعلیٰ تر

مقامات تک نہیں پہنچی تھی اور ان پر سرک کا غلبہ تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔ عوام الناس اولیاء اللہ کے ان اوصاف و اخلاق کے گرویدہ بنتے ہیں جو ان کے اوصاف و اخلاق سے الگ ہوتے ہیں۔ دیکھو حضرت شیخ فرید

شکر گنج کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان کو اپنی کسی اولاد کے مرنے کی خبر دی جاتی تھی تو ان پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا اور وہ فرماتے تھے "سگ بچہ مردہ است بیرون برتابید" (سگ بچہ مر رہا ہے باہر پھینک دو) اب خیال کرو کہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحبزادے کی وفات پر اشک ریز ہوئے اور آپ نے

فرمایا۔ اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمَ لَمَحْزُوْنُوْنَ "اے ابراہیم تمہارے فراق سے یقیناً ہم محزون ہیں" لیکن عوام کا الانعام کے نزدیک حضرت شکر گنج کا معاملہ بہتر ہے کیونکہ اس سے بے تعلقی کا اظہار ہو رہا ہے۔

اَعَاذَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنْ مُّعْتَقَدَةِ اَتِهِمُ السُّوْءِ۔ اللہ ان کے بُرے معتقدات سے ہم کو بچائے" لہ آپ نے لکھا ہے یہ بات متحقق ہے کہ حضرت عبدالقادر جیلانی نے فرمایا ہے۔

۵۔ افراطِ عقیدت | میرا قدم تمام اولیا کی گردن پر ہے اور آپ کے اس قول کا تعلق آپ



کے زمانے کے اولیا سے ہے لیکن آپ کے اتباع اور مریدین آپ کے حق میں بہت غلو کرتے ہیں اور اُن کی افراطِ محبت شیعانِ علی کی افراطِ محبت کی طرح ہے وہ حضرت شیخ کے قدم کو تمام اولیا کی گردن پر سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ ٹھیک نہیں کیونکہ حضراتِ صحابہ اللہ کے اولیا ہیں اور وہ سب بالیقین حضرت شیخ سے افضل ہیں حضرت مہدی کا ظہور آپ کے بعد ہے۔ ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے اور ان کو خلیفۃ اللہ فرمایا ہے اور یہی کیفیت اصحابِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے (آپ کے نزول کے بعد جو لوگ آپ کا ساتھ دیں گے)۔

حضرت شیخ کے اتباع کثرتِ خوارق کو افضلیت کی دلیل قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ درست نہیں۔۔۔ شیخ الشیوخ نے عوارف میں لکھا ہے بعض کم رتبہ افراد سے خوارق کا ظہور ہوتا ہے اور ان سے بلند مراتب والوں سے نہیں ہوتا۔ خوارق کا ظہور برائے تقویتِ یقین ہے جس کو خالص یقین مل چکا ہے اس کو تقویت کی کیا ضرورت ہے۔ مدارِ کاریہ ہے کہ تجوہر ذکرِ قلب میں ہو جائے یعنی ذکرِ شریف ملکہِ قلب ہو جائے اور ذکرِ ذاتِ تعالیٰ و تقدس کا غلبہ ہو۔ دیگر بیچ۔

حضرت مجددؑ نے لکھا ہے کہ خوارق دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم کا تعلق اُن علوم و معارف و اسرار سے ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے ہے۔ اس قسم کا تعلق اولیا اللہ سے ہے اور دوسری قسم کا تعلق کشفِ صُور اور اجارِ مغیبات سے ہے جس کو کرامت کہا جاتا ہے اور عوام میں اس کا اعتبار ہے یہ قسم اولیا اللہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اہل استدراج سے بھی اس کا ظہور ہوتا ہے۔ لہ

**۱۔ کثرت و قلتِ خوارق** اولیا اللہ سے کرامات کا ظہور ہوا ہے لیکن جس کثرت سے حضرت

سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے کرامات و خوارق کا اظہار ہوا ہے کسی دوسرے ولی سے نہیں ہوا ہے حالانکہ آپ کی ولایت سے بہت عظیم تر ولایت حضراتِ صحابہ، حضراتِ حسنین اور حضراتِ ائمہ تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کی ہے۔ اس معجزہ کا حل حضرت مجددؑ قدس سرہ نے کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ولایت کا تعلق تقرب الی اللہ اور عروج سے ہے۔ جتنا عروج زیادہ ہوگا، اللہ سے تقرب بیشتر ہوگا۔ اور اظہارِ کرامت اور خوارق کا تعلق نزول سے ہے۔ مقامِ قلب سے عروج کی ابتدا ہوتی ہے حضرت عبدالقادر کا عروج اکثر اولیائے امت سے بلند تر واقع ہوا ہے اور آپ کا نزول مقامِ روح تک ہوا ہے جو کہ عالمِ اسباب سے ایک درجہ بالاتر ہے۔ نزول جتنا پائیں تر ہوگا اتنا ہی عالمِ اسباب سے تعلق بیشتر ہوگا۔ شیخ الاسلام پیر بہرائت نے جو کہ حضرت ابوالحسن خرقانی کے خلیفہ تھے ایک شخص سے فرمایا کہ اگر اس وقت خرقانی اور محمد قصاب آلی ہوتے تو میں تم کو آلی کے پاس بھیجتا۔ تمہارے واسطے اُن کی صحبت مفید تر واقع ہوتی۔ حضرت خرقانی اگرچہ منتهی تھے



لیکن ان کا نزول پائیں تر نہ تھا۔ بنا بریں عالم اسباب سے ان کا تعلق کم تھا۔ ان کی صحبت مبتدی کے واسطے سودمند نہ تھی۔

حضرت مجدد نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ حضرت حسن بصری دریا کنارے کشتی کے انتظار میں کھڑے تھے اس دوران میں حضرت حبیب عجمی آئے اور آپ سے توقف کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کشتی کا انتظار کر رہا ہوں۔ حضرت حبیب نے فرمایا کشتی کی کیا ضرورت ہے، کیا آپ یقین نہیں رکھتے۔ حضرت حسن نے فرمایا کیا آپ علم نہیں رکھتے۔ حضرت حبیب بغیر کشتی کے دریا پر سے گزرے لیکن حضرت حسن کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے کیونکہ آپ کا نزول عالم اسباب تک ہوا تھا اور آپ بہ اعانت اسباب کام کرتے تھے۔ یہ خلاف حضرت حبیب کے کہ ان کا نزول عالم اسباب سے بالاتر رہا تھا لہذا اسباب پر ان کی نظر نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد پر ایسی حقیقت کا انکشاف کیا جس کا اظہار کوئی نہ کر سکا تھا۔ غوام کا لانعام اور ناتمام صوفی خوارق و کرامات کو اصل کار سمجھ بیٹھے ہیں وہ ایسے اُردو و وظائف پڑھتے ہیں کہ ان پر کشف مرغیبات ہوا اور وہ اسباب و وسائل سے بے نیاز ہو جائیں۔ حالانکہ اصل کا یہ ہے جیسا کہ حضرت مجدد نے اپنے مکاتیب میں تحریر فرمایا ہے کہ ساحتِ سینہ تمام مُرادات سے خالی ہونا چاہیے صرف اللہ تعالیٰ کی طلب رہنی چاہیے۔ ع در تو یک یک آرزو ابلیس تست؛ میری نظر میں حضرت مجدد کا یہ کارنامہ آپ کے تجدیدی کارناموں میں نمایاں مقام رکھتا ہے، شوقِ کرامات رہبانیت اور یوگیت کی طرف لوگوں کو لے جا رہا تھا۔ حالانکہ اصلی کار رسولِ ذکر اللہ ہے بہ نوعی کہ اگر غفلت کو لانے کی بھی کوشش کی جائے تو ایک لمحہ کے لئے بھی نہ لانی جاسکے۔

رہبانیت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَرَهْبَانِيَّةً

۱۔ رہبانیت اور یوگیت

ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَارِعُوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِيْرٌ مِنْهُمْ فَاَسْقُوْنَ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرِسُوْلِهِ يُوْتِيْكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (ترجمہ) اور ایک دنیا چھوڑنا انھوں نے نیا نکالا، ہم نے ان پر نہ لکھا تھا مگر چاہئے کہ وہ رضامندی اللہ کی، پھر نہ نبا با اس کو جیسا چاہیے نباہنا، پھر دیا ہم نے ان کو جو ان میں ایمان لائے ان کا نیگ اور بہت ان میں بے حکم ہیں۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ اُس کے رسول پر، دیوے تم کو دو حصے اپنی مہر سے اور رکھ دے تم میں روشنی جس کو لئے پھرو اور تم کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان۔ حضرت شاہ عبدالقادر نے موضعِ قرآن میں یہ فائدہ لکھا ہے: "یعنی اس رسول کے تابع ہو کر یہ نعمتیں پاؤ، اوروں سے دُعا ثواب ہے ہر عمل کا اور روشنی لئے پھرو یعنی اپنا وجود نورانی ہو جائے"



سبحان اللہ کیا عظیم نعمت ہے۔

سید محمود آلوسی نے اس آیت مبارکہ کے بیان میں ابوداؤد، ابویعلیٰ، اور ضیاء کی یہ روایت لکھی ہے  
عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُشَدُّ دُؤَالُ عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَيُشَدَّ عَلَيْكُمْ فَإِنْ تَوَمَّأَ  
شَدَّ دُؤَالُ عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّ عَلَيْهِمْ قِتْلًا بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالذِّيَارَاتِ ۝  
(ترجمہ) حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سختی نہ کرو اپنے اوپر کہ سختی کی جائے  
تم پر، کیونکہ ایک گروہ نے اپنے اوپر سختی کی تو ان پر سختی کی گئی اور ان کے بقایا وہ ہیں جو کنیسوں اور دیروں  
میں موجود ہیں۔

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ فَإِذَا خَبْلٌ مَمْدُودٌ بَيْنَ الشَّارِبَتَيْنِ فَقَالَ مَا هَذَا الْخَبْلُ قَالُوا هَذَا خَبْلٌ لَزِيْنَبٍ فَإِذَا افْتَرَّتْ  
تَعَلَّقَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا، حُلُّوْهُ، لِيُصَلَ أَحَدُكُمْ فَنَشَاطُهُ فَإِذَا افْتَرَفَلَيْقَعْدُ ۝  
(ترجمہ) حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں) داخل ہوئے۔ آپ نے دوستوں  
کے درمیان ایک رسی تنی ہوئی دیکھی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسی ہے۔ صحابہ نے کہا یہ رسی زینب کی  
ہے، وہ جب تھک جاتی ہیں تو اس کو پکڑ لیتی ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں، اس کو کھول دو، تم میں سے جو  
بھی نماز پڑھے نشاط سے پڑھے اور جب تھک جائے تو بیٹھ جائے ۝

ابن حجر عسقلانی نے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں لکھا ہے کہ امام مسلم نے جو روایت اپنی صحیح  
میں کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تھے اور مسجد کے  
ستونوں میں سے دوستوں میں رسی تنی ہوئی تھی اور یہ بھی لکھا ہے کہ بیٹھنے سے مراد بیٹھ کر نماز پڑھنی بھی  
ہو سکتی ہے اور نماز کو ختم کر دینا بھی ہو سکتا ہے۔ ۝

اور بخاری یہ روایت کرتے ہیں۔ وَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ عِنْدِي امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي أَسَدٍ  
فَدَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ هَذِهِ، قُلْتُ فُلَانَةٌ لَا تَنَامُ اللَّيْلُ تُذَكِّرُ  
مِنْ صَلَاتِهَا فَقَالَ مَهْ، عَلَيْكُمْ مَا تُطِيقُونَ مِنَ الْأَعْمَالِ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا ۝  
(ترجمہ) حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میرے پاس قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت بیٹھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے اس عورت کے متعلق استفسار کیا کہ یہ کون ہے۔ میں نے کہا کہ یہ وہ  
عورت ہے جو رات بھر نہیں سوتی اور اس کی نماز کا چرچا کیا جاتا ہے۔ آپ نے ارشاد کیا نہیں، تم اتنا  
عمل کرو جس کی قوت برداشت تم میں ہو۔ اللہ تعالیٰ نہیں تھکتا، تم ہی تھک جاؤ گے ۝  
یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا بے نہایت ہے وہ نہیں تھکتا، تم ہی تھک کر بیٹھ رہو گے۔ اللہ تعالیٰ



کو وہ عمل پسند ہے جو ذوق و شوق سے پابندی کے ساتھ ہمیشہ کیا جاسکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بیان فرمایا ہے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں یہ روایت لکھی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ إِلَّا أَلْبَنَهُ فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا وَاسْتَعِينُوا بِالْغُدُوءَةِ وَالتَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ ۚ

یعنی دین آسان ہے۔ اس میں سہولت ہے۔ اور جو بھی دین سے مقابلہ کرتا ہے اس پر دین ہی غالب آتا ہے۔ لہذا افراط و تفریط سے بچتے ہوئے راہ وسط اختیار کرنی چاہیے۔ یہی بہتر و اکمل طریقہ ہے۔ اور اگر وہ نہ ہو تو اس کے قریب رہو اور بشارت پاؤ۔ بہتر عمل کی یہ صورت ہے کہ طلوع آفتاب سے چاشت کے وقت تک پھر زوال کے بعد تھوڑی دیر اور رات کے آخری حصہ میں اللہ کی یاد اور اس کی عبادت کر لیا کرو۔

آیت شریفہ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعَوْهَا سے ظاہر ہے کہ رہبانیت کا طریقہ خود راہبوں نے اختیار کیا تھا۔ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ راہ و رسم پسند نہ تھی اور آپ نے اس سے روکا ہے۔ آپ نے نشاط کے تین اوقات بتائے کہ ان اوقات میں عبادت کر لیا کرو۔ اور بشارت حاصل کرو۔ آپ کی فرماں برداری اور اتباع سنت میں جو اجر و ثواب ہے وہ اپنے اختیار کردہ اعمال میں کہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاَسْمُوا بِرِسْوَلِهٖ يُؤْتِيْكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلَ لَكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین لاؤ اس کے رسول پر۔ وہ کرو جو وہ ارشاد کرے۔ اور اس راہ پر چلو جو وہ پسند فرمائے تو اللہ اپنی رحمت سے تم کو دو گنا حصہ دے گا اور تم کو نور اتباع نبوی عطا کرے گا جو ہر جگہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ اللہ تمہاری خطاؤں اور لغزشوں کو معاف کرے گا۔ اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

میں ”اتباع سنن وعزام امور“ کے بیان میں حضرت مجددؑ کے بعض ارشادات لکھ چکا ہوں، جیسے ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع سے عمدہ کوئی فضیلت نہیں ہے۔ آپ سے تشبہ نہایت سعادت ہے چاہے وہ ظاہری تشبہ ہو۔ ایک مبارک سنت کی ناتمام پیروی اس ہزار شب بیداری سے بڑھ کر ہے جو اپنے طور پر کی جائے“ اور جیسے ”بدعات اور فجور کی ظلمت و تاریکی نے دنیا کو گھیر لیا ہے۔ اس اندھیرے میں چراغ سنت نبوی ہی کی روشنی سے دیکھا جاسکتا ہے“

تعجب ہے کہ اس حقیقت ثابتہ کے ہوتے ہوئے بعض حضرات مشائخ نے ایسے چلوں اور ریاضتوں کو اختیار کیا ہے جو طریقہ مبارکہ نورانیہ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے رکنا نہیں



بلکہ جاوہ بدعتِ رُہبان پر راست آتے ہیں۔

اس سلسلہ میں میرا یہ خیال ہے کہ حضراتِ مشائخ کرام قدس اللہ اسرارہم تک اجتنابِ تام از بدعت کی احادیثِ مبارکہ نہ پہنچی ہوں گی۔ کیونکہ ان حضرات کے زمانے میں احادیث کی کتابیں بہت کیاب تھیں۔ ان حضرات نے جو کچھ کیا ہے اِبتِغَاءِ رِضْوَانِ اللہ کے تحت کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے۔

اگر معاملہ صرف رہبانیت تک محدود رہتا۔ مسئلہ اُہْوَن ہوتا کیوں کہ رہبانیت کو نہ کسی خاص عقیدے سے تعلق ہے اور نہ کسی فلسفہ سے بلکہ ریاضت و مجاہدے کی ایک صورت اور نوعیت ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ طریقہ پسند نہ تھا اور آپ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ بنا بریں ہمارے لئے اس میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ نہ ہم دُکُا ثواب حاصل کر سکتے ہیں اور نہ نورِ سنتِ نبوی پاکستے ہیں۔ ذلکَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ۔

قاعدہ کی بات یہ ہے کہ بات میں بات اور کام میں کام نکلتا ہے۔ اگر حضراتِ مشائخ نے رہبانیت کو اپنا یا تھا مآبَعَد کے افراد نے یوگیت کی طرف قدم بڑھایا۔ چونکہ یوگیت کے اعمال کا تعلق ایک خاص فلسفہ سے ہے اس لئے اُس فلسفہ نے اپنا اثر دکھایا۔ اور باطنیوں اور ملحدوں کے واسطے طریقت کے ابواب کھل گئے۔

پروفیسر محمد مسعود احمد نے محمد غوث گویاری کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام شاہ محمد غوث گویاری ہے۔ یہ کتاب کراچی میں چھپی ہے میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب ایک شیخ طریقت کے حال میں لکھی گئی ہے لیکن ساری کتاب میں "قَالَ اللہُ تَعَالٰی" اور "قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم" سے بحث نہیں ہے، البتہ یہ ملتا ہے کہ آپ نے تیرہ سال سات ماہ کوہستان چنار میں ریاضت کی لے اور شیر شاہ سوری کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے بھائی باختر جنگ کو بارہ ہزار کا لشکر دے کر شیخ محمد غوث کا سر قلم کرنے کے واسطے بھیجا۔ آپ کو جب خبر ہوئی، جلال آیا اور فرمایا "مریح تو کجائی تا کار خود نمائی" آپ کا یہ کہنا تھا کہ بارہ ہزار سر بڑیدہ میدانِ جنگ میں پڑے ہوئے تھے۔ لے اور اس کتاب میں شیخ محمد غوث کی ریاضت کے سلسلہ میں کسی غار کا ذکر آیا ہے۔ غار کیا ہے قِصَّةُ الْعِشْقِ لَا أَنْفَصَامَ لَهَا کی یاد دلاتا ہے۔ شیخ محمد غوث اور ان کے بھائی شیخ پھول اور شیخ فضل اللہ بنگالی کا واقعہ محمد غوث گویاری کی زبانی لکھا ہے۔ اس میں یہ حصہ بھی ہے۔

"ہم تینوں آدمیوں نے تلاش کے واسطے اس غار میں قدم رکھا۔ جب ہم دو منزل کے برابر راہ چل گئے تو وہاں پر ہم نے ایک پیر کو مراقب دیکھا" لے



اس کتاب میں شیخ محمد غوث کی سات تالیفات کا ذکر ہے۔ ان میں چوتھی کا نام "بحر الحیات" ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ کتاب امرت کنڈ کا ترجمہ ہے اور اس کتاب کے متعلق محمد غوثی کی کتاب "گلزار برار" سے درج ذیل عبارت لکھی ہے۔

"جوگیوں اور سنیاسیوں کی دو جماعتیں ہنود کے ریاضتمندوں، گوشہ نشینوں اور رہبانوں کی سرگروہ ہیں اور انھیں اشغال و اذکار کی برکات سے استدراج اور خرق عادات کے درجہ کو پہنچ کر سائلوں کے ضمیروں کی چیتان پر اطلاع حاصل کرتے ہیں۔ آپ نے (محمد غوث گوالیاری نے) ان تمام معانی کو سنسکرت عبارت سے جو کتب ہنود کی زبان ہے اخذ کر کے فارسی لباس پہنایا ہے۔ اس کتاب کے مفہومات سے زنا ر توڑ کر بجائے اُس کے توحید اور اسلام کی تیسر گرون میں ڈال دی ہے۔ نیز حقیقی ایمان کی قوت سے ان مفہومات کو تقلید کی قید سے نکال کر صاحب تحقیق صوفیوں کے اذکار و اشغال سے تطبیق دی ہے" لے

اس عبارت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یوگیت کے جراثیم کس حد تک شامل ہو گئے تھے جوگیوں اور سنیاسیوں کے منتروں میں محمد غوثی کو برکات معلوم ہو رہے ہیں۔ مشکات کے باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں یہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کہ ہم یہودیوں کی باتیں سنتے ہیں اور وہ ہم کو اچھی لگتی ہیں، کیا آپ کی اجازت ہے کہ ہم ان کی باتیں لکھ لیا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم بھی حیرت زدہ ہو گئے ہو جس طرح پر یہود و نصاریٰ حیرت زدہ ہو گئے ہیں۔ یقیناً میں تمہارے پاس ایسی صاف و روشن شریعت لایا ہوں کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتے اسی کی پیروی اور اتباع کرتے۔

اور اسی باب میں یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عمر ایک نسخہ تورات کا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ یہ تورات کا نسخہ ہے اور پھر انھوں نے تورات پڑھنی شروع کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوا۔ حضرت ابو بکر موجود تھے۔ انھوں نے جب کیفیت دیکھی تو حضرت عمر سے کہا تَبَلَّتْ لَكَ الثَّوَابُ یعنی یہ کیا غضب ڈھا رہے ہو کیا تم اس تغیر کو نہیں دیکھ رہے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ظاہر ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے آپ کے چہرے کو دیکھا اور کہا۔ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهِ میں اللہ سے پناہ لیتا ہوں اللہ کے غضب سے اور اس کے رسول کے غضب سے، میں راضی ہوں اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نبی ہونے پر۔ اس وقت سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، اگر ظاہر ہو جائیں تمہارے واسطے موسیٰ اور تم ان کی پیروی



کر لو اور تم مجھ کو چھوڑ دو یقیناً تم سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ اگر موسیٰ زندہ رہتے اور میری نبوت پالیتے یقیناً میری پیروی کرتے۔“

اصحابِ قلوبِ مطمئنہ کے لئے اسرائیلیات اور یوگیوں کے اعمال میں نہ کوئی خوبی ہے نہ نوبتِ متحیرین جو چاہے سو کہیں ”بحر الحیات“ کے متعلق شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے۔

”شیخ محمد غوث گوالیاری نے ”بحر الحیات“ میں ہندو یوگیوں اور سنیاسیوں کے اطوار و اشغال کو فارسی میں منتقل کیا اور اپنی ابتدائی تصنیف ”جواہرِ خمسہ“ میں بھی ان کی ایک آدھ جھلک دکھائی، اس سے شطاریہ طریقہ کے اس ارتباط پر روشنی پڑتی ہے جو اس کا ہندو یوگ سے تھا۔ لہٰذا سید صباح الدین عبدالرحمن نے داراشکوہ کے متعلق لکھا ہے۔

”جب داراشکوہ نے مجمع البحرین“ لکھی تو علماء کے حلقہ میں ایک لہجہ پیدا ہو گئی۔ وہ لکھتا ہے کہ ہندوستان کے موحّدوں کے اشغال کی یوں تو بہت سی قسمیں ہیں لیکن بہترین شغل اچھا ہے۔“ اور لکھا ہے ”وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ اُس کی تسلی قرآنِ پاک سے بھی نہ ہو سکی کیونکہ اس کی اکثر باتیں رمز کی ہیں، آخر اس کو توحید کی تمام باتیں اپنشد میں مل گئیں جس سے پچاس ابواب کا ترجمہ اس نے فارسی میں کر کے عام کیا۔ لہٰذا

اگر محمد غوثی اور ان کے مرشد محمد غوث گوالیاری کو یوگیوں کے اشغال و اذکار میں برکات نظر آری ہیں تو داراشکوہ کے واسطے اسبابِ تسلیہ کیوں نہ ہوں۔ اِلٰی اللّٰهِ الْمُنْفَرَعُ وَالْیَوْمِ الْمُنْتَقٰی۔ ابنِ کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ کی تیسری جلد کے صفحہ ۲۷۵ میں واقعہ بذکر کے متعلق امام احمد کی روایت کردہ یہ حدیث لکھی ہے۔

”حضرت عمرؓ نے بیان کیا کہ بذکر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب پر نظر ڈالی جو تین سو اور کچھ تھے پھر آپؐ نے مشرکین کی طرف نظر اٹھائی جو ایک ہزار اور اس سے زیادہ تھے۔ اس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازار اور ردا میں تھے۔ آپؐ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا پڑھی۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ تُفْلِكَ هَذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ فَلَا تُعْبِدُ بَعْدُ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا۔ اے اللہ! تو نے جو وعدہ مجھ سے کیا ہے اس کو پورا کر دے۔ اے اللہ! اگر یہ جماعت اہل اسلام کی ہلاک کر دی گئی تو پھر تیری عبادت زمین پر کبھی نہ ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مناجات میں مصروف رہے اور آپؐ کی مبارک ردا گر گئی۔ اس وقت حضرت ابو بکر حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپؐ کی ردا کو درست کیا اور از جانب پشت آپؐ سے چمٹ گئے اور عرض کی۔ کَفَاكَ مَنَاشِدَتَكَ رَبِّكَ فَاِنَّهُ سَيَنْجُوْكَ مَا وَعَدَكَ فَاَنْزَلَكَ اللّٰهُ۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اِنِّیْ مُدَّ كُمْ بِالْفِیْءِ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَیْنُ



بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ یعنی کفایت کرتی ہے آپ کو آپ کی فریاد اپنے پروردگار سے۔ جو وعدہ اس نے آپ سے کیا ہے یقیناً وہ اس کو پورا کرے گا۔ اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو پہنچا تمہاری پکار کو کہ میں مدد بھیجوں گا تمہاری ہزار فرشتے جن کے پیچھے آریں اور یہ تودی اللہ نے فقط خوشخبری اور تاجین پکڑیں دل تمہارے اور مدد نہیں مگر اللہ سے اللہ زور اور ہے حکمت والا“

نہایت ہی نازک موقع پر سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے طلب کی کسی غیر کی طرف آپ نے التفات نہ کی۔ شیخ گویا یاری جیسا کہ ان کے تذکرہ نگار لکھ رہے ہیں اپنے ان موکلوں کو یاد کر رہے ہیں جن کو مطیع کرنے کے واسطے تیرہ سال سات ماہ سنیا سیوں کی شکل و صورت بنائے رہے۔ اُن کے تذکرہ نگار لکھتے ہیں: ”حضرت شیخ محمد غوث کو اچانک جلال آیا اور آپ نے فرمایا: ”مترسخ تو کجائی تا کار خود نمائی“ مترسخ تو کہاں ہے تاکہ اپنا کارنامہ دکھائے۔ آپ کے فرماتے ہی ایک تلوار نمودار ہوئی اور مغرب تک چمکتی چلی گئی۔“

پروردگار جل شانہ کا ارشاد وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ۔ مدد نہیں مگر اللہ سے اور یہاں مترسخ کو توبائی دی جا رہی ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے ان تمام خرافات و کفریات کا خاتمہ کیا۔ آپ فرماتے ہیں: ”اسباب نامشروع اور غیر مسنون طریقوں سے جو احوال و مواجید ظاہر ہوتے ہیں وہ سب از قسم استدراج ہیں۔ حکمائے یونان و جوگیہ اور ہندو براہمہ اس معنی میں شریک ہیں۔“

۸۔ وحدت وجود اور وحدت شہود | اس سلسلہ میں شیخ اکبر اور حضرت مجدد کے کشوفات بیان کئے جا چکے ہیں حضرت مجدد نے ملحدین کے واسطے راستہ بند کر دیا اور فرما دیا۔ جو وحدت اہل توحید کو فنایت میں نظر آتی ہے وہ ایک حال ہے اور اس سے بالاتر صحو و آگاہی کا مقام ہے جہاں پر اسرارِ مالِ شراب و زبِ الادب کا ظہار ہوتا ہے۔

کہاں مُشتِ خاک و بُنیع و ذلیل کہاں بارگاہِ رفیع و جلیل اور سالک کی زبان پر بُنیحاناک ثُبُتِ اَیْنِکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ جاری ہوتا ہے یعنی تیری زلف پاک ہے میں نے توبہ کی تیرے پاس اور میں سب سے پہلے یقین لایا۔

۹۔ طریقت و حقیقت خادمانِ شریعت | اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے اس نے حضرت مجدد کو حکمت و بصیرت تامہ عنایت کی۔

لے فقیر منزل بیڑہ حضرت جی، زیر قلعہ گویا باریں حضرت جی محمد غنی اور ان کے صاحبزادے محمد رضا کے پاس شیخ محمد غوث گویا باری کی قدیمی ہاتھ کی بنی ہوئی تصویر تھی جس میں ان کو ریشِ مبروت صاف کردہ، لنگوٹی باندھے عبادت کرتے دکھایا ہے۔ ۲۳ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو میں نے یہ تصویر گویا باریں دیکھی تھی۔ اور تجیرہ گیا تھا۔ اللہ فی عبادہ شتون۔ لے کتاب شاہ محمد غوث گویا باری صفحہ ۵۸۔ ۵۹ دفتر اول کے مکتوب ۲۶۶ کو ملاحظہ کیا جائے۔



آپ پر پوری طرح انکشاف ہوا کہ اہل زیغ اور جن کے دلوں میں مرض ہے طریقت و حقیقت کو شریعت سے بالاتر سمجھتے اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ حقیقت کے نام پر گمراہی کو اور باطنیوں کے مسلک کو رائج کر رہے ہیں۔ آپ نے ان سب مفاسد کا ایسا سد باب کیا کہ کسی کو جائے دم زدن نہ رہی۔ اس سلسلہ میں آپ نے لکھا ہے۔

”مخدوم! منازل سلوک طے کرنے اور مقامات جذب قطع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ حاصل اور مقصد تمام سیر و سلوک کا یہ ہے کہ مقام اخلاص حاصل ہو جائے جو کہ تمام آفاقی اور انفسی معبودوں کی فتنہ پر منحصر ہے۔ شریعت کے تین اجزاء ہیں۔ علم، عمل اور اخلاص، طریقت اور حقیقت اخلاص کے خادم ہیں (یعنی طریقت و حقیقت کے جتنے منازل طے ہونگے اسی قدر اخلاص میں قدم راسخ تر ہوتا جائے گا) میں نے جو بات کہی ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے لیکن ہر شخص کی عقل اس کے سمجھنے سے قاصر ہے اور وہ خواب و خیال میں گرفتار ہے وہ اخروٹ اور کشمش جیسی معمولی اشیاء پر اکتفا کئے ہوئے ہے نہ وہ شریعت کے کمالات کو سمجھا ہے اور نہ طریقت و حقیقت کی تہ تک پہنچا ہے وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ شریعت چھلکا ہے اور حقیقت گودا۔ اس کو اصل کار کی خبر نہیں ہے۔ وہ صوفیہ کی لالچنی باتوں پر فریفتہ اور احوال و مقامات پر مفتوں ہو گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ سیدھی راہ پر لگائے اور اللہ کا سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر ہو“ لہ اور آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

”ضرورت دو باتوں کی ہے۔ اللہ کے سوا کسی سے تعلق نہ رہے اور ان اعمال کو برائے کار لایا جائے جن کا تعلق بدن سے ہے اور شریعت نے ان کا حکم دیا ہے۔ جو شخص بغیر اعمال بدنیہ کے قلب کی سلامتی کا دعویٰ کئے۔ اس کا دعویٰ غلط ہے جس طرح دیوی زندگیاں میں بغیر جسم کے روح نہیں ہوتی بلکہ اس کا خیال تک نہیں کیا جاسکتا اسی طرح احوال قلبیہ کا ظہور بغیر بدنی اعمال کے محال ہے۔ اس زمانہ کے اکثر ملحد اس قسم کے دعوے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں ان کے برے عقائد سے بچائے“ لہ

اور آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت سید البشر کی حرمت سے جو زیغ بصر سے محفوظ تھے، ہم کو ماسویٰ کی طرف التفات کرنے سے بچا کر اور خود اپنے سے چھڑا کر شاہ راہ شریعت پر استقامت عطا فرمائے۔ ع  
”از ہر چہ می زود سخن دوست خوشتر است“ جو کچھ ہو رہا ہے محبوب کا ذکر اس سے بہتر ہے۔

مقصد سنو، شریعت اور حقیقت فی الواقع ایک دوسرے کا عین ہیں۔ ان میں کوئی مغایرت نہیں۔ اگر فرق ہے تو صرف۔ اجمال و تفصیل، کشف و استدلال، غیبت و شہادت، تعقل اور عدم تعقل



نہ ہے۔ جو احکام اور جو علوم شریعت سے ظاہری طور پر معلوم ہوئے ہیں ہی احکام و علوم جب حق الیقین کی حقیقت سے متحقق ہو کر تفصیل کے ساتھ منکشف ہوتے اور غیبت سے شہادت میں آتے ہیں، اس وقت کسب اور عمل کی تکلیف باقی نہیں رہتی حق الیقین کی حقیقت کے مقام تک پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ اس مقام کے علوم و معارف کا پورا تطابق شریعت کے علوم و معارف سے ہو جائے۔ اگر بال برابر بھی فرق باقی رہے تو حقیقت الحقائق یعنی اصل تک نہ پہنچنے کی دلیل ہے۔ حضرات مشائخ میں سے جس نے بھی علم و عمل میں شریعت سے اختلاف کیا ہے سُکر و مدہوشی کی وجہ سے کیا ہے جو راہ سلوک میں پیش آتی ہے۔ اور وہ افراد جو انتہا کو پہنچ گئے ہیں وہ ہر وقت ہوش میں رہتے ہیں۔ وقت اُن کا مغلوب ہے اور حال و مقام اُن کے کمال کا پیر و اور مطیع۔

جب معاملہ کی حقیقت یہ ہوئی جو میں نے بیان کی ہے تو اس صورت میں ان افراد کی بے انتقامی ظاہر ہے جنہوں نے شریعت کو چھلکا اور حقیقت کو گودا قرار دیا ہے۔ اب اگر چھلکے اور گودے سے ان کی مُراد تفصیل و اجمال ہے تو پھر بات اور ہے کیونکہ اجمال خلاصہ ہے تفصیل کا اور اس طرح اسکو گودا کہہ دیا گیا۔ مع ہذا وہ اکابر جن کے احوال مستقیم ہو چکے ہیں وہ ایسی بات نہیں کہتے جو غلط فہمی میں ڈالے، بلکہ وہ شریعت و طریقت کے فرق کو اجمال و تفصیل اور استدلال و کشف سے بیان کرتے ہیں جعفر خواجہ نقشبند سے کسی نے سیر و سلوک کا مقصد دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ جو معرفت اجمالی اور استدلالی ہے وہ تفصیلی اور کشفی ہو جائے۔ لہ

اور آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

شریعت کے تین اجزاء علم و عمل و اخلاص ہیں۔ جب تک ان اجزاء کا تحقق نہ ہو شریعت متحقق نہیں۔ شریعت کے متحقق ہونے سے اللہ کی رضا مندی حاصل ہوتی ہے جو کہ دنیوی اور آخری سعادتوں میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ اور رضا مندی اللہ کی سب سے بڑی ہے۔ تمام سعادتوں کی متکفل چاہے وہ دنیوی ہوں یا آخری، شریعت ہی۔ لہذا ہم کو غرض شریعت ہی سے ہے کسی اور شے سے نہیں۔

صوفیہ کا امتیاز طریقت اور حقیقت سے ہے اور یہ دونوں شریعت کے خادم ہیں۔ ان کا کام شریعت کے تیسرے جز کی جو اخلاص ہے خدمت کرنی ہے۔ اور طریقت و حقیقت کو حاصل کرنے کا مقصد شریعت کی تکمیل کے سوا اور کچھ نہیں۔ صوفیہ کو اثنائے راہ میں جو احوال و مواجید اور علوم و معارف پیش آئے ہیں وہ مقصود اور مطلوب نہیں ہیں بلکہ وہ ادھام و خیالات ہیں جن کو سے اطفال طریقت کو خوش کیا جاتا ہے اور اس طرح مبتدیوں کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ ان تمام



احوال و مواجید سے گزر کر رضا کے مقام تک پہنچنا ہوتا ہے جو جذبہ و سلوک کے مقامات میں سب سے آخری مقام ہے۔ تینوں تجلیات کے بعد یعنی تجلی فعلی، تجلی صفتی، تجلی ذاتی اور عارفانہ مشاہدات کے بعد ہزاروں میں سے کسی ایک کی دولتِ اخلاص اور مقامِ رضا تک رسائی ہوتی ہے۔ نا سمجھ افراد احوال اور مواجید کو مقاصد اور مشاہدات و تجلیات کو مطالب سمجھ بیٹھے ہیں اور وہم و خیال میں پھنس کر شریعت کے کمالات محروم رہ گئے ہیں۔ کَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ۔ بھاری پڑتا ہے شریک کرنے والوں کو جس طرف تو بلاتا ہے ان کو، اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع لاوے۔ معاملہ یہ ہے کہ اخلاص کے مقام کا حاصل کرنا اور رضا کے مقام تک پہنچنا ان احوال و مواجید کے طے کرنے اور ان علوم و معارف کے تحقق سے وابستہ ہے اور یہ سب اشیا مقصود تک پہنچنے کے اسباب و وسائل ہیں۔ پورے دس سال کے بعد حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ یہ حقیقت حقیر پر منکشف ہوئی اور شاہد شریعت جلوہ گر ہوا۔ حضرت شاہ عبدالقادر نے آیت مندرجہ بالا کا ترجمہ لکھ کر موضح قرآن میں یہ فائدہ لکھا ہے۔ "اصل دین ہمیشہ ایک ہے۔ اس کو قائم کریں گے۔ طریق ہر وقت جدا ٹھہر دئے ہیں اللہ نے۔"

عالم چو کتابیت پُر از دانش و داد صحائف قضا، جلد دے است بدو و معاد  
شیرازہ شریعت و مذاہب اوراق اُمت ہمہ شاگرد و پیب استاد  
حضرت مجددؒ کو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نسبت غلامی تھی آخر اس نے اپنا اثر دکھایا اور کامل دس سال کے بعد معاملہ کی حقیقت "عین الیقین" ہو کر آپ پر ظاہر ہوئی کہ طریقت و حقیقت جن پر حضرات صوفیہ کو ناز ہے خادمانِ شریعت ہیں۔ اَللّٰهُ الدِّينُ الْخَالِصُ۔ سنتا ہے، اللہ کو ہے بندگی نری۔ آپ کے اس اعلان نے تمام گمراہیوں کے راستے مسدود کر دیے۔ دین ہمیں تروتازہ ہوا اعلان اللہ نے آپ کو خلعتِ تجدید پہنا کر آپ کے سر پر تاجِ صلہ رکھ دیا۔ هِنِيْمًا لَهُ ثُمَّ هِنِيْمًا لَهُ۔

سلام از ارشد ہر دم بہ جانش الہی از توجرت بر روانش  
لِيَمِثِلْ هَذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ



## آپ کی مخالفت

حَسَدُ الْفَتَى إِذْ لَمِنَا لَوَاسِعِيْهُ فَانْكَرُ اَعْدَائِهِ لَهُ وَخُصُومُهُ

(ترجمہ) جب اس جوانمرد کی مساعی تک کوئی نہ پہنچ سکا تو سب اس کے اعداء اور دشمن ہو گئے۔ حضرت مجددؒ نے فِرَقِ بَاطِلہ اور اہل زُیغ کا رد کیا، علماء سُور کی جاہ پرستی اور دنیا طلبی کا اظہار کیا لہذا یہ سب آپ کے مخالف ہو گئے۔ چوں کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے یا جو معارف بیان کئے ہیں وہ زبانِ قلم سے کئے ہیں اور وہ صفحاتِ اوراق پر ثبت ہیں۔ اس لئے آپ کے مخالفوں کے لئے صرف دو صورتیں تھیں، کہ یا تو وہ آپ کی تحریرات کا غلط مفہوم بیان کریں، یا آپ کی تحریرات میں تحریفات کریں، تاکہ پھر آپ پر کفر و زندقہ کا حکم عائد کر کے بدنام کریں اور اس طرح اپنے کو رُسُوئی سے بچا سکیں۔ چنانچہ انھوں نے ان دونوں صورتوں سے کام لیا ہے۔

غلط مفہوم کے سلسلہ میں مفتی غلام سرور لاہوری اور شیخ بدرالدین سرہندی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔

**مفتی غلام سرور کا بیان** | اور جہاں کی وجہ سے جہانگیر کے دربار میں رَوَافِض کا اثر و رسوخ بڑھ گیا تھا اور چونکہ حضرت مجددؒ نے رَوَافِض کے رد میں رسائل لکھے تھے رسالہ رَوَاشِیعہ اور مکاتیب طویلہ اس لئے وہ آپ کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔ انھوں نے آپ کے مکاتیب کا غلط مفہوم بادشاہ کے سامنے پیش کیا اس سلسلہ میں شیخ عبدالحق نے بھی اعتراضات کئے ہیں اور کچھ لکھا ہے۔ درباری علماء نے رافضی امر کی وجہ سے آپ کے قتل کا فتویٰ دیا تھا لیکن جہانگیر نے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں بند کیا۔

**شیخ بدرالدین کا بیان** | جب حضرت مجددؒ کو جہانگیر بادشاہ نے آگرہ طلب کیا تو شاہزادہ شاہجہاں نے جو آپ کا مخلص تھا علامہ افضل خاں اور مفتی عبدالرحمن کو فقہ کی کتابیں دے کر آپ کے پاس بھیجا اور خواہش ظاہر کی کہ "آپ بادشاہ کو سجدہ تحیت کر لیں۔ میں اس صورت میں ضامن ہوتا ہوں کہ بادشاہ سے آپ کو تکلیف نہ پہنچے گی" آپ نے علماء سے فرمایا۔ یہ رخصت ہے یعنی جان بچانے کے لئے جواز کی صورت، عزیمت یعنی اصل کار یہی ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے چنانچہ جب

لے خزینۃ الاسفیاء کے صفحہ ۵۷۸ سے ۵۸۰ تک ملاحظہ کریں۔



آپ بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے تو بادشاہ نے آپ سے کہا: ”تم نے لکھا ہے کہ میرا مرتبہ صدیق اکبر کے مرتبہ سے افضل ہے۔“

بادشاہ کی اس بات کا تعلق آپ کے اس عریفہ سے ہے جو آپ نے اپنے پیر و مرشد کو لکھا ہے اور دفتر اول کا گیارہواں مکتوب ہے۔

آپ نے فرمایا میں نے تو یہ بات لکھی ہے۔ پھر اس کی تشریح فرمائی۔ آپ کی بات سن کر جہانگیر کا قہر زائل ہوا۔ مخالفوں نے جب دیکھا کہ ان کی محنت رائگان جا رہی ہے تو انھوں نے بادشاہ سے کہا۔ اس شیخ کے تکبر کو آپ ملاحظہ کریں۔ آپ ظل اللہ ہیں اور آپ کو اس نے نہ سجدہ کیا اور نہ وہ احترام بجالایا جو عام طور پر رائج ہے (یعنی دونوں ہاتھ سینہ پر رکھ کر سر کو کسی قدر جھکانا جو بخارا وغیرہ میں اب تک رائج ہے) یہ سن کر بادشاہ کو غصہ آیا اور اس نے آپ کو قید کرایا۔

**داراشکوہ کا بیان** | تحریف و افترا کے سلسلہ میں داراشکوہ نے ”سفینۃ الاولیاء“ میں لکھا ہے۔

”شیخ احمد کابلی قدس اللہ سرہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کا وطن سرہند ہے، سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ کے مرید ہیں اور قادریہ و چشتیہ مشائخ سے بھی اجازت ارشاد حاصل ہے۔ وہ صاحب ریاضت اور مجاہدہ تھے۔ اواخر احوال میں آپ پر بعض لوگوں نے تہمت لگائی کہ وہ اپنے مرتبہ کو خلفائے راشدین کے مرتبہ سے زیادہ سمجھتے ہیں لیکن یہ بات خالص افترا ہے کیونکہ سیادت و نقابت پناہ فضائل و کمالات دستگاہ افضل فضلاء عصر علامی فہامی استاد میرک شیخ بن شیخ فصیح الدین سے میں نے خود سنا ہے کہ ایک مرتبہ میرا گزر سرہند میں ہوا اور شیخ احمد سے میری ملاقات ہوئی۔ اثنائے ملاقات میں یہ خیال آیا کہ اگر شیخ میں خدا شناسی ہے تو وہ از خود میری ان تین باتوں کا جواب دیں۔ میں سمجھ لوں گا کہ جو کچھ ان کے متعلق کہا جاتا ہے وہ خالص جھوٹ اور افترا ہے۔ چنانچہ جن تین باتوں کا خیال آخوند کو آیا تھا ان کا صحیح جواب شیخ نے دیا اور حضرت آخوند جناب شیخ کے معتقد ہو گئے اور ان کے ارشاد کے بموجب اس فقیر کو یقین ہو گیا کہ شیخ احمد سرہندی صاحب حال تھے آپ کی وفات ۱۰۳۷ھ میں ہوئی اور قبر سرہند میں ہے۔“

مطبوعہ نسخہ میں تینوں باتوں کی تفصیل ہے لکھا ہے۔

میرے دل میں خیال آیا کہ اگر شیخ میں کرامت ہے تو وہ از خود بیان کریں وہ جو کہ ان کے متعلق لوگ کہتے ہیں۔ اور ان کے پیر خواجہ باقی کے متعلق کہ ان کو اپنے پیر سے اجازت ارشاد نہ تھی اور خواجہ خاوند محمود کے متعلق کہ وہ کیسے ہیں۔ اور میں شیخ کے سامنے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ شیخ نے مسئلہ کے ایک گوشے کے نیچے سے ایک جڑ نکال کر بھکودیا اور کہا۔ آپ اس کو مطالعہ فرمائیں، اور جب



میں مطالعہ کر چکا تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا۔ کیا اس تحریر میں کوئی بات قابل گرفت ہے۔ میں نے کہا نفس تحریر میں کوئی بات نہیں ہے اور یہ بیان درست ہے آپ نے فرمایا۔ ”بدانید آنچه از ما واقع شدہ ہمین است و باقی افرا است“ آپ یقین کریں کہ میں نے صرف یہی لکھا ہے اور باقی سب افرا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا۔ خواجہ خاوند محمود آئے تھے اور بیان کرتے تھے کہ خواجہ باقی کو اپنے پیر سے صراحتاً اجازت ارشاد نہیں ملی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن اُن کے پیر خواجگی اکنگی خربزہ کھائے تھے اور حاضرین و مریدین کو اپنے ہاتھ سے ایک ایک پھانک کاٹ کر دے رہے تھے۔ خواجہ باقی کو انہوں نے پھانک نہ دی کسی نے کہا کہ خواجہ باقی بھی حاضر ہیں۔ حضرت خواجگی نے کہا کہ میں اُن کو ایک مُسلم خربزہ دے چکا ہوں۔ اس بات سے خواجہ باقی یہ سمجھے کہ ان کو اجازت ارشاد مل گئی ہے۔ یہ بات سن کر میں نے خواجہ خاوند محمود سے کہا۔ اس بات کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مجھ سے نہ میرے پیر نے یہ بات کہی ہے نہ کسی دوسرے نے بلکہ خواجہ باقی تو مرید کرنے سے انکار کر رہے تھے اور عرض کر رہے تھے میں اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا اور مولانا خواجگی نے ان سے فرمایا۔ میں نے تم کو اجازت دی ہے اور تم کو یہ کام کرنا چاہئے۔ اور مجھ سے اس عرصہ میں چند کہن سال افراد نے کہا ہے کہ ہم اس مجلس میں موجود تھے جس میں مولانا خواجگی نے مولانا باقی کو اجازت ارشاد دی تھی۔ خواجہ خاوند محمود میری بات سن کر بولے تو پھر میں نے غلط بات سنی ہے۔ اس کے بعد شیخ احمد نے مجھ سے کہا۔ خواجہ خاوند کے مرید جو کچھ ان کے متعلق کہتے ہیں میری نظر میں ویسے نہیں ہیں۔ میرا اعتقاد ان پر نہیں ہے لہ

دارا شکوہ کی تحریر سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت مجدد کے خلاف دشمنوں کی سرگرمیاں آپ کے آواخر دور میں شروع ہوئیں۔ اور آپ کے جن مکاتیب پر حرف گیری کی گئی ہے ان کا سر دفتر وہ عریضہ جو جو آپ نے اپنے پیر و مرشد کو لکھا ہے اور جس کو پڑھ کر حضرت خواجہ خوش ہوئے ہیں۔ اگر فی الواقع آپ کے مکتوب میں قباحات تھیں تو اٹھارہ سال تک خاموشی کیوں اختیار کی گئی۔ اور حضرت خواجہ نے اس کی تصویب کس طرح فرمائی۔

یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مجدد کے جن مکاتیب میں تحریف و تزویر سے کام لیا گیا ہے وہ تھوڑے ہیں لیکن جاہلان کی تشہیر کر دی گئی ہے۔ اور یہ کام حضرت مجدد کی حیات میں ہوا ہے۔ حضرت مجدد نے ان مکاتیب کو جن میں تحریف کی گئی ہے ایک جگہ لکھوا کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر میں مولانا وکیل احمد سکندر پوری کی کتاب ہدیہ مجددیہ سے شاہ فتح محمد فتحپوری چشتی کی کتاب مناقب العارفین کی عبارت نقل کرتا ہوں جس سے حقیقت کھل کر سامنے آرہی ہے۔ مولانا وکیل احمد نے لکھا ہے۔

لے سفینۃ الاولیاء مطبوعہ ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۹۸ ۱۲۵ مولانا وکیل احمد طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں اشرف علی حیدر آبادی سے (باقی اگلے صفحہ)



## شاہ فتح محمد کا بیان

شاہ فتح محمد فتھپوری چشتی در مناقب العارفین آورده۔ ”چوں بر اقام  
احوال شیخ احمد کابلی رسیدم و مکتوبات اورا مع معارضات شیخ عبدالحق  
دہلوی ملاحظہ کردم تحریرم افرو و کہ چہ نویسم با وجود صد و چہین کلمات کفر در حق ختم المرسلین صلی اللہ علیہ  
وسلم و اہانت اولیاء را کہ ارض و سما بر علو مرتبہ آنها شہادت می دہد بچہین اکابر مثل شیخ آدم بنوری و  
دیگر کسانی کہ در سلسلہ وے داخل اند اکثرے علماء و محدثین صاحب حال و قال اند چساں اتباع کردند  
خصوصاً علماء بلخ و بخارا و کابل کہ در تدین و صلابت دین نظیرے نہ دارند اکثرے بہہین سلسلہ متسک  
اند پس برائے تفتیش حال وے قصد و بی کردم و از شیخ نورالحق ابن شیخ دہلوی ملاقی شدہ استفسار حال  
وے نمودم۔ بہ تحقیق پیوست کہ شخصے حسن خان نامی از قوم افغان از مریدان شیخ کابلی چیزے ازوے آردگی  
پیدا کردہ مسودات مکتوبات شیخ را کہ نزد وے بود ازاں تحریف کرد و بہت نسخہ نویسانیدہ بجا بجا منتشر  
گردانید چون نقل مکتوبات بہ شیخ دہلوی کہ از خلفائے شاہ عبدالباقی بود رسیدہ کمال متوحش شدہ مکتوباتے  
در رد آن اقوال کا ذبہ شیخ کابلی نوشت و بسیار زجر و توبیخ کرد از انجا شیخ کابلی مسودات خود را کہ دستخطی بودہ  
بجسہ نزد شیخ دہلوی فرستاد و نوشت کہ معاذ اللہ کہ از من چہین کلمات بہ صدور پیوستہ باشد یکے از مریدان  
من مژدو بہ طریقت گشتہ این فتنہ بر پا ساخت و مراد ہدف بر نا و پیر نمود و آخر بہ دُعائے من گرفتار شدہ  
در بخارا در تہمت ایداد گشتہ شد بعد دریافت آن شیخ دہلوی در توصیف آن مقال و اعتذار عدم علم بدین  
حال مکتوبے نوشت چنانچہ آن مکتوب شیخ دہلوی دستخطی شان ملاحظہ کردم۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔  
و اگرچہ نزد وے زمرہ اہل وجد و سماع از جنس فساق ایم لیکن بہ حکم ظَنُّوا الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا۔ راہ انصاف  
پیمودہ در پے تفتیش حال وے شدیم۔ انتہی۔ لہ

یعنی جب شیخ احمد کابلی کے حالات لکھنے کا موقع آیا اور میں نے ان کے مکتوبات کو اور پھر شیخ عبدالحق  
دہلوی کے اعتراضات کو پڑھا حیرت میں پڑ گیا کہ میں ایسے شخص کے متعلق کیا لکھوں کہ ایک طرف تو ان  
سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے کلمات کفر صادر ہوئے ہیں اور ایسے بلند پایہ اولیاء کی  
اہانت کی ہے کہ جن کی بزرگی و جلالت قدر پر آسمان و زمین گواہی دیتے ہیں اور دوسری طرف شیخ (سید)  
آدم بنوری جیسے اولیا ان کے مرید ہوں اور صاحب حال و قال علماء و محدثین ان کے سلسلہ سے وابستہ

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے) بیعت تھے وہ خلیفہ شاہ سعد اللہ کے جن کا مزار حیدر آباد کن میں ہے وہ خلیفہ حضرت شاہ ابوسعید اور ان کے  
مرشد حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے۔ قدس اللہ اسرارہم۔ مولانا دکیل احمد نے سنہ ۱۳۰۹ء میں کتاب انوار احمدیہ اور سنہ ۱۳۱۱ء میں کتاب  
ہدیہ مجددیہ اور سلسلہ میں۔ الکلام المنبئی بر قرایمادات البرزنجی لکھی ہے۔ پہلی دو کتابیں فارسی میں اور پچھل عربی فصیح میں ہے  
یہ تینوں کتابیں مولوی عبدالاحد نے مطبع مجتبیٰ دہلی میں طبع کی ہیں۔ ان تینوں کتابوں میں ان اعتراضات اور اتہامات کا رد  
ہے جو نادانوں نے حضرت مجدد پر کئے ہیں۔ مولانا دکیل احمد نے جس شانستہ علمی انداز سے یہ کتابیں لکھی ہیں قابلِ صد  
تائیس ہیں۔ رحمہ اللہ درمنی عنہ۔ لہ ہدیہ مجددیہ صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۵



ہوں اور خاص کر بلخ و بخارا و کابل کے علماء جو تہذیب اور صلاحیت دین میں اپنی نظیر نہیں رکھتے ہیں ان کے سلسلہ میں داخل ہوں۔ اس صورت حال کے پیش نظر میں حقیقت معلوم کرنے کے لئے دہلی روانہ ہوا۔ اور وہاں شیخ نورالحق سے ملا جو کہ شیخ عبدالحق کے صاحبزادے ہیں۔ ان سے مجھ کو حقیقت کا پتہ چلا اور میں اس کو لکھتا ہوں۔

حسن خان افغان شیخ احمد کا مرید تھا وہ کسی بات پر ان سے آزرہ ہوا۔ اس کے پاس شیخ احمد کے کچھ مکاتیب تھے اس نے ان مکاتیب میں تحریفات کیں اور پھر ان کے بیس نسخے لکھوا کر منتشر کئے جب شیخ عبدالحق کے پاس جو شاہ عبدالباقی کے خلیفہ ہیں وہ خطوط پہنچے، تو بہت ناراض ہوئے اور ان کے رد میں خطوط لکھ کر شیخ احمد کا بی کو ارسال کئے۔ شیخ کے خطوط زبردستی بھرے تھے۔ شیخ کا بی نے اسل خطوط کی نقل اپنے ہاتھ سے لکھ کر شیخ عبدالحق کو ارسال کی اور ان کو لکھا۔ ایسی تحریر سے اللہ مجھ کو محفوظ رکھے۔ میرے مریدوں میں سے ایک شخص مجھ سے برگشتہ ہوا اور یہ فتنہ پھیلا کر مجھ کو ہر چھوٹے بڑے کا ہدف ملامت بنایا۔ بالآخر میری بددعا اس کو لگی اور وہ بخارا میں ارتداد کی تہمت میں مارا گیا، جب شیخ دہلوی پر یہ بات کھلی تو انہوں نے ایک مکتوب لکھا جس میں آپ کے بیان کی تعریف اور اپنی لاعلمی کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وہ تحریر میں نے ملاحظہ کی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

اگرچہ ان کے نزدیک ہم اہل وجد و سماع فاسق ہیں تاہم ”ظَنُّوا الْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا“ پر نظر رکھتے ہوئے میں نے رِہ انصاف اختیار کی اور ان کے حال کی تفتیش میں لگا۔ ۱۴

شاہ فتح محمد کی تحریر سب کے سامنے ہے۔ ان کا انداز تحریر بتا رہا ہے کہ وہ اپنے بیان میں سچے ہیں۔ وہ یقیناً شیخ نورالحق سے ملے ہیں۔ اور انہوں نے جناب شیخ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی تحریر بھی دیکھی ہے۔ حضرت میرزا جان جانان مظہر شہید قدس سرہ کا بیان ”اخلاص نامہ“ کے سلسلہ میں آگے آ رہا ہے آپ ایک طویل مکتوب کا ذکر کر رہے ہیں جو جناب شیخ نے اپنی اولاد کے نام لکھا ہے آپ کے بیان سے شاہ فتح محمد کے کلام کی تائید ہوتی ہے۔

اس دور کے بعض فضلا غیر مجددی ذرائع کی تلاش میں ہیں تاکہ طرفداری کا شائبہ باقی نہ رہے شاہ فتح محمد کا بیان ایسے افراد کے لئے وقیع ہونا چاہئے کیونکہ نہ وہ مجددی ہیں نہ حقیقی۔ نہ ان کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ سے ہے نہ قادریہ سے۔ وہ حضرات چشت سے وابستہ ہیں اور انہی کے مسلک کے دلدادہ۔ وہ جو یائے حقیقت اور صاف گو ہیں۔ چلتے چلا تے ایک چوٹ کر گئے۔ کہ ہم اہل وجد و سماع اگرچہ ان کی نظریں فاسق ہیں لیکن ہم نے رِہ انصاف نہیں چھوڑی اور ظَنُّوا الْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا کو بھی نہ بھولے۔ شاہ فتح محمد کے بیان سے جناب شیخ کا دامن الزام تراشی اور تہمت طرازی سے پاک ہو رہا ہے۔ کیونکہ جناب شیخ کا وہ طولانی مکتوب جس کو حضرت مجدد کے معاندین بڑی وقعت دے رہے ہیں



گو یا کہ صحیفہ آسمانی ہے۔ سب کے سامنے ہے۔ اور حضرت مجدد کے رسائل اور مکتوبات بھی پیش نظر ہیں۔ اٹھا کر دیکھ لیا جائے کہ حضرت مجدد کی جن عبارتوں کو نقل کیا گیا ہے، وہ درست ہیں یا نہیں، اور یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ بالکل من گھڑت کتنے افسانے درج ہیں۔ جناب شیخ کو حضرت مجدد سے ہزار اختلاف کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ ایسا حرام فعل کسی حال میں نہیں کر سکتے کہ کسی کی عبارت کو بدلیں۔ یقیناً جناب شیخ کو بد طینت افراد نے دھوکہ میں ڈالا ہے۔ اور جب ان پر حقیقت ظاہر ہوئی تو انھوں نے اس کو بیان کر دیا۔

میں نہیں کہتا کہ جناب شیخ کو مسائل طریقت میں حضرت مجدد سے اختلاف نہیں تھا، جناب شیخ نے ”سیر مرادی“ اور ”وصل غریبان“ کے سلسلہ میں حضرت مجدد کے بیان کردہ معارف سے اختلاف کیا ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ اختلاف زائل نہیں ہوا بلکہ آخر تک رہا۔ اس کا بیان عنقریب آنے والا ہے۔

معاندوں نے نہایت منظم طریقے سے حضرت مجدد کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی، انکے دام فریب میں بہت سے سادہ لوح افراد گرفتار ہو گئے تھے۔ انہی میں سے ایک جناب شیخ عبدالحق ہیں جہاںگیر بھی ان کی غلط باتوں سے متاثر ہوا تھا کیوں کہ اس نے جو بات آپ سے کہی وہ صحیح نہ تھی اور جو فتویٰ درباری علمائے حضرت مجدد کے قتل کا دیا تھا وہ بھی غلط الزامات کی بنا پر تھا۔ حضرت مجدد کے معاندوں اور درباری علماء کے حسب حال ابن خفاجہ اندلسی کے یہ دو شعر ہیں۔

دَرَسُوا الْعُلُومَ لِيَجْلِبُوا بِحَدِّ الْإِهِمَّةِ  
فِيهَا صُدُّوا مَرَاتِبَ وَهَجَالِيسِ  
وَتَرَهَّدُوا حَتَّى أَصَابُوا فُرْصَةً  
فِي أَخْذِ مَالٍ مَسَاجِدَ وَكُنَائِسِ

ترجمہ: علوم دین کو اس واسطے پڑھا کہ اپنی چکنی پٹری باتوں سے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوں اور امیروں کی محفلوں تک رسائی ہو۔ ان لوگوں نے دینداروں کی سی شکل اس واسطے اختیار کی ہے کہ موقع پا کر مسجدوں اور معبدوں کا مال لوٹیں۔

وہ فتویٰ بھی اقوال محرفہ کی رو سے لکھا گیا تھا۔ محمد اقبال مجددی نے عبد اللہ خویشگی عبدی قصوری کے احوال و آثار پر ایک مختصر کتاب لکھی ہے۔ اس میں معارج الولايت سے ایک استفتاء اور فتویٰ نقل کیا ہے۔ سائل جو سوال کرے گا اور جن الفاظ سے کرے گا مفتی اسی کا جواب لکھے گا۔ جو استفتاء ہے وہ محرف عبارات سے لکھا گیا ہے لہذا جواب لکھنے والوں نے دل کھول کر تکفیر و تضلیل کی ہے۔ کسی نے ملحد لکھا ہے اور کسی نے واجب القتل قرار دیا ہے لہ

زباں پر وہ آئے گا جو من میں ہے رسیگا وہی جو کہ برتن میں ہے  
معارج الولايت میں سے کچھ عبارتیں محمد اقبال نے نقل کی ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریفات کی تشہیر بہت زیادہ کی گئی، سادہ لوح اور حقیقت سے بیخبر افراد پر کافی اثر ہوا خاص کر اس وجہ سے کہ شیخ عبدالحق



نے جو آپ کے پیر بھائی تھے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صاحب علم و فضل و تقویٰ اور صاحب تالیفات بھی تھے، ان تحریفات کو قبول کیا تھا اور ان کے رد میں وقتاً فوقتاً کچھ لکھتے رہے تھے۔ معارج الولايت کی ایک تحریر محمد اقبال کی کتاب سے یں نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین کو اس ظلم و ستم کا کچھ اندازہ ہو سکے جو مخالفوں نے آپ کے ساتھ جائز رکھا تھا۔

**خوشگی کی تحریر** | بہ دعوت طالبان حق ارشاد کرو۔ پس وے اکثر طالبان (را) ہدایت نمودے و بہ جانب حق دلالت فرمودے و ہر اجرائے شرایع تقید فرمودے، و تارک شرایع را توہین و زہر

کردے و مرتکب شرایع را دوست داشتے و چوں برائے تحریر نماز برخاستے اغلب اوقات نیت را بہ دل کردے و زبان را ساکت گردانیدے و گفتے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نیت بہ دل کردہ نہ بہ زبان۔ زیرا کہ نیت فعل قلب است نہ فعل لسان۔ و از مشائخ متقدمین ہر کہ قائل بہ وحدت وجود شدہ چنان کہ حسین منصور و شیخ محی الدین عربی و امثال آن اور ائمہ و زندیق گفتے۔ در مکتوبات خود کہ مجلد بہ سہ مجلد است در اکثر مواضع شیخ محی الدین عربی را تکفیر نمودہ و در بعضے محال نسبت مذاہب اعتزال بہ وے ثابت نمودہ و با ایں ہمہ اور از جملہ مقبولان شمرده، و چوں در حدیث نبوی واقع شدہ مِنْ حَقِّهِ لَمْ يَمُتْ حَتَّى وَفَّعَ فِيهِ۔ چنان کہ بر مشائخ شطیحات طعن کردے خود نیز اکثر جا قائل شطیحات شدہ و ازیں جہت جہانگیر بادشاہ شیخ را برگوا لیا و تدتے محبوس ساخت چنان کہ شیخ قرآن را در آنجا حفظ کرد و چوں بادشاہ بر برآرۃ ذمہ او وقوف یافت در معذرت شتافت۔ فرمود کہ حاجت اعتذار نیست زیرا کہ درس جس بہ حفظ کلام الہی مستعد شدم۔ و چوں ایں حقیر را بر مشائخ اعتقاد صحیح و عقیدہ صریح است با وجودے کہ علماء عصر و فضلاء دہر ربطلان کلام او و فساد سخنان او فتوی دادہ، بہ حسب طاقت فہم و قدرت ذہن خویش شطیحات ایشان مع ایرادات ایرادی نماید۔ لہ

ذیل میں عبدی خوشگی کی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ کیا جائے۔

”حضرت خواجہ باقی باللہ نے، آپ کو دعوت طالبان حق کی اجازت دی اور طلبگاران حق کو آپ ہدایت کرتے، اللہ کی طرف دلالت فرماتے، احکام شرعیہ کی پیروی کی تاکید کرتے، تارک شریعت کو زہر و توہین کرتے۔ شریعت پر عمل کرنے والے سے خوش ہوتے، جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے اکثر اوقات میں دل سے نیت کرتے، زبان کو حرکت نہ دیتے اور کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل سے نیت کی ہو زبان سے نہیں کی ہے کیونکہ نیت دل کا کام ہے نہ زبان کا۔ اور گزرے ہوئے مشائخ میں سے جو بھی وحدت وجود کا قائل ہوا ہے جیسے حسین منصور اور شیخ محی الدین عربی اور ان کے امثال، ان سب کو وہ ائمہ و زندیق کہتے، اپنے مکتوبات میں جو تین جلدوں میں ہے۔ اکثر جگہ شیخ محی الدین عربی کی تکفیر کی ہے۔ بعض جگہ ان کو



معتزلی قرار دیا ہے۔ اور ان سب کے ہوتے ہوئے ان کو (ابن عربی کو) مقبولان بارگاہ خداوندی کی جماعت میں شمار کیا ہے۔ حدیث نبوی میں واقع ہے۔ ”جو شخص اپنے بھائی کے واسطے گرٹھا کھودے تو مرنے سے پہلے وہ خود اس میں گرے“ چوں کہ آپ اصحاب شطیح مشائخ پر طعن کرتے تھے خود ہی اکثر مواقع میں شطیحات کہہ گئے ہیں (شطیحات کلام شکر ہے جیسے انا الحق اور سبحانی) بنا بریں جہانگیر بادشاہ نے گوالیار میں ایک مدت شیخ کو محبوس رکھا۔ آپ نے وہاں قرآن مجید حفظ کیا اور جب بادشاہ کو آپ کے بری الذمہ ہونے کا علم ہوا تو معذرت چاہی۔ آپ نے فرمایا معذرت خواہی کی حاجت نہیں کیونکہ اس جس میں حفظ کلام الہی کی سعادت میں نے حاصل کی ہے۔

چوں کہ اس حقیر (عبدی) کو مشائخ سے صحیح اعتقاد اور کھلی عقیدت ہے اور باوجود اس کے کہ علمائے عصر اور فضلاء دہر نے ان کے کلام کے ابطال اور ان کی باتوں کے فساد پر فتویٰ دیا ہے۔ پھر بھی اپنی طاقت فہم اور قدرت ذہن کے مطابق ان کی شطیحات کو مع ایرادات کے ذکر کرتا ہوں۔

عبدی کو اعتراف ہے کہ حضرت مجددؒ نے ابن عربی کو جماعت مقبولان میں بھی شمار کیا ہے پھر بھی لکھتے ہیں کہ حضرت مجددؒ نے ابن عربی کی تکفیر کی ہے اور ان کو ملحد و زندیق قرار دیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ عبدی کا علم جزوی تھا، ان کو یہ تک خبر نہ تھی کہ جو شخص شرعاً فاسق ہوتا ہے وہ ولی نہیں ہو سکتا چہ جائے ملحد و زندیق و کافر۔

عبدی نے لکھا ہے، جب بادشاہ کو آپ کی برائت کا علم ہوا تو معذرت خواہ ہوا، اس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ آپ پر جو الزامات لگائے گئے تھے اور آپ کی جو گرفتاری تھی سب ناحق تھے، مع ہذا عبدی ان الزامات کو دہراتے ہیں۔

میں نے حضرت شاہ ولی اللہ کی عبارت اور اس کا ترجمہ ابتدا میں لکھا ہے آپ نے کیا خوب کہا ہے۔ ”اللہ تعالیٰ نے جو طریقہ اپنے انبیاء کے ساتھ رکھا اور جو اس کی عادت مستمرہ ہے وہی اس نے حضرت مجددؒ کے ساتھ کیا کہ ظالموں اور مبتدعین نے آپ کو ایذا پہنچائی اور متقیشف (خشک) فقہانے انکار کیا تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات میں اضافہ کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنت میں بیشی ہوتی ہے۔“ حضرت شاہ صاحب کا کلام اگرچہ مختصر ہے لیکن بہت وقیع ہے، آپ نے شریعت مطہرہ کے حکم سے آگاہ کر دیا ہے کہ جس شخص کو ایذا پہنچائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے مراتب بڑھاتا ہے اور جس شخص پر غلط الزام لگایا گیا، جب تک وہ الزام دہرایا جائے گا، اللہ تعالیٰ الزام لگانے اور اس کو دہرانے والوں کی نیکیاں اس شخص کو دیتا رہے گا اور اگر الزام لگانے یا دہرانے والوں کی نیکیاں نہیں ہیں تو اس شخص کے گناہوں کو الزام لگانے والوں کے حساب میں جمع کرتا رہے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے جو بات کہی ہے اور جس مضمون کو آپ نے اس طریقہ پر بیان کیا ہے اسی کو



حضرت مجدد نے عجب والہانہ انداز سے بیان فرمایا ہے۔ آپ نے جناب شیخ عبدالحق کو تحریر فرمایا ہے۔  
**ایک مکتوب** | ”مخدوم! مکرم! مصائب کے نازل ہونے میں اگرچہ دکھ درد اٹھانا پڑتا ہے لیکن ان میں بھلائیوں کی توقعات ہیں اس حیات کا عمدہ تحفہ رنج و غم اور اس ماندہ (فنان) کی لذیذ تر نعمت اندوہ و الم ہے، یہ مصری کی ڈلیاں ہیں جن کو کڑوی دوا کے غلاف میں لپیٹ کر آزمائش کا دروازہ کھول دیا ہے، خوش نصیب اور سعادت مند وہ افراد ہیں جن کی نظر مصری کی ڈلیوں پر ہوتی ہو اور وہ ان کڑوے غلافوں کو بھی مصری کی طرح کھا لیتے ہیں، ان کا حال صفرانیوں اور علیتوں کے برعکس ہے، کیوں کہ ان کے لئے اس تلخی میں مٹھاس ہے اور مٹھاس کیوں نہ ہو جب کہ وہ حضرت محبوب تعالیٰ شانہ کا عطیہ ہے۔ اور محبوب کے تمام عطیات شیریں ہیں، چوں کہ علیتی ماسویٰ کا گرفتار ہے لہذا تلخی محسوس کرتا ہے، سعادت مندوں کو محبوب کے ایلام میں جو حلاوت و لذت حاصل ہوتی ہے وہ اس کے انعام میں نہیں ہوتی اگرچہ دونوں محبوب ہی کا عطیہ ہیں کیونکہ ایلام میں محب کی خواہش شامل نہیں ہوتی بخلاف انعام کے کہ اس میں نفس کی خواہش شامل ہوتی ہے“ لہ

اس مضمون کو وقار جاسی نے کیا خوب ادا کیا ہے۔

دیکھی جب ان کی خوشی غم کی عطائیں ہم ہو گئے دلدادہ غم اور زیادہ

حضرت مجدد کو مقام رضال چکا تھا آپ ہر حال میں اپنے مولیٰ سے راضی تھے، اصحاب رضا کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ، ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی، یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرا اپنے رب سے۔

**جناب شیخ عبدالحق کا اختلاف** | جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ولادت ماہ محرم ۹۵۸ھ میں اور وفات ماہ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ میں ہوئی ہے، اٹھ جناب سید

احمد خاں نے ”آثار الصنادید“ میں اُس عبارت کو نقل کیا ہے جو آپ کے مزار کے سرھانے دیوار پر چونہ کے حرفوں سے لکھی ہے۔ میں اس کا آخری حصہ لکھتا ہوں۔

”در محرم ۹۵۸ھ این نور اتم پر تو ظہور بہ عالم غصری دادہ و در ۱۰۵۲ھ بہ تمام آگہی و کشادہ پیشانی بہ عالم قدس خرامید تاریخ ولادت ”شیخ اولیا“ (۹۵۸) و تاریخ وفات ”فخر العالم“ (۱۰۵۲) است“ ۳۵  
 آپ فضلاء روزگار اور بندگان اختیار میں سے تھے، مدۃ العمر دین کی خدمت کی اور بہ کثرت کتابیں تالیف کیں۔ آپ کی چھپن کتابیں میرے شمار میں آچکی ہیں۔ آپ کو سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے غایت درجہ عقیدت تھی۔ آپ نے حضرت کے مناقب میں ”زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار“ لکھی ہے اور حضرت کی کتاب ”فتوح الغیب“ کی شرح بھی لکھی ہے، آپ ابتدا میں مخدوم موسیٰ گیلانی اچھی



الحسنی القادری سے بیعت ہوئے، پھر حضرت خواجہ باقی باللہ سے طریقہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور حضرت خواجہ نے آپ کو اجازتِ طریقت دی، خواجہ خود نے اپنی رباعیات کی شرح میں اس کا ذکر کیا ہے۔ حضرت خواجہ کی وفات کے بعد آپ پھر سلسلہ قادریہ کی طرف راجع ہوئے اور شاہ ابوالنعمانی قادری لاہوری سے بیعت ہوئے۔ جو کہ مخدوم موسیٰ گیلانی کے پیر بھائی تھے، جناب شیخ اگرچہ حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے، لیکن کششِ دل ان کو اسی راہ پر لے گئی جو ان کے حسبِ حال تھی۔ حضرت مجددؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

”ہمارے حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ احوال کی صحت کی نشانی یہ ہے کہ یقین کامل حاصل ہو، حضرت مجددؒ کے علم ظاہر کے متعلق میں کیا لکھوں، آپ کے رسائل اور مکتوبات سب سے تین سو سال سے اہل علم کے سامنے ہیں، وہ ان کو دیکھیں اور آپ کے مبلغِ علم کا اندازہ لگائیں، اس معاملہ میں آپ کے حسبِ احوال یہ شعر پاتا ہوں۔

تِلْكَ آثارُ نَائِلٍ عَلَيْنَا فَانْظُرُوا بَعْدَنَا إِلَى الْآثَارِ

آپ کے علم باطن کے متعلق آپ کے پیر و مرشد برحق حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کا یہ ارشاد گرامی میرے سامنے ہے۔ ”میاں شیخ احمد آفتابے است کہ مثل ما ہزاراں ستارگان در ضمن ایشاں گم است و از کَمَلِ اولیائے متقدمین خال خالے مثل ایشاں گزشتہ باشند“

”یعنی میاں شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے ان کے ضمن میں گم ہیں اور ان جیسے اولیائے متقدمین میں خال خال ہی ہوئے ہوں گے“

حضرت خواجہ کا اشارہ اس مقامِ ایقان کی طرف ہے جس کا سرچشمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ اقدس ہے۔ حضرت صدیق کے ایقان کا اندازہ اس سے کیا جائے

**مَقَامِ اِيْقَانِ**

کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہٴ حُندِیہ میں اہل مکہ سے صلح کی اور جو صلح نامہ لکھا گیا تو اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُب کر صلح کی ہے، اس وقت حضرت عمرؓ حضرت صدیق کے پاس پہنچے، رضی اللہ عنہما، اور ان سے کہا۔ کیا حضور اکرم اللہ کے رسول نہیں ہیں آپ نے فرمایا، ہیں۔ پھر کہا۔ کیا ہم مسلمین نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہیں۔ پھر کہا۔ کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں، آپ نے فرمایا، ہیں۔ پھر کہا۔ فَعَلَّامٌ لِّغَيْبِ الدِّينِ فِي دِينِنَا۔ تو ہم اپنے دین میں یہ گراوٹ کیوں منظور کریں، حضرت صدیق نے فرمایا۔ ”يَا عُمَرُ لِمَ عَزَزْنَا فِي اَشْهَادِ اَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ“ اے عمران کی رکاب کو مضبوطی سے تھام۔ یعنی جو بھی وہ کریں بلاچون و چرا اس کو قبول کر، میں یقین سے گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، عمر نے کہا میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں پہنچے اور بجنسہ وہی سوال کئے، جو حضرت صدیق سے کئے تھے اور بجنسہ وہی جواب پائے جو انھوں



نے دیئے تھے البتہ آخری سوال کا حضور اکرم نے یہ جواب دیا۔ اَنَا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ لَنْ أُخَالَفَ أَمْرًا وَلَنْ يُضَيِّعَنِي۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اس کے امر کے خلاف ہرگز نہیں کروں گا اور وہ مجھ کو ضائع نہ کرے گا۔ لہ

اور پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ایقانِ کامل کا اندازہ اس سے کیا جائے کہ جب آپ نے بوقتِ آخر حضرت عمر کو اپنا خلیفہ بنایا تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی۔ ”آپ نے لوگوں پر عمر کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور آپ دیکھ چکے ہیں جو کچھ لوگوں کو ان سے پہنچا۔ اور یہ سب کچھ ایسے وقت میں ہوا ہے کہ آپ موجود ہیں اور جب وہی مختار کل ہوں گے تو کیا کریں گے۔ آپ اپنے مولیٰ کے پاس جا رہے ہیں۔ اور وہ آپ سے آپ کی رعیت کے متعلق دریافت کرے گا۔“ راوی کہتا ہے کہ حضرت صدیق اس وقت لیٹے ہوئے تھے حضرت طلحہ کی بات سن کر فرمایا۔ مجھ کو بٹھاؤ چنانچہ آپ کو بٹھایا گیا۔ آپ نے حضرت طلحہ سے فرمایا۔ اَبَا اللَّهِ تَفَرَّقْنِي أَوْ يَا لِلَّهِ تَخَوَّفْنِي، اِذَا لَقِيتُ اللَّهَ رَبِّي۔ فَسَأُتَلِّكُنِي قُلْتُ اسْتَخَلَفْتُ عَلَى أَهْلِكَ خَيْرًا أَهْلِكَ۔ کیا تم مجھ کو اللہ سے ڈراتے ہو یا خائف کرتے ہو۔ جب میں اللہ سے جو کہ میرا پالنے والا ہو ملوں گا اور وہ مجھ سے پوچھے گا تو میں عرض کروں گا میں نے تیرے بندوں میں سے سب سے بہتر کو تیرے بندوں پر خلیفہ بنایا ہے۔ لہ

حضرات مشائخ کرام میں سے جس کو یہ نعمتِ عظمیٰ ملتی ہے وہ معارف میں امام ہے اس کو اجتہاد کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ وہ دوسروں کے کشوفات و الہامات کا پابند نہیں ہے۔ اپنے کشوفات اور الہامات کو قرآن و حدیث اور اجماع پر عرض کرے اور جب مخالفت نہ پائے تو انکو بیان کرے اور ان پر عمل کرے۔ حضرت مجددؒ کو حضرت خواجہ کے طفیل سے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت دی اور آپ کو منصبِ امامت ملا۔ خلقِ خدا آپ کو امامِ ربانی کہتی ہے۔

حضرت شیخ اکبر کے بعد یہ مقام حضرت مجددؒ کو ملا اور آپ مأمورین اللہ ہوئے کہ اپنے کشوفات کا اظہار کریں لیکن جناب شیخ عبدالحق میدانِ طریقت میں ہمیشہ سہارے کے محتاج رہے۔ ان کا قدم دائرۂ تقلید سے باہر نہیں نکلا تھا، ان کے نزدیک حضرت سیدنا عبدالقادر کے ارشاد کا جو مفہوم ان کے متبعین نے بیان کر دیا ہے یا شیخ اکبر نے جن حقائق کا اظہار کر دیا ہے اس سے تجاوز کرنا بے ادبی ہے۔ لہذا شیخ عبدالحقؒ نے حضرت مجددؒ سے اختلاف کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ قدس سرہ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں وہ حضرت مجددؒ سے خوش نہ تھے۔ انھوں نے جو طولانی مکتوب حضرت مجددؒ کو لکھا ہے اور جس کو چند سال قبل پروفیسر خلیق احمد نظامی نے طبع کیا ہے۔ اس کے اوائل میں یہ لکھا ہے۔

”بعد ازاں کہ در خدمت خواجہ محمد باقی افتادند و از صحبت شریف ایشان استفادہ ایں نسبت



کردند و رُو بہ ترقی نہادند و رِحیات و بعد از وفات ایشان از حالات و کمالات خود خبر دادن گرفتند زیادہ از حدّ حصّہ و قیاس چنان کہ و چنداں کہ مردم حیران شدند“ لہ

ترجمہ :- جب آپ خواجہ محمد باقی کی خدمت میں پہنچے اور ان کی مبارک صحبت سے اس نسبت کا استفادہ کیا اور رُو بہ ترقی ہوئے تو ان کی حیات میں اور ان کی وفات کے بعد اپنے فضائل و کمالات کا اظہار شروع کر دیا اور اتنے بے حد و بے حساب فضائل بیان کئے کہ لوگ حیران ہو گئے۔

خواجگان نقشبندیہ کا معمول رہا ہے کہ وہ سالک سے اس کے واقعات و احوال کو دریافت فرماتے ہیں اور توجہات سے منازل سلوک طے کراتے ہیں۔ اگر جناب شیخ دفتر اول کے مکتوب گیارہ کو دیکھ لیتے تو حیران نہ ہوتے۔ اس مکتوب میں حضرت مجدد و حضرت خواجہ کو لکھ رہے ہیں۔

”چوں از جانب حضرت ایشان مامور بود اُمّتًا لَّا لِلّٰہِ مَرِّ در بعضی امور جزأت و گستاخی نمود و الاّ ط من ہماں احمد پارینہ کہ ہستم ہستیم“

ترجمہ :- چوں کہ حضرت والا کی طرف سے حکم ہوا تھا لہذا حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے بعض امور کے بیان کرنے کی گستاخی واقع ہوئی ورنہ میں تو وہی پرانا احمد ہوں جو ہوں۔

میں ”وصول بہ کعبۃ الآمال“ کے بیان میں حضرت خواجہ کے اس مبارک مکتوب کو لکھ چکا ہوں جس کو خواجہ ہاشم نے حضرت خواجہ کے ارسال کردہ مکتوب سے جو آپ کے ہاتھ کا تحریر کردہ تھا زبدۃ المقامات میں نقل کیا ہے۔ حضرت خواجہ نے اس مبارک مکتوب میں کن مقامات عالیہ کے متعلق حضرت مجدد کو تحریر فرمایا ہے اور آپ سے کیسے کیسے ادق مسائل دریافت کئے ہیں، جتنا صاحب استعداد طالب علم ہوتا ہو کامل استاد اتنا ہی دقیق سوال اس کے سامنے رکھتا ہے۔ اور سعادتمند طالب اس کو حل کر کے استاد کی خوشنودی اور دعائیں حاصل کرتا ہے۔

جناب شیخ کو حضرت مجدد کے بیانات نے حیران کر دیا ہے۔ اگر ان کو آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت محمد صادق قدس سرہ کے حالات کا علم ہوتا۔ واللہ اعلم کیا فرماتے اور کیا لکھتے خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات کی فصل دہم میں آپ کا جو حال لکھا ہے اپنی نوعیت کے اعتبار سے از عجائبات عالم ہے۔ لکھا ہے۔

”آپ کی عمر دس سال کی تھی اور حضرت خواجہ باقی باللہ آپ سے اُمور کو نئی غیبیہ کے متعلق استفسار فرماتے تھے اور آپ علی الفور جواب عرض کرتے تھے۔ حضرت خواجہ آپ کو مقابر لے جا کر بعض اصحاب قبور کا حال دریافت فرماتے تھے اور آپ اپنا کشف و مشاہدہ بیان کرتے تھے“

حضرت خواجہ کا مکتوب ”وصول بہ کعبۃ الآمال“ کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس میں تحریر ہے ”شیخ



مذکور کی اولاد جو ابھی کم عمر تھے ہیں، اسرار الہی ہیں۔“

حضرت شاہ غلام علی دہلوی نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ درخاتمہ رسالہ کہ از سوالات بر کلام حضرت ایشان نمودہ می نویسد کہ مرا در بارہ شما این آیت شریفہ ”وَإِنْ يَكَذِّبُنَا فَعَلَيْنَاهُ كَذِبُهُ وَإِنْ يَكَذِّبُنَا فَعَلَيْنَاهُ كَذِبُهُ وَإِنْ يَكَذِّبُنَا فَعَلَيْنَاهُ كَذِبُهُ“ اتفاقاً گردیدہ۔ مخفی نیست کہ اس کریمہ در رفع اشتباہ حقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام است م فرعون و فرعونیاں را۔ سبحان اللہ حضرت ایشان موسیٰ المشرّب بودند۔ اگر حضرت شیخ را از فرط غضب رفع شبہات از اس کریمہ نشدہ اما بعد چندے بہ حقیقت کمالات حضرت ایشان اقرار نمودہ اند۔ الخ لہ

(ترجمہ) حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے طویل مکتوب کے خاتمہ میں حضرت مجددؒ کو لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے بارے میں یہ آیت شریفہ مجھ کو القا ہوئی۔ (آیت) ”اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس پر پڑے گا اس کا جھوٹ اور اگر وہ سچا ہوگا تو تم پر پڑے گا کوئی وعدہ جو دیتا ہے۔“ واضح

رہے کہ اس آیت مبارکہ کا تعلق اس اشتباہ کے ازالے کے لئے ہے جو فرعون اور فرعونوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقیقت کے متعلق تھا۔ سبحان اللہ (کیا ہی خوب القا ہے) حضرت والا موسیٰ المشرّب تھے۔ (ورود فیض لطیفہ سر پر بیشتر تھا) اگرچہ انتہائے غضب کی وجہ سے اس آیت مبارکہ کے القا کی وقت حضرت شیخ کا اشتباہ رفع نہ ہوا، لیکن کچھ وقت نہ گزرا تھا کہ آپ پر حضرت مجددؒ کے کمالات کی حقیقت ظاہر ہوئی اور آپ نے خواجہ حسام الدین احمد کو مکتوب تحریر کیا (اخلاص نامہ)۔“

اور حضرت شاہ غلام علی نے دوسرے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ در شرح فارسی فتوح الغیب تصنیف حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوشتہ اند۔ اسرار دقیقہ و علوم غامضہ بر قلوب عرفا وارد می شود عبارت بہ آن کفایت نہ می کند پس تعلیم و تفویض آن بہ علم حضرت علیم مطلق سبحانہ باید نمود، زبان انکار نہ باید کشود۔“ لہ

(ترجمہ) حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی کتاب فتوح الغیب کی فارسی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ نے لکھا ہے۔ عارفوں کے دلوں پر ایسے دقیق اسرار اور مخفی علوم وارد ہوتے ہیں کہ ان کے بیان سے دامن عبارت قاصر رہتی ہے لہذا ان اسرار و علوم کے علم و معرفت کو حضرت دانائے مطلق جل شانہ کے حوالے کیا جائے اور انکار نہ کیا جائے۔“

اُن مشائخ کرام سے جن کے متعلق حضرت شیخ عبدالحق تحریر فرماتے ہیں کہ ان کی بزرگی پر اتفاق ہے ایسے اقوال منقول ہیں جو بہ ظاہر نادرست ہیں۔ جیسے ”سُبْحَانِي مَا عَظُمَ شَانِي، الْوَاوِي اَرْفَعُ مِنْ لَوَاءِ فَخْمِي قَدَمِي هَذِهِ عَلَى رَقَبَةِ كُلِّ دَلِيٍّ۔“ و امثالہا۔ اور جناب شیخ ان اقوال کے لئے تاویل و توجیہ سے کام لیتے ہیں۔



تو پھر حضرت مجددؒ کے لئے اس گوشہ عاطفت کا استعمال کیوں نہیں فرماتے اگر حضرت شیخ حضرت مجددؒ کے کلام کی تاویل و توجیہ نہیں کرتے تو اتنا تو کریں کہ آپ کے کلام کو صحیح طور پر نقل کریں اور اس کو برائی کی طرف نہ لے جائیں۔ مولانا سید صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی نے اس سلسلہ میں کیا خوب لکھا ہے۔  
 ”كَانَ فَقِيهًا مَا تَرِيدُ يَا حَرِيصًا عَلَىٰ اتِّبَاعِ السُّنَّةِ فَجَنِّهْدَا فِيهِ قَلِيلَ الْخَطَا فِي دَرْكِ الْمَسْأَلِ الْمَعْدُودَةِ الَّتِي شَدَّ دَبْعُ أَهْلِ الْعِلْمِ النِّكَيرَ بِهَا عَلَيْهِ فَالضَّوَابُّ أَنَّ لَهَا تَأْوِيلًا وَقَدْ شَارَكَهُ فِيهَا غَيْرُهُ مَسْنُونٌ لَا يُحْضِي كَثْرَةً فَلَيْسَ إِذَا يُخْصَصُ الْإِنْكَارُ“ ۱

ترجمہ۔ آپ (حضرت مجددؒ) ماتریدی فقیہ، اتباع سنت پر حریص اور اس میں ساعی اور مجتہد تھے اور اپنے ادراکات میں خطا پر کم تھے، اور وہ چند مسائل جن کی بنا پر بعض اہل علم نے آپ پر سختی سے نکیر کی ہے تو اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ ان کی تاویل ہے اور اس قسم کی باتوں میں بے حساب افراد آپ کے شریک ہیں بنا بریں اس انکار کی تخصیص آپ سے نہیں ہے۔“

مشہور مثل ہے۔ گھر کی مرغی وال برابر حضرت مجددؒ ہندوستان کے تھے لہذا یہاں آپ کو بدنام کرنے کی ہر کوشش کی گئی، آپ کی عبارت کو بدلا گیا، اس کا غلط مفہوم بیان کیا گیا، جہانگیر کے دربار میں آپ کی جو برائے ثابت ہوئی اس کا ذکر تک نہیں کیا جاتا اور وہ جھوٹا الزام آج تک برابر دہرایا جا رہا ہے جس کا بطلان سرور بار ثابت ہو چکا ہے۔ یہ سب کچھ ہندوستان کے محقق کر رہے ہیں ان بے خبروں کو کچھ خبر نہیں کہ حضرت غوث الثقلین، حضرت شباطی، حضرت خرقانی، حضرت جنید بصری حضرت پیر انصاری، حضرت شیخ اکبر وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے کیسے کیسے اقوال بہ تو اثر ثابت ہوئے ہیں اور علماء اعلام نے بلکہ حضرت مجددؒ نے ان اقوال کی کیا اچھی تاویلات کی ہیں۔

قطب شام، علامہ روزگار شیخ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ نے رسالہ ایضاح الدلالات میں اس سلسلہ میں نہایت نفیس پُر از حقائق مقالہ لکھا ہے۔ اس میں تحریر فرمایا ہے۔

إِذَا سَاءَ فَعَلُ الْمَرْءِ سَاءَتْ ظَنُونُهُ وَصَدَقَ مَا يَعْتَادُهُ مِنْ تَوَهُيمٍ وَالْأَقْيَانُ الْكَامِلُ لَا يَعْرِفُ الْوُجُودَ إِلَّا كَامِلًا وَلَا يَرَى إِلَّا الْكَمَالَ۔ الخ

(ترجمہ) جب کسی شخص کا کردار اچھا نہیں رہتا تو اس کے خیالات بھی فاسد ہو جاتے ہیں لہذا وہ اپنے مَزْعُومَات اور تخیلات کو صحیح سمجھنے لگتا ہے۔ ورنہ حقیقت امر یہ ہے کہ مرد کامل، وجود کو سراسر کامل سمجھتا ہے اور اس کو بہ جز کمال کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔“

کہاں آج کل کے محققوں کی دروغ بافیاں اور ان کے فاسد خیالات اور کہاں اہل کمال کا ارشاد اور ان کا مبارک طریقہ۔ بیس تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا۔ وَفَقْنَا اللَّهَ لِمَرْضَاتِهِ۔



## مکتوب جناب شیخ کے متعلق

جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت مجددؒ کو آخری ایام میں ایک طویل مکتوب لکھا ہے، جس کو سنہ ۱۳۸۴ھ میں پروفیسر خلیق احمد نظامی نے "حیات شیخ عبدالحق" میں طبع کیا ہے، جو اس کتاب کے صفحہ ۳۱۲ سے ۳۴۳ تک ہے۔ اگرچہ یہ مکتوب نئے تعلیم یافتہ افراد کے سامنے اس کتاب کے ذریعہ آب آیا ہے، لیکن اہل علم اور اکابر سلسلہ مجددیہ کے سامنے پہلے دن سے آیا ہوا ہے، اور ان حضرات نے اس ساڑھے تین سو سال کے عرصہ میں اس مکتوب کے جواب میں بہ کثرت رسالے لکھے ہیں، میں بعض اہم رسائل و تحریرات کو بیان کرتا ہوں۔

- ۱۔ شیخ بدرالدین سرہندی نے "حضرات القدس" کے ساتویں حضرت میں بعض اعتراضات کا جواب لکھا ہے اور وہ مکالمہ بھی تحریر کیا ہے جو آپ کا جہانگیر سے کھلے دربار میں ہوا ہے۔

۲۔ حضرت محمد یحییٰ فرزند اصغر حضرت مجددؒ نے ایک رسالہ لکھا ہے۔

۳۔ حضرت محمد فرخ معروف بہ فرخ شاہ فرزند سوم حضرت محمد سعید، فرزند دوم حضرت مجددؒ نے رسالہ "کشف الغطاء عن اذهان الأغبیاء" لکھا ہے، آپ اپنے وقت کے اجلہ علماء اعلام میں سے صاحب تالیفات قیمہ تھے۔

۴۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ایک مختصر پر از تحقیق رسالہ لکھا ہے جو آپ کے فتاویٰ کے اخیر میں طبع ہو گیا ہے۔

۵۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے دو رسالے لکھے ہیں ایک شیخ عبدالحق کے اعتراضات کے رد میں۔ اس کا نام احقاق الحق ہے۔ دوسرا دیگر افراد کے اعتراضات کے رد میں۔ پہلے رسالے کی تالیف سے سہ شنبہ ۲۵ شوال ۱۳۱۵ھ کو فارغ ہوئے ہیں یہ دونوں رسالے آپ کے ہاتھ کے تحریر کردہ میرے پاس موجود ہیں۔

۶۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی نے ایک رسالہ لکھا ہے، جو انگریزوں کے غدر سے پہلے کا لکھا ہوا میرے پاس محفوظ ہے۔

۷۔ مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے مستقل ایک کتاب ۳۳۶ صفحات کی جناب شیخ کے مکتوب کے رد میں لکھی ہے جو ۱۳۱۵ھ کو چھپ گئی ہے، اس کا نام ہدیہ مجددیہ ہے۔ اللہ ان کو اجر دے کہ انھوں نے جناب شیخ کے ادب اور احترام کا پورا خیال رکھا ہے اور جناب شیخ کے تمام ایرادات کی حقیقت بیان کر دی ہے، اور ان کی دوسری کتاب انوار احمدیہ ہے، اس میں اوروں کے ایرادات کا جواب ہے یہ کتاب ۱۳۱۵ھ میں چھپی ہے یہ دونوں کتابیں فارسی میں ہیں اور تیسری کتاب عربی میں الکلام النبی لکھی ہے یہ ۱۳۱۶ھ میں چھپی ہے۔

مولانا وکیل احمد نے "انوار احمدیہ" کے صفحہ ۸۶ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ اہل حق نے ستر رسائل سے



زائد ہفتوں مخالفین کے رد میں لکھے ہیں۔

یہ تو ان رسائل اور کتابوں کا ذکر ہے جو مستقل طور پر اعتراضات کے رد میں لکھی گئی ہیں، بیانات اور تحریریں جو ضمناً کسی کتاب میں آگئی ہیں، ان کے علاوہ ہیں اور ایسی تحریریں بھی بہ کثرت ہیں اور اصحاب علم کی ہیں۔ جیسے حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت میرزا جان جانان مظہر، مولانا سید غلام علی آزاد بلگرامی، مولانا سید صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی، وغیرہم۔ یہ سب نہایت قیمتی اور مہتمم بالشان حق و صداقت سے معمور رسائل و تحریرات ہیں۔ ان کے علاوہ ۱۰۹۲ء میں علامہ محمد بیگ نے مکہ مکرمہ میں، کتاب عَطِیَّةُ الْوَهَّابِ الْفَاصِلَةُ بَيْنَ الْخَطَا وَالصَّوَابِ لکھی ہے، اس کتاب پر اس وقت کے نوجلیل القدر علما نے تقریظیں لکھی ہیں۔ ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ شیخ الاسلام مفتی مکہ مکرمہ عبداللہ عثمانی زادہ۔
- ۲۔ علامہ اجل شیخ حسن بن مراد تونس۔ آپ کی تقریظ کیا ہے تحقیقات سے بھرنا مستقل رسالہ ہے۔
- ۳۔ علامہ اجل شیخ احمد بشیشی مصری ازہری شافعی، آپ کی وفات ۱۰۹۶ء میں ہوئی ہے۔
- ۴۔ علامہ اجل عبداللہ عباسی شافعی مکی۔
- ۵۔ علامہ قاسم سنجق دارنگی حنفی۔
- ۶۔ علامہ سید محمد حسینی مکی۔
- ۷۔ علامہ سید علی بن محمد معروف بہ کلاہ زادہ، دیار بکری، مکی۔
- ۸۔ علامہ مرشد الدین بن احمد مرشدی۔
- ۹۔ شیخ الاسلام مفتی مدینہ منورہ سید اسعد۔

علامہ محمد مراد منشاوی، قرآنی، مکی سید محمد صالح زواوی سے بیعت تھے اور وہ حضرت شاہ محمد مظہر مہاجر مدینہ کے خلیفہ تھے (شاہ محمد مظہر میرے دادا حضرت شاہ محمد عمر کے چھوٹے بھائی تھے) انھوں نے چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں مکتوبات قدسی آیات کو عربی میں ترجمہ کیا اور ۱۳۱۵ھ میں مکہ مکرمہ کے مطبع امیریہ میں اس کو طبع کیا۔ انھوں نے پہلے حصے کے حاشیہ پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مختصر احوال لکھ کر مندرجہ بالا نو علمائے تقریظوں کو طبع کیا ہے اور تیسرے حصے (دفتر) کے حاشیہ پر رسالہ عطیۃ الوہاب جو محمد مراد نے مکتوبات کو عربی میں ترجمہ کر کے علماء عرب کو حضرت مجدد کے معارف سے مستفید ہونے کا موقع دے دیا ہے۔ جزاہ اللہ عَنِ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِينَ خیراً۔

جناب شیخ نے یہ طویل مکتوب حضرت مجدد کی وفات سے بہت کم عرصہ پہلے لکھا ہے۔ مکتوبات کا تیسرا دفتر ۱۳۱۵ھ میں بند ہوا ہے۔ اس کے بعد حضرت مجدد نے سات آٹھ مہینے کے عرصہ میں دس مکاتیب تحریر فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک مکتوب خواجہ حسام الدین احمد کے نام ہے (مکتوب ۱۲) جناب شیخ نے اپنے طویل



مکتوب میں حضرت مجدد کے اس مکتوب کی بعض عبارات پر رد و قدح کی ہے۔ آپ کی اس رد و قدح میں جرح کا پہلو نمایاں ہے۔ اور میرا یہ خیال ہے کہ یہی ناملائم جرح اخلاص نامہ لکھنے کا سبب ہوئی ہے (اخلاص نامہ کا ذکر عنقریب آ رہا ہے)

اس میں کوئی محل ریب نہیں کہ اس طویل مکتوب میں حضرت مجدد کی جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے بہت زیادہ محرف اور غلط ہیں، بنا بریں بعض افراد نے کہا ہے کہ یہ مکتوب جناب شیخ نے نہیں لکھا ہے۔ لیکن یہ خیال درست نہیں کیوں کہ مجددی حضرات پہلے ہی دن سے اس کا ذکر کر رہے ہیں اور رد لکھ رہے ہیں جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔

اور اس میں بھی کوئی کلام نہیں ہے کہ اس مکتوب کی وجہ سے حضرت مجدد کے معاندین میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ البتہ مطابع کے ظہور کے بعد سے حالات نے پٹا کھایا۔ کیوں کہ جس نے بھی مکتوبات کا مطالعہ کیا وہ صدق دل سے آپ کی بزرگی اور جلالت قدر کا قائل ہوا۔ اس پر ظاہر ہو گیا کہ الزامات باطل ہیں۔ محرم ۱۳۸۴ھ / مئی ۱۹۶۴ء میں پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی نے کتاب حیات شیخ عبدالحق میں جناب شیخ کے اس طویل مکتوب کو طبع کیا، اور مکتوب سے پہلے یہ عبارت لکھی ہے۔

”یہ مکتوب شیخ مجدد اور شیخ محدث کے تعلقات کو سمجھنے میں بے حد مدد دیتا ہے۔ شیخ محدث نے مجدد صاحب کے جن جن خیالات پر اعتراض کیا ہے۔ ان پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے، جس شخص نے مجدد صاحب پر اعتراض کئے ہیں اس کو ان سے جو محبت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے۔“ اس مقدار کے مراہب شامحت و اتحاد است کم کسے را خواہد بود۔“

کتاب ”حیات عبدالحق“ میں اس مختصر و موثر تعارف کے ساتھ مکتوب طویل کی طباعت نے نئی تعلیم کے دلدادگان میں پھیل مچادی، کسی نے کتاب لکھی، کسی نے پیش لفظ عقیدت کے ساتھ پیش کیا کسی نے تحسین کی کسی نے صلہ دیا، کسی نے اس سے استفادہ کر کے دوسری کتاب لکھ دی، کسی کی کتاب ہندوستان میں چھپی، کسی کی لندن میں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ ان کے ہاتھ کوئی راز آ گیا ہے۔ حالانکہ وہ راز ہے اور نہ کوئی نئی بات۔ یہ سب کچھ صد ہا سال پہلے گزر چکا ہے اور اہل حق نے خوب تفصیل سے الزامات کا بطلان ثابت کر دیا ہے۔

پروفیسر خلیق احمد کو چاہئے تھا کہ یا تو اس مکتوب کو نہ چھاپے اور اگر کسی وجہ سے اس کا چھاپنا ضروری تھا تو پھر منصفانہ طور پر جناب شیخ کی تحریر کا جائزہ لیتے۔ اور دیکھتے کہ آیا انھوں نے حضرت مجدد کی عبارتیں صحیح نقل کی ہیں یا ان میں تحریف ہے۔ حضرت مجدد کے مکاتیب چند مرتبہ چھپ گئے ہیں۔ ہر شخص ان کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

پروفیسر خلیق احمد صاحب نے لکھا ہے۔ ”مجدد صاحب کے جن جن خیالات پر اعتراض کیا ہے ان پر



سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ حضرت مجدد کی اولاد اور آپ کے ماننے والوں نے صد ہا سال سے اس پر سنجیدگی سے غور کیا ہے اور سب کچھ بیان کر دیا ہے، اب تو ضرورت اس بات کی ہے کہ خلیق احمد صاحب سنجیدگی سے ان رسائل کو پڑھیں اور ان تحریرات کو سمجھیں جو عالی قدر حضرات چھوڑ گئے ہیں۔ اور پھر اس محبت کی قدر و قیمت کا اندازہ کریں جو ”اس مقدار کہ مرا بہ شما محبت و اتحاد است کم کسے را خواهد بود۔“ سے ظاہر ہوتی ہے۔

میں نے بہ کثرت حضرات مشائخ کرام کے مبارک احوال کا مطالعہ کیا ہے۔ جو ظلم و ستم معاندوں نے حضرت مجدد کے ساتھ کیا ہے اور کر رہے ہیں اس کی نظیر مجھ کو نہیں ملی ہے۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ آپ نے اہل زیغ کے لئے ان کی کج روی کے تمام راستے مسدود کر دیئے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے کیا خوب حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ ”اللہ نے جو طریقہ اپنے انبیاء کے ساتھ رکھا ہے اور جو اس کی عادت مستمرہ ہے؛ وہی اس نے حضرت مجدد کے ساتھ کیا۔ کہ ظالموں اور مبتدعین نے آپ کو ایذا پہنچائی اور متقشف فقہاء نے انکار کیا تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات میں اضافہ کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنت میں بیشی ہوتی رہے۔“

میری نظر میں جناب شیخ کا یہ مکتوب ایک خصوصی مکتوب تھا جس میں انھوں نے اپنے دل کی وہ تمام الجھنیں جو پینتیس سال سے ان کو بچپن کئے ہوئی تھیں ظاہر کر دی ہیں، ان کو جو بات بھی کسی ذریعہ سے پہنچی تھی لکھ دی۔ انھوں نے ذریعہ کے مستند یا نامستند ہونے کو نہیں دیکھا ہے اور ان کو حضرت مجدد سے امید تھی کہ وہ اس کا جواب تحریر فرمائیں گے، لیکن وقت گزر چکا تھا اور حضرت مجدد مخصوص گوشہ میں مصروف عبادت ہو کر رفیق اعلیٰ کے پاس جانے کی تیاری کر رہے تھے، بلکہ آپ کی علالت بھی شروع ہو گئی تھی اور آپ شوق وصال میں یہ ہندی مصرع زبان پر لاتے تھے۔ ”آج ملاوا کنت سوں سکھی سب جگ دینوں وار“ لہذا آپ نے جناب شیخ کو جواب تحریر نہ فرمایا۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ جناب شیخ نے اپنے مکتوب میں بعض جگہ جو صریح جارحیت کی ہے۔ جیسا کہ تحریر فرمایا ہے۔ ”در آخر سکر را بہانہ ساختہ اند“ اس کا اثر جناب شیخ پر ہوا ہے اور آپ نے خواجہ حسام الدین کو وہ مکتوب لکھا ہے جس کا بیان بہ عنوان ”اخلاص نامہ“ عنقریب آ رہا ہے۔ چوں کہ یہ نجی مکتوب تھا بنا بریں جناب شیخ نے اس کو اپنی کتاب ”المکاتیب والرسائل“ میں درج نہیں کیا، اور شاہ فتح محمد کی روایت اور حضرت مرزا جان جانان مظہر کا بیان یقیناً درست ہے کہ جناب شیخ نے اس مکتوب کو ضائع کرنے کی وصیت کی تھی۔

ایک نجی مکتوب جس میں برادرانہ شکوے شکایتیں ہوں عوام کے سامنے لانا یا اس پر رائے زنی کرنی از روئے انصاف کب درست ہے۔ ایسے مکتوب کی تشہیر خود جناب شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے موجب بدنامی ہے۔



نہ ہر فعلے مسرت خیز باشد نہ ہر قولے طرب انگیز باشد  
بے کردار تملش بار گردد بے گفتار خزی و غار گردد  
بدی را ارجہ کم باشد بدای بیش دلش ظاہر است اندک بندیش  
بہیں خارے بہ دزد آرد تنے را بسوزد افگرے صد خرمنے را  
بود زہر ہلاہل گرچہ اندک شود وجہ ہلاک خلق بے شک  
اگر در راویاں شخصے جہول است بیان جملہ بیکار و فضول است  
کلام نیک باشد جملہ مقبول بہ تحریفے شود مردود و مبذول

چوں کہ جناب شیخ کے مکتوب کو حضرت مجددؑ کے مخالفوں نے صحیفہ آسمانی کا درجہ دے رکھا ہے اور بلاوجہ حضرت مجددؑ پر الزامات عائد کئے جا رہے ہیں، اس لئے میں اس مکتوب کے ایک حصہ پر کچھ تبصرہ کرتا ہوں۔

غیب متناہی مکن اے خواجہ کزیں کہنہ رباط کس نہ دانست کہ رحلت بہ چسپاں خواہد بود  
**مکتوب کا کچھ بیان** "حیات شیخ عبدالحق" میں یہ مکتوب چھپکر ان افراد کے ہاتھوں تک پہنچ گیا ہے جو وحدت ادیان کے فلسفہ کی تشکیل میں لگے ہوئے ہیں جن کی نظر میں

نماز، روزہ، حج ابتدائی تدریسی امور ہیں اور اصل کار "سب وہی سب وہی" ہے۔

چوں کہ ان لوگوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ حضرت مجددؑ کی ذات اور آپ کی تعلیمات ہیں اس لئے آپ کی مخالفت اور آپ کو بدنام کرنے کے لئے یہ سب ساعی ہو گئے ہیں۔ اس کام کیلئے شیعہ سنی کی تفریق بھی بہ ظاہر مٹادی گئی ہے۔ ان لوگوں کے سامنے جناب شیخ کی تحریر آئی تو اس کو تائید غیبی سمجھ بیٹھے۔ اور حضرت مجددؑ پر حملے شروع کر دیئے۔

میں جناب شیخ کی صرف ان عبارتوں پر کچھ تبصرہ کرتا ہوں جن کو ان لوگوں نے نقل کیا ہے۔

آہستہ برگ گل بفشان بر مزارِ ما بس نازک است شیشہ دل در کنارِ ما  
۱۔ جناب شیخ نے لکھا ہے۔

"چوں در ضمنِ آن تنقیص و تخطیہ بزرگانے کہ اتفاق است بر بزرگی ایشان مثل سید الطائف جنید بغدادی و سلطان العارفین بایزید بسطامی و امثال ایشان و گفته اند کہ اس بیچارہ با حقیقت کار و در نیافتہ و بہ اصلی نہ رسیدہ و گرفتار ظل ماندہ اند و ادعائے آل کہ آنچہ ایشان را دادہ اند، هیچ کس را نہ دادہ اند" لے ترجمہ "چونکہ اس ضمن میں ان بزرگوں کی تنقیص اور ان کا خطا پر ہونا بیان کیا ہے جن کی بزرگی پر اتفاق ہے جیسے سید طائف حضرت جنید بغدادی اور سلطان عارفین حضرت بایزید بسطامی اور ان جیسے دوسرے اکابر اور کہا ہے۔ یہ بیچارے معاملہ کی تہہ اور اس کی اصل تک نہیں پہنچے ہیں، بلکہ سایوں میں پھنس کر رہ گئے

لے حیات شیخ عبدالحق صفحہ ۳۱۳۔ چونکہ صحت کے اعتبار سے یہ مجددؑ کی نقل کردہ عبارت میری نظر میں اصح ہے اسلئے اختلاف کی صورت میں اس کو ترجیح دیتا ہوں۔



ہیں۔ اور آپ نے یہ اِدْعَا کیا ہے کہ جو کچھ آپ کو ملا ہے کسی کو نہیں ملا ہے۔“

یہ عبارت حضرت شیخ نے لکھی ہے۔ میں اب ان لوگوں سے دریافت کرتا ہوں جن کی نظر میں یہ تحریر صحیفہ آسمانی بنی ہوئی ہے کہ حضرت مجدد کے رسائل اور آپ کے مکاتیب سب کے سامنے ہیں کیا وہ یہ عبارت دکھا سکتے ہیں۔ ”شیخ اکبر اور وحدت وجود“ کے بیان میں حضرت مجدد کے مکاتیب سے آپ کا بیان نقل کر چکا ہوں۔ آپ نے جو عزت اور احترام ان بزرگوں کا کیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے آپ اپنے کو ان کے خوانِ نعمت کا ایک ادنیٰ زکّہ بردار اور ریزہ چیں ظاہر کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں یہ مقام توحید ہر سالک کو راہِ سلوک میں پیش آتا ہے (چنانچہ خود مجھ کو بھی پیش آیا ہے) اور پھر اللہ کے لطف سے مقامِ شہود تک رسائی ہوئی ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان حضرات سے کلماتِ توحید کا صُور اس وقت ہوا ہے جب وہ اس مقام میں تھے۔ اللہ ان لوگوں کو انصاف دے یہ کہاں سے سمجھ گئے کہ ان بزرگوں کو اس مقام سے ترقی نہیں ہوئی ہے اور اس مقام میں بند ہو کر رہ گئے ہیں۔ لے

افسوس صد افسوس جن لوگوں کو دین و مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہے وہ آج معارف و اسرار کے عقدے حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اولیائے پروردگار کو مطعون کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے ظل کا لفظ دیکھا جس کے معنی سایہ ہیں۔ اور یہ سمجھ بیٹھے کہ بارگاہِ قرب میں سائے ہوتے ہیں۔ اَلْبَيَاضُ بِاللَّيْلِ۔ وہ عالم تو بتمامہ نُورٌ عَلٰی نُورٍ ہے وہاں ظل اور سایہ کا کیا سوال۔

نُورٌ عَلٰی نُورٍ ارشادِ ربّانی ہے کہ نورانی طبقات ایک پر ایک ہیں حضرت مشائخِ کرام ہر نورانی طبقہ کو اس سے بالاتر نورانی طبقہ کے لئے بہ منزلہ ظل سایہ قرار دیتے ہیں اور شریعت کی زبان میں اس کی تعبیر غُیْن سے کی گئی ہے جو کہ غُیْمٌ وَ سَحَابٌ اور اُبْر کو کہتے ہیں۔ امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّهُ لَيَغَانُ عَلٰی قَلْبِي ذَاتِي لَا اسْتَغْفِرُ اللّٰهُ فِي الْيَوْمِ وَ اِنَّهُ مَرَّةً مِّرَّةً قَلْبٌ پُر النُّوْرِ کی تہہ پڑتی ہے، سکینہ کے بادل چھاتے ہیں اور میں سو بار دن میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔ ہر آن اور ہر زمان آپ منازل طے کرتے تھے اور ہر تحتانی منزل بہ منزلہ اُبْر و سایہ اور ظل کے نظر آتی تھی۔ کشتگانِ خجستہ تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است

حضرت مجدد تو اپنے کو حضراتِ مشائخ کا پروردہ اور خوشہ چیں لکھتے ہیں ایک جگہ بھی آپ نے یہ نہیں لکھا ہے کہ جو کچھ مجھ کو ملا ہے کسی کو نہیں ملا ہے۔ یہ آپ پر بہتان اور صریح الزام ہے۔ کیا کوئی شخص حضرت کے رسائل یا مکاتیب میں یہ عبارت دکھا سکتا ہے؟

۲۔ اور جناب شیخ نے لکھا ہے۔

”و یکے ازاں مواضع کہ بے خطر ناک و از رعایت مقام ادب دور است آن است کہ در باب



حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کفۃ اندک کثرتِ ظہور کرامات از ایشان از جہت اُن بود کہ نزول ایشان ناقص بود، لہ

”میں شواہد تجدید“ کے بیان میں کثرت و قلتِ خوارق کے سلسلہ میں حضرت مجددؒ کی عبارت کا ترجمہ لکھ چکا ہوں جو کہ درج ذیل ہے۔

حضرت کا عروج اکثر اولیائے امت سے بلند تر واقع ہوا ہے اور آپ کا نزول مقامِ رُوح تک تھا۔ جو کہ عالم اسباب سے بالاتر ہے۔“

اب میں آپ کے مکتوب گرامی سے جو کہ دفتر اول کا ۲۱۶ مکتوب ہے آپ کے الفاظ لکھتا ہوں۔ ”عروج ایشان از اکثر اولیا بلند تر واقع شدہ است و در جانب نزول تا مقام رُوح فرو آمدہ اند کہ از عالم اسباب بلند تر است۔“

حضرت مجددؒ نے لفظ ناقص کہیں نہیں لکھا ہے یہ آپ پر الزام ہے اور جناب شیخ نے اسی لفظ کی وجہ سے ”موضع خطرناک“ اور ”از رعایت مقام ادب دور“ کہا ہے۔

خیال کرنا چاہئے کہ ولایت و بزرگی کا تعلق عروج سے ہے۔ بارگاہِ خداوندی سے جتنا زیادہ قرب حاصل ہوگا، ولایت کا مقام اتنا ہی بلند و بالا ہوگا۔ جب کہ حضرت مجددؒ صراحت کے ساتھ حضرت غوث الثقلین کے متعلق لکھ رہے ہیں کہ ان کا عروج اکثر اولیائے امت سے بلند تر ہے تو پھر ”بے خطرناک“ اور ”از مقام ادب دور“ لکھنے کی کیا وجہ!

حضرت مجددؒ نے رسالہ مکاشفات غیبیہ میں لکھا ہے۔

”واصلان ذات این بزرگواران کہ بہ آفراد ملقب اند اقلّ قلیل اند۔ اکابر صحابہ وائمہ اثنی عشر از اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین بہ ایس دولت فائز اند و از اکابر اولیاء اللہ غوث الثقلین قطب ربّانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس بہ ایس دولت ممتاز اند و دریں مقام شان خاص دارند کہ اولیائے دیگر از ان خصوصیت قلیل النصب اند۔“ لہ

ترجمہ۔ ”حضرات مشائخ کرام میں سے وہ پاک نہاد جن کو ”آفراد“ کہتے ہیں اور وہ اصلان ذات ہیں، نہایت قلیل ہیں۔ اکابر صحابہ اور ائمہ اثنی عشر از اہل بیت اطہار اس دولت سے فائز ہیں اور اکابر اولیاء اللہ میں سے حضرت غوث اعظم اسی دولت سے ممتاز ہیں اور اس مقام میں آپ کی نرالی شان ہے کہ دیگر اولیاء اللہ اس دولت سے کم بہرہ ور ہیں۔“

اور حضرت مجددؒ نے رسالہ مبدا و معاد کے اوائل میں لکھا ہے۔

”و دریں عروج اخیر کہ عروج در مقامات اصل است مدد از روحانیت حضرت غوث الاعظم



محمی الدین شیخ عبدالقادر بود قدس اللہ سرہ الاقدس، وہ بہ قوت تصرف ازاں مقامات گزرا نیدند و بہ  
أَصْلُ الْأَصْلِ واصل کردند و ازاںجا بہ عالم باز گردانیدند۔“ لہ  
ترجمہ: ”اس عروج اخیر سے جو کہ مقاماتِ اصل کا عروج ہے حضرت غوث اعظم کی رویت  
اور آپ کی قوت تصرف کی بنا پر میرا گزرا اور اصل الاصل تک میرا وصول ہوا ہے اور وہاں سے  
میری واپسی عالم کو ہوئی ہے۔“

سیدنا عبدالقادر جیلانی سے جو محبت و ارتباط حضرت مجددؒ کو تھا محتاج بیان نہیں حضرت مجددؒ  
نے قلت و کثرتِ خوارق کے سلسلہ میں جو بات کہی ہے کہ حضرت غوث کا نزول مقامِ روح تک تھا  
اس سے آپ کے مخالفین نے یہ فتنہ برپا کر دیا۔ حالانکہ حضرت غوث کے لئے اس مقام تک نزول  
اکمل و افضل تھا کیونکہ آپ سے اللہ تعالیٰ کو بہ کثرت خوارق ظاہر کرانے تھے۔ اگر آپ کا نزول مقام  
قلب تک ہو جاتا تو آپ سے خوارق بہ کثرت ظاہر نہ ہوتے۔

حضرت مجددؒ نے حضرت غوث کی ولایت و بزرگی کو نہایت عمدہ طریقہ پر بیان کیا ہے، پھر بھی حضرت  
مجددؒ کو بدنام کرنے کے لئے آپ پر الزام عائد کیا جا رہا ہے۔ کیا یہی انصاف ہے۔ کیا اسی کا نام تحقیق  
ہے۔ کیا اسی کو آزاد خیالی کہتے ہیں۔  
۳۔ اور جناب شیخ نے لکھا ہے۔

”وَأَنَّ كَثْرَ بَعْضِ مَكْتُوبَاتِ نُوشْتِہِ اَنْدَكْ اَنْكَارِمْ كَ حَكْمَتِ دَر پِیْدَا كَرْدَنْ مَن اَنْ اَسْتَكْتَمَالِ  
ابراہیمی و محمدی در یک جا جمع شود اشد و اعظم است از ہمہ،“ لہ  
(ترجمہ) اور وہ جو بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میرے پیدا کرنے کی حکمت یہ  
ہے کہ کمالِ ابراہیمی اور محمدی ایک جگہ جمع ہو جائے۔ سب سے زیادہ سخت اور سب سے بڑھا ہوا ہے۔  
اس عبارت کا تعلق دفتر دوم کے چھٹے مکتوب سے ہے۔ کاش کہ عبارت صحیح نقل کر دی ہوتی  
حضرت مجددؒ نے یہ الفاظ لکھے ہیں۔

”اَنْكَارِمْ كَ مَقْصُودِ اَزْ اَفْرِیْنِشْ مَن اَنْ اَسْتَكْتَمَالِ مَحْمُودِ بَہْ وِلَايَتِ اِبْرَاهِیْمِیْ مَنْصَبِ گَرْدِ دَ  
حَسَنِ مَلَا حَتِّ اِیْنِ وِلَايَتِ بَرَا اَجْمَالِ صَبَاحَتِ اَنْ وِلَايَتِ مَمْتَرِجْ شُود، وَ دَرْدَ فِی اَلْعَدِیْنِ اِخْنِ یُوسُفَ  
اَلْهَبَعِمْ وَ اَنَا اَمْلَحُ۔ و ہا اِیْنِ اَلْصَبَاغِ وَ اَمْتَرَا جِ مَقَامِ مَحْبُوبِیْتِ مَحْمُودِ بَہْ دَر جَہِ عَلِیَّارِ سَد۔“

(ترجمہ) میں سمجھتا ہوں کہ میری پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ولایتِ محمدی و ولایتِ ابراہیمی سے رنگین  
ہو اور ولایتِ محمدی کا حَسَنِ مَلَا حَتِّ و ولایتِ ابراہیمی کے اَجْمَالِ صَبَاحَت سے مل جائے۔ حدیث شریف  
میں آیا ہے۔ میرے بھائی یوسف میں صباحت اور مجھ میں ملاحت ہے۔ اس طرح کی رنگینی اور آمیزش



سے محبوبیت محمدیہ کا مقام درجہ علیا کو پہنچ جائے گا۔

اجمالِ صباحت سے اشارہ اس ضمنی اتباعِ ملتِ ابراہیمی کی طرف ہے جو آیت اَتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا سے مستفاد ہے۔

حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ جناب شیخ کا بہت ادب و احترام کرتے ہیں۔ باوجود اس کے جناب شیخ کا یہ اعتراض نقل کر کے لکھا ہے۔

”بدان کہ ہمیں عبارت است کہ موجب افتراے بسیار برایشان گردیدہ و مردم بہ گمانِ خود سخنها بر یافتہ اند چنانچہ حضرت شیخ در ہمیں رسالہ نوشتہ کہ شامی گوئید در خلوتے کہ منم محمد بردار است و مردم مشہور ساختہ اند کہ ایشان رسالہ معراجیہ نوشتہ اند و معراج خود بلند تر از معراج سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تحریر کردہ و نیز می گویند کہ ایشان گفتہ اند من و رسول خدا اسپ در میدانِ قرب تا ختم اسپ من سبقت کرد معاذ اللہ، کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَقُولُوْنَ اِلَّا کَذِبًا۔“  
ایں ہر سہ مقدمہ محض افترا است در بیچ جا و بیچ وقت ایں کلمات نہ گفتہ اند۔“

(ترجمہ) جان لو کہ یہی وہ عبارت ہے جو حضرت مجدد پر بہت افترا اور تہمتوں کا سبب بنی ہے اور لوگوں نے صرف اپنے گمان کی بنا پر من گھڑت افسانے بنا ڈالے ہیں۔ چنانچہ خود حضرت شیخ نے اسی رسالے میں لکھا ہے کہ آپ کہتے ہیں: ”جس خلوت میں میں ہوں محمد اس کے دروازہ پر ہیں“ اور لوگوں نے مشہور کیا ہے کہ ”آپ نے رسالہ معراجیہ لکھا ہے جس میں اپنی معراج کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج سے بلند تر بتایا ہے“ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے کہا ہے: ”میدانِ قرب میں میں نے اور رسول خدا نے گھوڑے دوڑائے اور میرا گھوڑا آگے بڑھ گیا۔“ پناہ بہ خدا ”کیا بڑی بات ہو کر نکلتی ہے ان کے منہ سے، سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں“ یہ تینوں باتیں نری تہمتیں ہیں۔ کسی جگہ اور کسی وقت بھی آپ نے یہ باتیں نہیں کہی ہیں۔“

افسوس صد افسوس کیسے جھوٹے الزام لگائے جا رہے ہیں اور ان الزامات کو دیکھ کر علماء کفر کا فتویٰ کیوں نہ دیں گے اور آپ کو واجب القتل کیسے قرار نہ دیا جائے گا، یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور دعویٰ ہے۔

”این مقدار کہ مرا بہ شما محبت و اتحاد است کم کسے را نخواہد بود۔“

(ترجمہ) جس مقدار میں کہ مجھ کو آپ سے محبت اور یگانگت ہے، کم کسی کو رہی ہوگی۔“

حضرت مجدد اور آپ کے صاحبزادوں کو مطعون کرنے والے افراد حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ کی مندرجہ بالا تحریر کو پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ حضرت مجدد کے خلاف کیسی گہری اور گھناؤنی



سازش برپا کی گئی تھی۔ اور اس صورت میں جہانگیر کا آپ کو قتل نہ کرانا ایک عجوبہ ہے۔  
حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے۔

قولہ انکارم۔ الخ۔ حاصل کلام شریف اُن است کہ از کمال متابعت حضرت رسالت مرتبت  
علیہ السلام والحقیت و متابعت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کہ بہ حکم واتباع ملتہ ابراہیم حنیفہ در ضمن  
اُن متابعت است۔ حق سبحانہ بہ طفیل ہر دو صاحب شریعت چنانچہ خادم را از مخدوم می رسد کمالات  
اُن ہر دو صاحب شریعت بہ من رسید و از اولیا بہیچ کس نہ رسید ایں اظہار نعمت و شکر است و اگر  
افتخار بر اولیا ہم معلوم شود مضائقہ نہ دارد چہ اولیا سابق کلمات افتخار بر فضل خود بسیار فرمودہ اند الخ  
(ترجمہ) حضرت مجددؑ نے جو یہ بات کہی ہے کہ ”میں سمجھتا ہوں کہ میری پیدائش کا مطلب یہ ہے“ تو  
اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سر دارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ متابعت کی وجہ سے مجھ کو متابعتِ ابراہیم  
علیہ السلام کا شرف بھی عنایت کیا ہے جو کہ اتباعِ ملتہ ابراہیم حنیفہ کے ضمن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ  
نے مجھ کو دونوں اصحابِ شریعت کے کمالات سے اس حیثیت سے مستفید کیا ہے جیسا کہ خادمِ زلہ بردار  
مستفید ہوا کرتا ہے، یہ صورتِ استفادہ اولیا میں کسی کو نصیب نہیں ہوئی ہے۔ آپ کا یہ ارشاد  
اظہارِ شکر کی بنا پر ہے اور اگر اس کو افتخار پر حمل کر لیا جائے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کیوں کہ  
اولیائے پیشین سے اللہ کے فضل پر بہ کثرت افتخار ثابت ہے۔ الخ۔ اور آپ نے مثال میں حضرت  
غوث اعظم کا قول قَدْ عَمِيَ عَلَى رَقَبَةٍ كُلِّ دَلِيٍّ اَللّٰہ لکھا ہے۔

خَلَّتْ ابراہیمی کی ولایت اور محبوبیتِ محمدی کی ولایت کے امتزاج اور اختلاط کے سلسلہ میں  
حضرت شاہ عبدالعزیز نے پر از حقائق مضمون لکھا ہے، میں اس کا خلاصہ ذیل میں لکھتا ہوں۔  
”ولایتِ خلت کے علاوہ دوسری ولایتوں کا بیان شارح نے کیا ہے۔ چاہے وہ بیان صراحت  
کے ساتھ ہوا ہو چاہے کنایہ اور اشارہ سے۔ جیسے ولایتِ محبت ہے۔ اس کا پتہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَہ  
اور يُحِبُّ اللّٰہُ وَرَسُولُہُ اور يُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُولُہُ سے اور ولایتِ رضا کا پتہ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُمْ  
وَرَضُوا عَنْہُ، اور لَقَدْ رَضِيَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ اِذْ يَبَايَعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ،  
سے چلتا ہے لیکن ولایتِ خلت کا پتہ کسی جگہ سے نہیں ملتا۔

حضرات صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد حضرت جنید بغدادی اور مشائخ قادریہ و چشتیہ کے  
زمانے تک ولایتِ خلت کے علاوہ دوسری ولایتوں کے ذریعہ کمالات حاصل کئے جاتے تھے اور  
ان ولایتوں سے کمالات حاصل کرنے کے طریقے کتابوں میں مَدُون و مَرْتَب اور مَبُوب ہوئے۔  
حضرت مجددؑ سے پہلے طریقہ نقشبندیہ کی راہِ محبت و محبوبیت تھی۔ ذکرِ جہر و وجد و شوق ان کا



مشفقہ تھا، حضرت عبدالخالق عجدوانی اس طریقہ کے بانی ہیں۔ ان کو خضر نے ذکرِ خفی کی تعلیم دی۔ حضرت خواجہ بہار الدین نقشبند بخاری نے اس طریقہ کی آبیاری کی اور وہ بار آور ہوا۔ حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار کے زمانے میں علوم توحید کا امتزاج ہوا یعنی جناب شیخ اکبر کے بیان کردہ علوم اس طریقہ میں بھی رائج ہو گئے اور اس امتزاج نے ایسا رنگ پیدا کیا کہ علوم توحید کا غلبہ ہو گیا۔ اب حضرت مجدد کا دور آیا، آپ نے ان تمام علوم کو بطنوں البطنوں میں پہنچایا یعنی انکو چھوٹا اور اپنے چاک سینہ سے محبوب تک پہنچنے کا ایسا راستہ نکالا کہ شوق و وجد ایک طرف رہ گئے اور مدارِ کارِ قلب و روح و سر و خفی و آخفی اور غنا صریح ہوا، یہاں تک کہ باطن سے انوار اٹھ کر پھر باطن پر گرنے لگے تا آن کہ مقامِ خلّت نے جلوہ دکھایا۔

محبت عاشقی ہے اور محبوبیت معشوقی اور خلّت دوستی و یاری، عاشقی میں آہ و نعرہ و بیتابی اور سر پھوڑنا ہے۔ اور معشوقی میں ناز و دلال و فخر و مباہات، اور خلّت میں صحبت و سرگوشی اور راز و نیاز از جانی ہیں۔

یہ ہے اجمالِ صباحتِ خلّت، اور اگر کوئی تفصیل چاہتا ہے تو حضراتِ مجددیہ کی صحبت چند سال اختیار کرے اور پھر بہ طریقِ وجدان خود ملاحظہ کر لے (اور دیکھ لے کہ ولایتِ محمدی کا حسنِ خلّت ولایتِ ابراہیمی کے اجمالِ صباحت سے کس طرح ملتا ہے اور اس آمیزش سے محبوبیتِ محمدیہ کا مقام کس درجہً علیا کو پہنچا ہے)۔

راہِ ولایتِ خلّت کا بیان ایک ہزار سال سے کسی نے نہیں کیا تھا، یہ مقام سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوہر شریف میں مکنون و مخزون تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت مجددِ قدس سرہ کی ذات کو اس مقام کے ظہور کا منشا بنایا اور آپ کے طفیل ہزار ہا طالبانِ حق اس راہ سے مستفید ہوئے۔

عجب تر یہ ہے کہ سالہا سال حضرت مجدد نے اس طریقہ اور راہ سے طالبانِ حق کی رہبری کی اور پھر حضرت سکندر فرزندِ پسر حضرت کمال کی تھلی سر ہند آئے اور سرِ حلقہ طریقہ محبوبیتِ حضرت غوثِ صمدانی سیدنا عبدالقادر جیلانی کا مبارک خرقہ آپ کو پہنایا اس طرح آپ از راہِ مقامِ خلّت مقامِ محبوبیت کو پہنچے۔ پروردگار اپنے خاص بندوں سے ایسے عجیب معاملات کرتا ہے عجب تر معاملہ یہ ہے جو اس نے اپنے محبوب کے ساتھ کیا ہے۔ کہ ابتدائے کار مقامِ ابراہیمی سے ہوئی جب کہ آپ نے حجرِ اسود کو اس کے مقام پر رکھا۔ پھر آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور آپ نے یہود اور نصاریٰ سے جہاد کیا اور آپ کو مقامِ موسوی اور مقامِ عیسوی عنایت ہوا۔ ان دونوں مقاموں کا آغاز از وقتِ اسرا بہ سوئے بیت المقدس ہو چکا تھا اور غزوہ تبوک پر اس میں تضاعف اور تزیید ہوا۔ اور حجۃ الوداع میں پھر کمالِ ابراہیمی سے مشرف ہوئے اور اس طرح ”الْإِنْفَاقَةُ هِيَ التَّجَوُّعُ إِلَى الْبَيْتِ“



متحقق ہوا۔ یعنی ابتدائے سیر سالک جہاں سے ہوتی ہے جب لوٹ کر پھر اس مقام پر آجاتا ہے تو سیر کی انتہا ہو جاتی ہے۔ ۱۷

افسوس صد افسوس جناب شیخ نے نہ تو نقل میں صحت کا خیال رکھا اور نہ مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ علم ظاہر اور شے ہے اور علم باطن کچھ اور ہے۔ حضرت مجددؒ پر جو کشف ہوتا تھا اس کو وہ بیان فرماتے تھے۔ اور آپ کے کشف کی صحت کے قائل آپ کے پیرو مرشد تھے۔ جناب شیخ کو مناسب نہ تھا کہ وہ اسرار و معارف میں حضرت مجددؒ پر نکیر کرتے۔

حضرت شاہ غلام علی اپنے دور کے قیوم تھے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ کو ان کے پیرو مرشد علم الہدیٰ فرماتے تھے اور کہا کرتے تھے اگر مجھ سے رب العزت کہے گا کہ میرے واسطے کیا تحفہ لایا ہے تو میں عرض کروں گا۔ ثناء اللہ۔ اور حضرت قاضی صاحب کو ان کے استاد زادے حضرت شاہ عبدالعزیز بیہقی وقت کہتے تھے اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے علم و کمال کا ایک جہان قائل ہے۔ یہ تینوں حضرات سرچشمہائے علم و عرفان الہی تھے۔ جب یہ کسی کی عظمت و ولایت کے معترف ہوں تو یقیناً کامل ہے کہ وہ شخص ولی پروردگار ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے کہ ایک جنازہ گزرا صحابہ نے اس کی خوبی کا بیان کیا آپ نے فرمایا۔ ”وَجَبَتْ“ واجب ہوئی۔ پھر ایک جنازہ گزرا اور اس کی بُرائی کا بیان ہوا آپ نے فرمایا۔ واجب ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ کیا واجب ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے جس کی خوبی بیان کی اس کے واسطے جنت اور جس کی بُرائی بیان کی اس کے واسطے دوزخ واجب ہوئی۔ اَنْتُمْ شَهِدَاۤءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ۔ تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔ ۱۸ یہ تینوں حضرات شہداء اللہ ہیں اور ان کی گواہی یقیناً مقبول ہے۔

جناب شیخ نے کہیں سے خلوت کی بات سنی کہیں سے رسالہ معراجیہ کی داستان اور کہیں سے اُسپ دوانی کا قصہ اور پھر آپ کی محرف عبارت پڑھ کر ”اَشَدَّ وَاَعْظَمُ“ کا حکم صادر کر کے لکھا ہے۔ ”وگفتہ اند کہ ہمہ کمالات محمدیہ بے تفاوت در ذات من حاصل است لیکن بہ تبع و طفیل است مردے ثقہ صادق از ایشان شنید، آن شخص گفت از اینجا مزیت شما بر انبیا لازم می آید جواب دادند آن جا بہ اصالت است و ایں جا بہ طفیل“ ۱۹

ترجمہ۔ ”اور آپ نے کہا ہے کہ تمام کمالات محمدیہ بلا تفاوت میری ذات کو حاصل ہیں لیکن ایک طفیل اور تابع کی حیثیت سے۔ ایک ثقہ اور معتبر شخص نے یہ بات آپ سے سنی ہے اور اس نے آپ سے کہا ہے کہ اس صورت میں آپ کی فضیلت انبیا پر لازم آتی ہے۔ آپ نے جواب دیا، وہاں یہ کمالات بہ طور اصالت ہیں اور یہاں بہ طور تبعیت۔“



جناب شیخ کی عجیب حالت ہے جو شخص بھی ان سے حضرت مجددؒ کے متعلق کوئی بات کہتا ہے وہ اس بات کو قبول کرتے ہیں اور اس شخص کو صادق اور ثقہ قرار دیتے ہیں اور حضرت مجددؒ پر الزام عائد کر دیتے ہیں۔ جناب شیخ کی اس عبارت کو حضرت شاہ غلام علی نے نقل کر کے لکھا ہے۔ ”یہ بات خلاف واقع ہے۔ حضرت مجددؒ نے یہ بات کبھی نہیں کہی ہے اور نہ ایسا دعویٰ کیا ہے البتہ آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو جو کچھ بھی ملا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور آپ کی متابعت کی وجہ سے ملا ہے۔“ ۱۷

جناب شیخ نے مسموعات کا ذبہ اور الزامات باطلہ لکھ کر اصل مقصد کا اظہار ان الفاظ سے کیا ہے۔ ”ایں ہمہ رامی گزرا نیدیم تا نوبت بہ ایں مکتوب رسید کہ باعث ایں ہمہ نفرت و وحشت گشت“ ۱۸

ترجمہ۔ میں ان سب باتوں سے درگزر کر رہا تھا یہاں تک کہ اس مکتوب کی باری آئی جو اس تمام نفرت اور وحشت کا ذریعہ بنی۔“

جناب شیخ نے اس جگہ کھلے اور صاف الفاظ میں اپنی نفرت اور وحشت کا اعتراف کیا ہے، اس صورت میں آپ کی اس تحریر کے متعلق کیا کہا جائے گا جو اسی مکتوب میں آپ نے لکھی ہے۔

”ایں مقدار کہ مرا بہ شما نسبت محبت و اتحاد است کم سے را خواهد بود“ ۱۹

ترجمہ۔ جس قدر محبت اور اتحاد مجھ کو آپ سے ہے کم کسی کو ہوگا۔“

اس تحریر کے بعد جناب شیخ نے حضرت مجددؒ کے اس مکتوب کو جو نفرت و وحشت کا سبب بنا ہے کاملاً نقل کیا ہے اور پھر اس پر تنقید کی ہے۔ یہاں پر خاص طور پر ذکر کرنے کی یہ بات ہے کہ اس مکتوب کی نقل میں کسی تصرف کا اثر نہیں ہے جزوی اختلاف اور غلطیاں ہیں اور وہ نقل و نقل کا ثمرہ ہیں، چوں کہ اس مکتوب کی وجہ سے جناب شیخ نے حضرت مجددؒ پر سخت اعتراضات کئے ہیں اس لئے میں پہلے اس مکتوب کو نقل کرتا ہوں اور یہ نقل مکتوبات شریف سے کرتا ہوں تاکہ حضرت مجددؒ کی تحریر صحیح طور پر سب کے سامنے آئے۔ اور پھر اس کا ترجمہ لکھ کر جناب شیخ کے اہم اعتراضات کا بیان کروں گا، حضرت مجددؒ نے لکھا ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ مِنْهُمْ مُرِيدُ اللَّهِ أَمُّ حَبْلٍ وَغَلَا وَهُمْ مُرَادُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، سلسلہ ارادت من بے توسط بہ اللہ متصل است تعالیٰ، وید من نائب منابِ یَدِ اللہ است سبحانہ ارادت من بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ وساطتِ کثیرہ است۔ در طریقہ نقشبندیہ بیست و یک واسطہ در میان است و در طریقہ قادریہ بیست و پنج و در طریقہ چشتیہ بیست و ہفت،



وَأَرَادَتْ مِنْ بِنْتِ اللَّهِ تَعَالَى قَبُولَ وَسْطَتِ نَمِي نَمَايِدِ چنانچہ گزشتہ پس من ہم مُرید محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَہم ہم پیرہ پس رَوَاوُ لہ برخوانِ ایں دولت ہر چند طفیلی اُمّ اَمّا ناخواندہ نیامدہ اُمّ، و ہر چند تابع اُمّ اَمّا از اصالت بے بہرہ نیم، و ہر چند اُمّت اُمّا شریک دولتہ نہ شریکتے کہ از اں دعوے ہم سَری خیزد کہ اں کفر است بلکہ شرکت خادم است بامخدوم، تا نہ طلبیدہ اند بر سفرہ ایں دولت حاضر نہ شدہ ام و تا نہ خواستہ اند دست بہ ایں دولت دراز نہ کردہ ام، ہر چند اویسی اُمّ اَمّا مُرّی حاضر و ناظر دارم، ہر چند در طریقہ نقشبندیہ پیر من عبدالباقی است، اَمّا متکفل تربیت من اللہ الباقی است، من بفضل تربیت یافتہ اُمّ و بہ راہ اجتناب رفتہ، سلسلہ من سلسلہ رحمانی است کہ من عبد الرحمن اُمّ چہ رَبِّ من رَحْمَن است و مُرّی من ارحم الراحمین و طریقہ من طریقہ سبحانی است کہ از راہ تنزیہ رفتہ اُمّ و از اسم و صفت جزوات اقدس تعالیٰ نہ خواستہ، ایں سبحانی نہ اں سبحانی است کہ بَسْطامی بہ اں قائل گشتہ است کہ اں را بہ ایں مَسَا سے نیست کہ اں از دائرہ انفس برآمدہ است و ایں ماورائے انفس و آفاق ست و اں تشبیہ است کہ لباس تنزیہ پوشیدہ است و ایں تنزیہ است کہ گردے از تشبیہ بہ دے نہ رسیدہ و اں از سرچشمہ سُکر جو ش زوہ است و ایں از عین صُحُور برآمدہ است۔ ارحم الراحمین در حق من اسباب تربیت را غیر از مُعَدَّات نہ داشتہ است و عَلّت فاعلی در تربیت من غیر از فضل خود را نہ ساختہ از کمال کرم اہتمام و غیرتے کہ در حق من وارد تعالیٰ و تقدس تجویز نمی فرماید کہ فعل دیگرے را در تربیت من مدخلتے باشد یا من بہ دیگرے دریں معنی متوجہ گردم مُرّی اُمّ الہی اُمّ جَل شائے و مجتہائے فضل و کرم نامتناہی او تعالیٰ ہ باکریاں کار ہا دشوار نیست۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْبَامِ وَالْمِنَّۃُ، وَالصَّلَاۃُ عَلٰی رَسُوْلِہِ وَالْحَیَّۃُ اَوَّلًا وَاٰخِرًا۔ ۱۵

(ترجمہ) تعریف اللہ کے واسطے اور سلام اس کے برگزیدہ بندوں پر۔ میں اللہ تعالیٰ کا مُرید بھی

لہ وَہم ہم پیرہ پس رَوَاوُ، چونکہ لفظ پیرہ کا استعمال کہ ہے اسی واسطے ناقلوں کا نسخہ مشق بنا ہے۔ حیات عبدالحق میں جناب شیخ کے طویل مکتوب میں دو طرح لکھا ہوا ہے۔ صفحہ ۳۱۵ میں "وہم ہم پیرہ پس رَوَاوُ" اور صفحہ ۳۱۹ میں "ہمسرہ اویم" اور مکتوبات شریف مطبوعہ احمدی دہلی کے صفحہ ۱۲۸ میں اور نو کشور کے صفحہ ۱۲۹ کے مطبوعہ میں "وہم ہم پیرہ پس رَوَاوُ" اور مطبوعہ مولوی نور احمد پیرہری امرتسری در صفحہ ۳۳ میں "وہم ہم پیرہ پس رَوَاوُ" ہے۔ مولانا وکیل احمد سکندر پوری لے کتاب ہدیہ مجددیہ کے صفحہ ۱۹۵ میں لکھا ہے "مکتوبات شریف میں ہم پیرہ کا لفظ نہیں ہے اور نہ اندر لے لغت اس کے کوئی معنی ہیں۔ اگر کسی کو اس لفظ کا ارتعاب ہے تو وہ لغت سے ثابت کرے۔ یہ لفظ ہم پیرہ ہے۔ حرف سلا مُشَدّد ہے اور اس پر فتح ہے۔ اس کے معنی صفت شکر اور پیر کاہ کے ہیں۔ ان دونوں معانی سے عاجزی اور انکساری کا اظہار ہوتا ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۹ میں لکھا ہے "اصحاب ارادت جو پس رد ہوا کرتے ہیں صفت شکر سے مشابہت رکھتے ہیں" وکیل احمد کا بیان پڑھ کر میں نے حضرات اجداد کرام کے قلمی نسخوں کو نکالا۔ صفحہ ۱۲۸ کا تقریر شدہ نسخہ حضرت شاہ احمد سعید کے تصرف میں رہا ہے اور آپ نے غالباً اسی نسخہ میں حضرت شاہ غلام علی سے مکتوبات شریفہ از اول تا آخر پڑھے ہیں دوسرا نسخہ دفتر دوم و سوم پر مشتمل ہے۔ کاغذ اور تقریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ بارہویں صدی میں لکھا گیا ہوگا۔ بغیر نسخہ ۱۲۸ میں محمد بخش نادان نے لکھا ہے۔ یہ بھی دفتر سوم و دوم پر مشتمل ہے۔ ان عینوں قلمی نسخوں میں وضاحت کے ساتھ ہم پیرہ لکھا ہے۔ مولانا وکیل احمد کی تحقیق درست ہے۔ رحمہ اللہ و رضی عنہ۔ ۱۵ دفتر سوم کا مکتوب ۸۷۔



ہوں اور مراد بھی ہوں، میری ارادت کا سلسلہ بغیر کسی تَوَسُّط و حیل و تَوَلُّت کے اللہ سے متصل ہے اور میرا ہاتھ اللہ کے ہاتھ کا نائب مناب ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ارادت میں بہت واسطے ہیں، طریقہ نقشبندیہ میں اکیس واسطے اور طریقہ قادریہ میں پچیس اور طریقہ چشتیہ میں ستائیس، لیکن اللہ کی ارادت میں جیسا کہ لکھ چکا ہوں وساطت کا سوال نہیں، بنا بریں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرید بھی ہوں اور آپ کا ”ہَمَّزِہٖ لَیْسَ رُو“ بھی (پچھپے چلنے والا خادم بھی) اگرچہ اس خوانِ نعمت پر طفیلی ہوں تاہم بنِ بُلّائے نہیں آیا ہوں۔ اگرچہ تابع ہوں لیکن اِصَالَت سے محروم نہیں ہوں، اور اگرچہ اُمّتی ہوں لیکن نعمت میں شریک ہوں۔ نہ وہ شرکت جس میں ہمسری کا دعویٰ ہو بلکہ وہ شرکت جو کہ ایک خادم کو اپنے مخدوم سے ہوا کرتی ہے، جب تک بُلّایا نہ گیا خوانِ نعمت پر حاضر نہ ہوا اور جب تک اجازت نہ ملی نعمت کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا، اگرچہ اُوّسی ہوں (روحانیوں کا پروردہ و تربیت یافتہ) لیکن حاضر و ناظر مَرْتَبی رکھتا ہوں۔ اگرچہ طریقہ نقشبندیہ میں میرے پیر عبدالباقی ہیں لیکن میری تربیت کا مُتَکِفِل اللہ الباقی ہے۔ اس کے فضل نے میری تربیت کی ہے اور راہِ اِجْتِبَا پر چلا ہوں (پسندیدہ راہ پر) میرا سلسلہ رحمانی ہے اور میں عبد الرحمن ہوں، میرا رَبِّ رَحْمَان ہے اور مَرْتَبی اَرْحَمُ الرَّاحِمِین، میرا طَرِیقہ طَرِیقہٗ سُبْحَانِی ہے جس تک راہِ تَنْزِیہ سے پہنچا ہوں نام اور صفت سے مُسْتَمٰی کے علاوہ جو کہ ذاتِ بَحْت ہے کسی کا طالب نہیں، یہ سُبْحَانِی وہ سُبْحَانِی نہیں ہے جس کے قائل بایزید بسطامی ہوئے تھے۔ ان کے قول کو میرے قول سے کوئی ارتباط نہیں کیوں کہ ان کے قول کا صُدُور دَاوَرَةُ اَنْفُس سے ہوا ہے (ابھی بَسْطَامِی مقامِ توحید و اِخْوَالِ مُکْرَمِین تھے) اور میرے اس قول کا صُدُور دَاوَرَةُ اَنْفُس و اَفَاق سے وَرَّار ہوا ہے، وہ تشبیہ ہے جو کہ لُبَّاسِ تَنْزِیہ میں ہے اور یہ سراسر تَنْزِیہ ہے کہ تشبیہ کا کوئی اثر اس پر نہیں۔ وہ چشمہٗ مُکْرَم و مَدَّ مَہُوشی سے اُبلا ہے اور یہ ہوش و آگاہی کی سوت سے نکلا ہے، میرے لئے اسبابِ تربیت کو ارحم الرحمن نے بہانہ بنایا ہے، اور بجز اس کے فضل کے کوئی شے میری تربیت کی عِلَّتِ فاعِلی نہیں، کمالِ کرم سے جو عنایت اس کی مجھ پر ہے وہ نہیں چاہتی کہ اس کے سوا کسی اور کے فعل کو میری تربیت میں دخل ہو یا میں کسی کی طرف اس کام کے لئے متوجہ ہوں میں اپنے مولیٰ کا پَرُوْدَہ اور اس کے فضل و کرم نا متناہی کا برگزیدہ ہوں۔ ”باکریماں کار ہادشوار نیست“ تعریف اللہ کے واسطے جو جَلّال و اِکْرَام اور اِحْسَان والا ہے اور اس کے رسول پر دُرُودِ وِیْزَا، شروع میں بھی اور آخر میں بھی۔“ حضرت مجدد کے اس مبارک مکتوب کو جب میں پڑھتا ہوں ضمیر کہتا ہے کہ جس وقت حضرت

لے اُوّسی کا یہ بیان آپ نے دفتر سوم کے مکتوب ۱۳۱ میں کیا ہے۔ لے حضراتِ مشائخ نے کہا ہے کہ ہر شخص کا مَرْتَبی اللہ تعالیٰ کا کوئی اسمِ مکرّم ہوتا ہے۔ آپ کا مَرْتَبی اسمِ رحمن تھا اور آپ عبد الرحمن ہوئے۔ لے شیخ اکبر اور وحدتِ وجود کے بیان میں دفتر دوم کے مکتوب ۴۲ کو اَنْفُس و اَفَاق کے سلسلہ میں دیکھیں۔



نے اس کو لکھا ہے آپ کی ہیئت و خدائی ریاض انس و حضوری میں سائر و دائر تھی۔ جو انعامات ہو رہے تھے اور جن اکرامات کو یاد دلایا جا رہا تھا، زبان قلم ان کا بیان کر رہی تھی، آپ کی کیفیت بہ زبان حال کہہ رہی تھی۔ **لَمْ يَمَعْ اللَّهُ وَقْتُ لَا يَسْخُ فِيهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ** لہ ترجمہ۔ میری ایک گھڑی اللہ کے ساتھ ایسی بھی ہوتی ہے کہ اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ نہ کسی مقرب فرشتہ کی اور نہ کسی مرسل نبی کی۔

کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ **رَحِمَهُ اللَّهُ**

جآنے خیال غیر کے فرصت نہیں ہیں ہیں جلوۂ نگار کی مہانیوں میں ہم حضرت مجددؒ نے لکھا ہے کہ میری ارادت کا سلسلہ بغیر کسی توسط کے اللہ سے متصل ہے۔ یہ عبارت جناب شیخ کے واسطے نہایت برہمی کا سبب بنی ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ اس عبارت کی وجہ سے حضرت مجددؒ کے معاندوں نے جو کچھ جناب شیخ سے کہا تھا اور جو محرف عبارتیں پیش کی تھیں ان سب کو جناب شیخ نے صحیح تسلیم کر لیا۔ اور حضرت مجددؒ کے متعلق یہ خیال کر لیا کہ آپ کو، پناہ بہ خدا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمسری کا دعویٰ ہے۔ اور ”ہم پرہ“ کے لفظ کو ہمسر سمجھنے کی وجہ سے مزید اس خیال میں تقویت ہو گئی۔

اندیس احوال اگر جناب شیخ دوسرے ”نیم ملا“ کی طرح آپ کو کافر اور واجب القتل قرار دیتے تو کوئی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن آپ کا اتقا، آپ کا اولیائے پروردگار سے ارتباط، اور آپ کا علم آپ کے کام آیا اور اللہ تعالیٰ کا فضل شامل ہوا آپ نے تکفیر نہیں کی۔ بلکہ زبردستی کے حدود میں معاملہ کو دائر رکھا۔ اور اس عبارت اور اس کے بعد کی چند عبارتوں پر صفحات لکھ ڈالے۔

وہ افراد جو علوم دین سے ناواقف ہیں۔ یا وہ افراد کہ جن کے علم کا تعلق ظاہری علوم سے ہے اور وہ حضرات مشائخ کرام کے اقوال اور ان کے علوم سے ناواقف ہیں، یقیناً جناب شیخ کی حمایت کریں گے اور حضرت مجددؒ کے متعلق بُری رائے کا اظہار کریں گے۔

میرا خیال یہ ہے کہ جس شخص کو بھی شریعت اور طریقت کے علوم اور اصطلاحات سے واقفیت ہے وہ جناب شیخ کے رویہ کو بعید از انصاف قرار دے گا، کیوں کہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی بات بُری ہے تو وہ سب کے لئے بُری ہے۔ یہ نہیں کہ بعض کے لئے بُری اور بعض کے لئے اچھی جناب شیخ نے اپنے اس مکتوب میں جو رویہ اختیار کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت مجددؒ کے ساتھ امتیاز برت رہے ہیں۔ حضرت مجددؒ نے اس مبارک مکتوب میں انکوائی مرادیت کا بیان کیا ہے

لہٰذا علی قادی نے موضوعات کبیر میں اس کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ صوفیہ اسکو کثرت نقل کرتے ہیں اور ملک مقرب سے جبریل مراد ہیں اور نبی مرسل سے مراد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے اور اس میں اشارہ اس مقام استغراق کی طرف ہے جو حضوری کے وقت ہوتا ہے اور جس کو فنا کہتے ہیں۔ یعنی اسوقت سالک روماء و خیال اپنے مولیٰ ہی میں مستغرق ہوتا ہے۔



جس کو مقام جذبہ کہتے ہیں یعنی پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے جذب کرتا ہے اور اس وقت اس پر نوازشیں کرتا ہے۔ ان نوازشوں کے وقت کوئی واسطہ حائل نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں حضرت مجددؒ نے لکھا ہے۔

”تحقیق ایں مقام اُن است کہ توسط اُن سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بہ دو معنی تواند بود، یکے اُن کہ او صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم حائل و حاجب بود در میان سالک در میان مطلوب و معنی دوم اُن است کہ سالک بہ طفیل او بہ توسط تبعیت و متابعت او علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بہ مطلوب واصل گردد و در طریق سلوک و پیش از رسیدن بہ حقیقت محمدی توسط بہر دو معنی کائن است بلکہ می انگارم کہ دریں طریق از شیوخ ہر کہ در میان آمدہ است متوسط و حاجب شہود سالک است۔ وائے اگر او آخر حال جذبہ تدارک اُن نہ نماید و معاملہ از پردہ بہ بے پردگی نہ کشد زیرا کہ در طریق جذبہ و بعد از رسیدن بہ حقیقتہ الحائق توسط بہ معنی ثانی است کہ طفیل و تبعیت است نہ خیلوت و حجاب کہ پردہ شہود و مشاہدہ و مانند آنہا بود“ لہ

”اس مقام کی تحقیق اس طرح پر ہے کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طالب اور مطلوب کے درمیان حائل اور حاجب ہیں اور دوسری یہ کہ آپ کے طفیل اور آپ کی تبعیت اور متابعت کے طفیل طالب اپنے مطلوب سے واصل ہو گیا ہے۔ سلوک کے راستہ میں جب تک سالک حقیقت محمدی تک نہیں پہنچا ہے، توسط بہر دو صورت موجود ہے بلکہ میرا خیال ہے کہ وہ تمام مشائخ جو کہ سلسلہ میں آئے ہیں سالک کے شہود میں حاجب ہیں۔

افسوس ہے اگر جذبہ کا او آخر حال اس کا تدارک نہ کرے اور پردہ سے بے پردگی تک معاملہ نہ پہنچے کیونکہ راہ جذبہ میں حقیقت الحقائق (حقیقت محمدی) تک پہنچنے کے بعد توسط دوسری صورت اور درجہ کا ہوتا ہے جو بہ معنی طفیلیت اور تبعیت ہے نہ بمعنی خیلوت و حجاب جو کہ شہود و مشاہدہ اور ان جیسے دوسرے مقامات کے لئے بہ منزلہ پردہ و حجاب کے ہے“

حضرت مجددؒ کے اس بیان کو جو میں نے نقل کیا ہے جناب شیخ نے پڑھ کر اپنا طویل خط لکھا ہے اور حضرت مجددؒ کے اس کلام کو جس کا تعلق او آخر حال جذبہ سے ہے اور جس کو حضرات مشائخ و صلِ غریبان کے نام سے یاد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

اُشود غریبان ز تن من از خیال تا خرامم در نہایات الوصال  
جناب شیخ بہ صورت اطلاق ذکر کرتے ہیں۔ اور حضرت مجددؒ کے اس واضح بیان کو کہ طفیلیت



اور تبعیت کا توسط ہر حال میں ہے۔ نظر انداز کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”آں کہ می گوئید در قرب و وصول تا بہ مقام رسیدہ ام کہ ہیچ کس واسطہ نیست و ہیچ یکے را دخل نیست نہ رسول و نہ غیر ویرا۔ اگر واسطہ بودند در وقت سلوک بودند حالاکہ سلوک تمام شدہ و قرب درگاہ حاصل گشتہ و وصول بہ حصول پیوستہ ہیچ کس واسطہ نیست و ہمہ منقطع شدند۔“ (ترجمہ) آپ جو یہ کہتے ہیں کہ قرب و وصول کے ایسے مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ کوئی شخص واسطہ نہیں ہے اور کسی کا کوئی دخل نہیں ہے، نہ رسول کا نہ ان کے سوا کسی دوسرے کا۔ اگر وہ واسطہ تھے تو دوران سلوک میں تھے، اب جب کہ سلوک تمام ہو گیا ہے اور درگاہ کا قرب حاصل ہو گیا ہے، کوئی واسطہ نہیں رہا اور سب منقطع ہو چکے۔“ لہ

حضرت شاہ غلام علی دہلوی اپنے رسالہ کے صفحہ ۲۶ پر اس عبارت کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔  
”الْقِيَادُ بِاللَّهِ اِسْ چہ خلاف نویسی است و اِس چہ بے تحقیق گوئی است۔ در ہیچ مکتوب اِشیا اِس چنین عبارت نیست۔ يَا سَيِّدِي عَفَى اللّٰهُ عَنْكَ“

(ترجمہ) پناہ بہ خدا۔ یہ کیسی الٹ تحریر اور کیسی بے تحقیق بات ہے۔ حضرت مجدد کے کسی مکتوب میں ایسی عبارت نہیں ہے۔ اے شیخ، اللہ تم کو معاف کرے۔“

اس جگہ یہ بات ظاہر کرنی ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت شاہ غلام علی نے مسلسل پینتالیس سال مکتوبات قدسی آیات کا درس دیا ہے۔ لہذا جب آپ لکھدیں کہ حضرت مجدد نے یہ بات کہیں نہیں لکھی ہے تو وہ قطعاً درست ہے۔ مع ہذا اگر کوئی تحقیق کرنی چاہے شوق سے مکتوبات و رسائل کی اوراق گردانی کرے۔

افسوس ہے کہ جناب شیخ اس حدیث سے صرف نظر کر رہے ہیں جس کو حضرات صوفیہ نقل کر رہے ہیں اور جس کی تشریح ملا علی قاری نے کی ہے، اور جناب شیخ اتنا خیال نہیں فرماتے کہ جو بات حضرت مجدد نے کہی ہے آپ سے پہلے صد ہا مشائخ فرما چکے ہیں، حضرت شاہ غلام علی نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۲۹ میں امام شعرانی اور شیخ اکبر کے اقوال نقل کئے ہیں اور مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے اپنی کتاب میں خوب تفصیل سے سیدنا عبدالقادر جیلانی اور دوسرے مشائخ کبار کی عبارتیں نقل کی ہیں انکو ملاحظہ کیا جائے۔ لہ

اگر اس بات کی وجہ سے حضرت مجدد پر اعتراض وارد ہوتا ہے تو یہ اعتراض صد ہا مشائخ کبار پر بھی وارد ہوتا ہے۔ مولانا سید صدیق حسن خان نے کیا خوب لکھا ہے۔

لہ حیات مجدد الحق صفحہ ۳۱۶۔ لیکن میں نے حضرت شاہ غلام علی کے رسالہ سے جملی ہے یہ عبارت صفحہ ۲۶ سے نقل کی ہے۔  
لہ ہدیہ مجددیہ کے صفحہ ۱۶۹ سے ۱۸۵ تک۔



”وَقَدْ شَارَكَ فِيهَا غَيْرُكَ مِمَّنْ لَا يُحْصَى كَثْرَةُ فَلَيْسَ إِذَا يُخَصَّصُ الْإِنْكَارُ“ ۱۵

(ترجمہ) اس طرح کی باتوں میں بے حساب افراد آپ کے شریک ہیں، لہذا اس انکار کی تخصیص آپ سے نہیں ہے۔ ”کیا سیدنا عبدالقادر جیلانی اور کیا دوسرے مشائخ کبار اس انکار میں داخل ہیں۔ میں حضرت شاہ غلام علی کے اس قول پر: ”ایں چہ خلاف نویسی و چہ بے تحقیق گوئی است یا شیخ عفی اللہ عنک“ جو کہ تمام لغزشوں کا جواب اور ہر قسم کی نفرت و وحشت کے لئے بہ منزلہ تریاق ہے اس رنجہ اور مؤلم بیان کو ختم کرتا ہوں۔ اور تازہ دم و نوخاستہ محققین سے یہ گزارش ہے کہ وہ تحقیق کے معیار کو گرانے کی کوشش نہ کریں۔ کتابیات کی لمبی فہرست لکھ دینے سے غلط بیانی جائزہ صحت نہیں پہن سکتی۔ جھوٹ کا اظہار ہو کر رہے گا اور وہ لمبی فہرست طوق رسوائی بنے گی۔ ع اگر درخانہ کس است یک حرف بس است۔

**اخلاص نامہ** | شاہ نعیم اللہ بہرائچی نے اپنی کتاب بشارات مظہریہ میں اپنے پیرو مرشد حضرت میرزا جان جانان مظہر شہید قدس سرہ کا یہ بیان لکھا ہے۔

”می فرمودند کہ از اخلاص نامہ شیخ عبدالحق دہلوی کہ بہ جانب حضرت خواجہ حسام الدین احمد کہ از اجل خلفائے عارف و کامل و خدا آگاہ، حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ اند، و مکتوبے طولانی کہ بہ اولاد خود بدیں مضمون نوشتہ اند، آنچہ مسودات اقتراعات کہ بر کلمات قدسی آیات حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوشتہ ام در آپ جمن بشویند۔ معلوم می شود آنچہ غبارے بہ نسبت حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ خاطر ایشان رسیدہ بود آخر بہ صفا انجامیدہ است و آن اخلاص نامہ ایں است۔

سَلَّمَ اللَّهُ وَأَبْقَاكُمْ عَلَى رُؤُسِ الْمُحِبِّينَ الطَّالِبِينَ الْغُلِيِّينَ دِیْنِ دُوسرے روز کہ از احوال شریف خبر نہ گرفت یا بہ جہت تقصیر کے کہ در جبلت بشر است یا بہ قصد آن کہ مطلقاً از آلائش ضعیف و فقرت پاک شدہ باشند تا بہ خبر مسرت اثر صحت کلی و عافیت تام مشرف و مسرور گرد و امید کہ بہ اعلام آن مشرف گردانند ویدہ محبت در راہ انتظار وصول اخبار مسرت آثار بندگی حضرت میاں شیخ احمد دوچار است، امیدوار است کہ دعائے محبان بہ اجابت رسیدہ اثر عظیم آرد، نسبت ایں فقیر در ایں ایام و صفاے باطن بہ خدمت ایشان از حد متجاوز است و اصلاً پزدہ بشریت و غشاوہ جبلت در میان نہ ماندہ نہ می داند کہ اللہ کجا است۔ با قطع نظر از رعایت طریقہ انصاف و حکم عقل کہ بہ ایں چنین عزیزان و بزرگان بدہ نہ باید بود و در باطن بہ طریق ذوق و وجدان و غلبہ چیزے افتادہ است کہ زبان از تقریر آں لال است۔ سُبْحَانَ اللَّهِ مُقَلِّبِ الْقُلُوبِ وَ مُبَدِّلِ الْأَحْوَالِ، شاید کہ ظاہر بینان در ایں جا استبعاد کنند۔ من نہ می دانم کہ حال چیست و بہ چه سؤال است۔ زیادہ چہ گوید و چہ نویسید



وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ ۝ ۱۵

(ترجمہ) فرماتے تھے کہ جو اخلاص نامہ شیخ عبدالحق دہلوی نے حضرت خواجہ حسام الدین احمد کو ارسال کیا ہے جو کہ عارف و کامل و خدا آگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے عالی قدر خلفائیں ہیں اور جو طویل مکتوب اپنی اولاد کو اس مضمون کا لکھا ہے کہ حضرت مجدد کے کلمات قدسی آیات پر جو اقتراحاتی مسودے میرے تحریر کردہ ہیں ان کو جتنا کہ پانی میں دھو ڈالو۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مجدد کی طرف سے جو غبار اُن کے دل میں تھا وہ صاف ہو گیا تھا۔ اور وہ اخلاص نامہ یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت اور چاہنے والے مخلص طالبوں کے سروں پر باقی رکھے۔ اس دو تین دن کے عرصہ میں آپ کے احوال شریفہ کی خبر معلوم نہ کرنے کی وجہ یا تو وہ کوتاہی ہو سکتی ہے جو انسان کی فطرت میں ہے یا پھر وہ ارادہ ہو سکتا ہے کہ کامل صحت حاصل ہو جائے اور پھر خبر مسرت سننے میں آئے امید و صحت کی خبر سے آگاہ کریں گے۔

بندگی حضرت میاں شیخ احمد کے اخبار مسرت آثار پر چشم شوق لگی ہوئی ہے۔ امید ہے چاہنے والوں کی دعا قبول ہو کر بڑا اثر پیدا کرے گی۔ آج کل ان سے فقیر کا قلبی تعلق بے حد زیادہ ہے بشریت کا کوئی پردہ یا افتاد طبع کا کوئی اثر بالکل حائل نہیں رہا۔ میں خود نہیں جانتا کہ یہ کس بنا پر ہے۔ اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ طریقہ انصاف کی رعایت اور حکم عقل کا تقاضا ہے کہ ایسے عزیزوں اور بزرگوں کے ساتھ برائے ہونا چاہئے۔ میرے دل میں ذوق و وجدان اور غلبہ کی بنا پر کچھ ایسی کیفیت پیدا ہو گئی ہے کہ اس کے بیان سے زبان قاصر ہے۔ پاک ہے اللہ دلوں کا پلٹنے اور احوال کا بدلنے والا۔ ظاہر بین شاید اس پر یقین نہ کریں۔ میں خود بھی نہیں جانتا کہ کیا حال ہے اور کیوں ہے۔ زیادہ کیا کہوں اور کیا لکھوں۔ حقیقت حال کا پورا علم اللہ کو ہے ۝ ۱۵

حضرت میرزا قدس سرہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے جناب شیخ کے اس طویل مکتوب کو ملاحظہ کیا ہے جو جناب شیخ نے اپنی اولاد کے نام لکھا ہے۔ آپ کے واسطے اس کے ذرائع اچھی طرح نہایت ہو گئے تھے۔ آپ کے پیر و مرشد سید نور محمد بدایونی قدس سرہ حضرت شیخ سیف الدین کے خلیفہ تھے، مع ہذا انھوں نے حضرت حافظ محمد محسن سے بھی استفادہ کیا ہے جو کہ حضرت سیف الدین کے اور پھر آپ

۱۵ اشارت منظر کا پورا نام اشارت منظر یہ در فضائل مجددیہ ہے۔ شاہ نسیم اللہ بہرائچی رمضان ۱۲۹۹ھ میں حضرت میرزا جان جانان کی خدمت میں پہنچے۔ تقریباً تین سال آپ کی خدمت میں رہے اور خلافت حاصل کر کے وطن کر گئے۔ اسی عرصہ میں انھوں نے یہ کتاب لکھی ہے اور اپنے پیر و مرشد کو دکھائی ہے اور آپ نے جزدی طور پر ملاحظہ بھی فرمائی ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ شہرہ کا تحریر کردہ لندن کے کتب خانہ میں ہے۔ اس نسخہ کے حاشیہ پر حضرت شاہ غلام علی نے اپنے ہاتھ سے بعض جگہ تحریر فرمایا ہے۔ اس نسخہ کا عکس میں لے لندن سے منگوا یا ہے۔ واضح رہے کہ مصنف نے حضرت میرزا جانان کی شہادت کے بعد آخر میں کچھ اضافہ بھی کیا ہے۔ اس کتاب کے ورق ۳۴ کے دوسرے صفحہ پر یہ عبارت ہے۔



کے حضرت والد خواجہ محمد معصوم کے خلیفہ تھے اور بشارات مظہریہ میں لکھا ہے کہ آپ جناب شیخ عبدالحق کے نواسے تھے۔ لہ

حضرت محمد محسن کے صاحبزادے حضرت محمد احسان آپ کے قدمائے اصحاب اور مکمل خلفائیں سے تھے اور ان کے بھائی شیخ غلام حسن بھی آپ کے مخصوص اصحاب اور زبدۂ اجباب میں سے تھے۔ لہ شاہ فتح محمد چشتی فتحپوری کی عبارت ”آپ کی مخالفت“ کے بیان میں ہیں نقل کر چکا ہوں۔ انہوں نے صاف الفاظ میں بیان کیا ہے کہ شیخ دہلوی کے ہاتھ کا تحریر کردہ مکتوب میں نے دیکھا ہے۔ جناب شیخ نے حضرت مجددؒ کو جو طویل مکتوب ارسال کیا ہے اس کے آخر میں لکھا ہے۔

”این کلمات بہ قصد استفسار و استکشاف حال و دفع تالم عارض بال و تسکین حرقت صدر نوشتہ شد“ لہ

یعنی حقیقت حال معلوم کرنے اور دریافت کرنے اور دل کی تکلیف (جو پیش آگئی ہے) رفع کرنے اور سینہ کی جلن زائل کرنے کی خاطر یہ مکتوب لکھا گیا ہے۔“

اس عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جناب شیخ کو توقع تھی کہ حضرت مجددؒ ان کو جواب ارسال کریں گے لیکن جواب کی جگہ ان کو یہ خبر ملی کہ حضرت مجددؒ کی علالت خطرناک دور میں داخل ہو چکی ہے اور عنقریب آپ سفر کرنے والے ہیں۔ لہذا آپ پر یقیناً اثر ہوا ہوگا اور آپ نے اس کا اظہار خواجہ حسام الدین احمد پر کیا ہوگا کیونکہ جناب خواجہ کی خواہش تھی کہ جناب شیخ کا دل حضرت مجددؒ سے صاف ہو۔ میرے نزدیک حضرت میرزا جان جانان مظہر قدس سرہ کے بیان میں شبہ کیلئے قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ یقیناً جناب شیخ نے اپنی اولاد کے نام کوئی تحریر چھوڑی ہے اور اس کو شاہ فتح محمد فتحپوری چشتی نے اور حضرت میرزا نے ملاحظہ کیا ہے اور یقیناً جناب شیخ نے خواجہ حسام الدین احمد کو بھی یہ رقمہ ارسال کیا ہے، جس کو حضرت میرزا نے اخلاص نامہ کا نام دیا ہے۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جناب شیخ کا دل حضرت مجددؒ سے صاف ہو گیا تھا تو انہوں نے مدارج النبۃ میں ”در مزاج وقت بعض درویشان مغرور اس روزگار“ لکھ کر آپ کی طرف کیوں شاہ کیا ہے؟

یہ سوال تو اس وقت صحیح طور پر وارد ہوتا کہ مدارج النبۃ کی تالیف حضرت مجددؒ کی وفات کے بعد ہوئی ہوتی، میں نے مدارج النبۃ کو مختلف مقامات سے دیکھا لیکن یہ بات ثابت نہ ہو سکی۔ اور میرا یہ خیال ہے کہ یہ کتاب حضرت مجددؒ کی وفات سے اور جناب شیخ کے طویل مکتوب لکھنے سے پہلے تالیف ہوئی ہے۔ اور اگر کسی صورت سے یہ بات متحقق ہو جائے کہ یہ کتاب حضرت مجددؒ کی وفات



کے بعد لکھی گئی ہے تو یہی کہا جائے گا کہ جناب شیخ کا معاملہ عجائبات پر مشتمل ہے جو مکتوب انہوں نے حضرت مجددؒ کو لکھا ہے اس کے اوائل میں لکھا ہے۔ ”تا نوبت اس مکتوب رسید کہ باعث نفرت و وحشت گردید“ لہ اور اسی مکتوب کے اواخر میں ہے۔ ”اس مقدار کہ مرا بہ شائبہ محبت و اتحاد است کم کسے را خواهد بود“ لہ۔ اگر ایک ہی مکتوب نفرت و محبت کو اور وحشت و اتحاد کو جمع کر سکتا ہے تو پھر تالیفات مختلفہ جن کی تالیف و تحریر میں سالہا سال کا فرق ہے۔ ”برایں چنین عزیزان و بزرگان بدنہ باید بود“ اور ”در مزاج وقت بعضی درویشان مغرور این روزگار“ کو جمع کر لیں تو کیا استبعاد ہے۔

نہ بھی می رمد آن نوگل خندان از من می کشد خار دریں بادیه دامن از من نیست پر میزد من از زہد کہ خاکم بر سر ترسم آلودہ شود دامن عصیان از من تعجب ہے کہ عبدی خویشگی و امثالہ کی غلط بیانیوں کو وقعت دی جائے اور حضرت میرزا قدس سرہ کے بیان کو نظر انداز کیا جائے جن کی بزرگی اور جلالت قدر کے حضرت شاہ ولی اللہ معترف ہوں۔  
انہا لیسن المضحکات المبیکیات۔

**گرفتاری اور اسکا مال** | بہ جرم عشق توام می کشند و غوغائیت تو نیز بر سر بام آعجب تماشا نیست  
اللہ حکیم مطلق ہے اس کے ہر کام میں حکمت ہے بہ ظاہر حضرت مجددؒ قید ہوئے ہیں لیکن بہ باطن آپ کی گرفتاری کے وقت سے اکبری اتحاد کا استیصال شروع ہوا اور اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

”آپ کی مخالفت“ کے بیان میں لکھ چکا ہوں کہ اہل دربار نے بہت کوشش کی کہ جہانگیر آپ کو قتل کرادے۔ لیکن اس نے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کیا۔

جہانگیر نے اپنی تزک میں آپ کے قید کرنے کے واقعہ کو ۲۲ ماہ خرداد ۱۰۱۸ھ جلوس میں لکھا ہے جو ۸ جمادی الآخرہ ۱۰۲۸ھ اور ۲۲ مئی ۱۶۱۹ء کے مطابق ہے لہ

عام طور پر تذکرہ نگاروں نے صرف واقعہ قید و بند کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر وفیسر محمد فرمان کو آخردے کہ انہوں نے کاوش و جستجو کر کے خود حضرت مجددؒ کے مکتوبات سے نہایت قیمتی معلومات فراہم کی ہیں چنانچہ آپ کے قید ہونے کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ان کے مال و اسباب، کتابوں اور جائداد کو بھی شدید نقصان پہنچا لہ اور اس سلسلہ میں حضرت مجددؒ کے جس مکتوب کا حوالہ دیا ہے میں اس کا ترجمہ لکھتا ہوں تاکہ حضرت مجددؒ کی بلہیت اور فنائیت کا کچھ اندازہ کیا جاسکے۔

فرزندان گرامی۔ آزمائش کی گھڑی جتنی بھی کڑوی کیلی ہو لیکن موقع و فرصت کی گھڑی اگر ملجائے تو مفتنم



ہے۔ تم کو اس وقت اللہ نے فرصت دی ہے لہذا اس کا شکر بجا لاؤ اور اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ اور اپنا ایک لمحہ ضائع نہ کرو۔ ان تین چیزوں میں سے کسی ایک میں اپنے کو مشغول رکھو، تلاوت کلام پاک، لمبی قرأت سے ادائے نماز، اور کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی تکرار۔ کلمہ لَا کہتے وقت اپنے تمام مقاصد و مرادات اور خواہشات نفس کی نفی کرو۔ کیونکہ خواہشات و مرادات کی طلب میں اپنی اُلوہیت کا دعویٰ مستتر ہے۔ لہذا ساخت سینہ میں کسی خواہش کے لئے جگہ نہ ہونی چاہئے اور نہ کوئی ہوس دماغ میں رہے تاکہ کامل طور پر بندگی ثابت ہو۔

اور تحریر فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ میری رہائی کا مقصد جو کہ تمہارے اہم مقاصد میں سے ہے تمہارے دل میں نہ رہے۔ اللہ کی تقدیر اور اس کے فعل و ارادہ پر راضی رہو اور کلمہ طیبہ پڑھتے وقت جانبِ اشیا میں (یعنی اللہ کہتے وقت) غیبِ ہُویت کے سوا کچھ نہ ہونا چاہئے۔ اپنی خویلی و سرا اور کنواں اور باغ و کتب اور دوسری اشیا کے غم و فکر کو مزاحم نہ ہونے دو یہ سب چیزیں سہل ہیں اللہ کی رضا تمہاری رضا ہونی چاہئے۔ اگر میں مرتا یہ سب چیزیں جاتیں۔ ”گو در حیات مارفتہ باشد“ یعنی ان سب چیزوں کا چھٹنا تو تھا ہی، ابھی سے چھٹ جائیں۔“ اولیائے ان سب چیزوں کو خود چھوڑ دیا ہے۔ ہم اللہ کے ارادے سے ان چیزوں کو چھوڑ رہے ہیں۔ لہذا ہم کو شکر بجا لانا چاہئے اور ہم کو امید رکھنی چاہئے کہ ہم اس کے مخلص بندوں میں سے ہوں۔ مخلص کے لام پر فتح ہے (یعنی اللہ کے پسند کئے ہوئے بندے) جہاں بھی بیٹھے ہو اسی کو اپنا وطن سمجھو۔ چند روزہ حیات ہے جہاں بھی گزرے اللہ کی یادیں گزرے۔ اپنی والدہ کو تسلی دو اور آخرت کی رغبت دلاؤ۔ رہی ایک کی دوسرے سے ملاقات تو اگر اللہ کو منظور ہے میسر ہوگی ورنہ اس کی تقدیر پر راضی رہو اور دعا کرو کہ دَارُ السَّلَام میں اکٹھے ہوں اور دنیوی ملاقات کی تلافی کو آخرت میں اللہ کے کرم کے حوالے کریں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔ لہ

اس مکتوب مبارک سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ شاہی عتاب کا نزول آپ کے مال و متاع پر بھی ہوا تھا اور آپ اپنے صاحبزادگان کو تحریر فرما رہے ہیں کہ جہاں بھی بیٹھے ہو اپنے مولیٰ کی یاد میں مصروف رہو۔

سید غلام علی آزاد بلگرامی نے حضرت مجددؒ کے گرفتار ہونے کے سلسلہ میں کہا ہے لہ

لَقَدْ بَرَعَ الْأَقْرَانِ فِي الْهِنْدِ سَابِغٌ وَجَدَ دَفَقَ الْعِشْقِ مَا لَمْ يَغْرِدْ

فَلَا تَعْجَبَنَّ إِنْ صَادَكَ مُتَقَفِّصٌ أَلَمْ تَرَ فِي الْأَسْلَافِ قَيْدَ الْمَجْدِ

(ترجمہ) ہندوستان میں ایک طائر خوش نوا چھپانے میں اپنی ٹولی میں ممتاز ہو گیا ہے اس نے عاشقی میں جان ڈال کر گانے والوں کے لئے سوز و محبت کا کیا ساز چھیڑ دیا ہے۔ لہذا کیا عجب اگر کوئی



شکاری اس کا شکار کر لے، کیا تم نے اسلاف میں مجدد کو قید ہوتے نہیں دیکھا ہے۔“  
جہانگیر نے اپنی تزک میں آپ کی رہائی کو ۲۱ ماہ خورداد سالہ جلوس میں لکھا ہے لہ جو اجمادی  
الآخرہ ۱۰۲۹ھ ۲۱ مئی ۱۶۲۰ء کے مطابق ہے۔

عبداللہ خولیشی عبدی نے معارج الولايت میں لکھا ہے۔  
”جہانگیر بادشاہ شیخ را بر گوالیار مدتے محبوس ساخت چنان کہ شیخ قرآن را در آنجا حفظ کرد و  
چون بادشاہ بر براتِ ذمّہ او وقوف یافت در معذرت شتافت۔ فرمود کہ حاجتِ اعتذار نیست  
زیرا کہ درسِ حبس بہ حفظ کلامِ الہی مستعد شدم۔“ لہ  
(ترجمہ) ”جہانگیر بادشاہ نے ایک مدت تک شیخ کو گوالیار کے قلعہ میں بند رکھا اور آپ نے وہاں  
قرآن کو حفظ کیا۔ جب بادشاہ کو آپ کی برات کا علم ہوا اس نے معذرت چاہی۔ آپ نے فرمایا کہ عذر خواہی  
کی ضرورت نہیں کیونکہ اس حبس میں مجھ کو حفظ کلامِ الہی کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔“  
پروفیسر محمد فرمان نے لکھا ہے۔

جہانگیر نے انہیں رہا کرنے کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ ”در رفتن و بودن مختار گردانیدم“ لیکن یہ بات بھی  
جہانگیر کی اور کئی باتوں کی (طرح) جھوٹ سے لبریز اور مغلیہ حکمتِ عملی کا ایک شاہکار ہے جہانگیر نے حضرت  
مجدد کو آخری ذمت تک نظر بند رکھا ہے اور یہی نظر بندی حضرت مجدد کی عظمت کی دلیل اور ان کی شخصیت کے  
کمال کی دلیل ہے جسے ارادات مندوں نے اپنی غلطی سے حضرت کے علوتِ شان کے منافی سمجھ کر سوخیلوں بہانوں  
سے چھپانا چاہا ہے اور جہانگیر کو حضرت کا مرید ظاہر کر کے ان کی عظمت کا اظہار کیا ہے، لیکن اس بات کو  
نظر انداز کر گئے ہیں کہ جہانگیر کے مزاج میں کوئی ایسی نمایاں تبدیلی واقع نہیں ہوئی، وہ آخری دم تک شراب  
کا رسیا اور عیش و عشرت کا دلدادہ رہا ہے اور ہمیں اس کی زندگی میں نقشبندی مرید کے کوئی واضح آثار  
نہیں ملتے اور ان آثار کی عدم موجودگی میں اسے حضرت کا مرید خاص قرار دینا ایک طرح سے حضرت کے  
فیض اور تصرفِ باطنی کا انکار کرنا ہے جو تاریخی شواہد کی روشنی (میں) محلِ نظر ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے  
کہ تزک جہانگیری کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تین چار سالوں میں جہانگیر کو ترویجِ شریعت کا خاص  
خیال رہتا تھا اور اس کے دل میں مذہب کا بڑا جوش تھا عجب نہیں کہ اس میں حضرت کی تعلیمات کو بھی  
دخل ہو۔“ لہ

پروفیسر فرمان نے اس بیان میں تین باتیں کام کی لکھی ہیں، حضرت مجدد کی نظر بندی، ارادات مندوں  
کی غلطی اور تین چار سالوں میں جہانگیر کو ترویجِ شریعت کا خیال۔ میں ان تینوں باتوں کے متعلق مختصر طور  
پر کچھ لکھتا ہوں۔



## نظر بندی

حضرت مجددؒ کا مل ایک سال قلعہ گوالیار میں قید اور پھر تین سال دس مہینے شاہی فوج میں نظر بند رہے ہیں۔ آپ کے تیسرے صاحبزادے حضرت محمد معصوم کے نواسے شیخ صفراحمہ مخدومی نے آپ کی مراجعت وطن کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے اجنیر میں بادشاہ سے وطن جانے کی اجازت لی اور سرہند کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ کو حضرت صبغۃ اللہ فرزند حضرت محمد معصوم کی ولادت کی خبر ملی جو گیارہ ربیع الآخر ۱۰۳۳ھ موافق یکم فروری ۱۶۲۳ء میں ہوئی تھی اور لکھا ہے کہ حضرت صبغۃ اللہ کے عقیقہ کے دو یا تین دن بعد آپ سرہند شریف پہنچے لہ

عقیقہ مسنون طریقہ پر ساتویں دن ہوا جو کہ ۷ ربیع الآخر اور ۷ فروری ہے اور آپ چاند کی انیس یا بیس اور فروری کی نو یا دس کو گھر میں داخل ہوئے۔

حضرت مجددؒ نے اپنے برادر طریقت خواجہ حسام الدین احمد کو جس لطیف پیرایہ سے اپنی نظر بندی کا حال لکھا ہے آپ کی عظمت اور بزرگی کا اس سے اندازہ ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ آپ مجسم پیکرِ تسلیم و رضا تھے۔ میں اس مبارک مکتوب کے ایک حصہ کا ترجمہ لکھتا ہوں۔

”شنا اور صفت اللہ کے لئے ہے اور درود و سلام اس کے برگزیدہ بندوں پر صحیفہ شریفہ اور نوازش نامہ جو کہ از روئے شفقت اور کرم اس فقیر کے نام ارسال کیا ہے ملا اور اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا شکر کا مقام ہے کہ آپ صحت و عافیت سے ہیں اور دور افتادہ دوستوں کی خیریت معلوم کرنے سے غافل نہیں ہیں۔ یہاں کے فقرا کی کیفیت اور حال شایانِ حمد و شکر ہے کہ بلا میں ہوتے ہوئے ان کو عافیت اور تفرقہ میں رہتے ہوئے ان کو جمعیت حاصل ہے، برخورداران اور رفقا میں سے جو بھی ساتھ ہیں ان سب کو وابستگی حاصل ہے اور ان کے احوال میں ترقی ہے، ان کے واسطے یہ چھاؤنی گویا کہ خانقاہ بن گئی ہے، فوجیوں کی تلوینات میں (یعنی رنگارنگی میں) ان کو تمکین نصیب ہے (یعنی دل کا سکون) وہ ایسی جگہ میں رہتے ہوئے جہاں طرح طرح کی گرفتاریاں ہیں (یعنی دل چسپی کا سامان) صرف ایک مطلب کے گرفتار ہو کر رہ گئے ہیں (یعنی صرف اپنے مولیٰ کے طلبگار ہیں) نہ ان کو کسی سے غرض ہے نہ ان پر کسی کا بوجھ۔ البتہ یہ بات ہے کہ ان کا اختیار ان سے منسوب ہے (چھین لیا گیا ہے) اور وہ قید و بند کی نعمت میں گرفتار ہیں۔ کیا ہی قید و بند ہے کہ اس سے رہائی ایک پانی کے بدلے میں حاصل نہ کی جائے۔ اس نعمت پر اور تمام نعمتوں پر اللہ کے لئے حمد و ستائش ہے“ لہ

اس مبارک مکتوب سے صحیح طور پر وہ شخص لطف اندوز ہوگا جس کو حضرات مشائخ کرام کی اصطلاحات سے واقفیت ہے۔ آپ نے بلا، عین، عافیت، تفرقہ، جمعیت، خانقاہ، تلوینات، تمکین، قید، گرفتار، اطلاق، جیسے الفاظ استعمال کر کے فصاحت و بلاغت اور فصاحت کے ساتھ اسرار و احوال و معارف



ملا کر دِ مِزَاجُہُ مِنْ تَسْنِیْمٍ عِیْنًا یَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ کی شکل پیدا کر دی ہے یعنی ان شیریں الفاظ میں جو کہ خود سحرِ حلال ہیں نَسَمَاتِ فِیوضَاتِ رَحْمَانِیۃ ملا کر مقربین بارگاہِ خداوندی کے واسطے چشمہ آبِ حیات مہیا کر دیا ہے۔

### ارٹمنڈس کی غلطی

اس سلسلہ میں اگر پروفیسر فرمان کچھ وضاحت کر دیتے تو بہتر ہوتا حضرت مجدد کے حالات خواجہ محمد ہاشم کشمی اور شیخ بدر الدین سرہندی نے لکھے ہیں ان دونوں حضرات نے حضرت مجدد کے معارف و کمالات اور فضائل کے بیان میں اپنی ہمت صرف کی ہو گرفتاری کے واقعہ کو ضمنی طور پر "حضرات القدس" میں ذکر کر دیا ہے۔ نظر بندی کا کسی نے ذکر تک نہیں کیا ہے نہ انھوں نے جہانگیر کی بیعت کا ذکر کیا ہے اور نہ شاہ جہاں کا۔ البتہ شاہ جہاں کے متعلق "اخلاص داشت" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اخلاص کا ہونا اور ہے اور بیعت کرنی کچھ اور ہے۔

جہاں تک میرا علم ہے اس سلسلہ میں پہلی کتاب جس میں ہر رطب و یابس کو جمع کیا گیا ہے "روضۂ قیومیۃ" ہے۔ جو محمد شاہ کے دور میں لکھی گئی ہے میں نے سید ۱۱۹۱ھ میں ایک مضمون قیومیت کے سلسلہ میں لکھا تھا جو پاکستان میں چھپا ہے۔ اس میں میں نے لکھا ہے کہ حضرات عالی قدر نے اس کتاب کو قابل اعتنا نہیں سمجھا ہے۔ اور خود پروفیسر فرمان نے اپنی کتاب کے آخر میں روضۂ قیومیۃ کے متعلق لکھا ہے۔ "یہ کتاب مستند کتابوں میں شمار نہیں ہو سکتی۔" چونکہ اس کتاب میں کشف و کرامات رطب و یابس اشیاء بھری ہوئی ہیں جو کہ عوام الناس کے نزدیک اصل تصوف ہے اس لئے یہ کتاب مقبول ہوئی۔ اس کا ترجمہ ہوا اور خوب شہرت ہوئی۔ اور حضرت مجدد کے سوانح نگاروں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بلا وجہ حضرت مجدد اور دوسرے حضرات کو موردِ طعن بنایا۔ وَكَانَ ذَلِكَ قَذْرًا مُقْدِرًا قلعہ گوالیار سے رہائی کے متعلق عبداللہ خوشگی کی عبارت کچھ پہلے گزر چکی ہے کہ جہانگیر نے آپ سے عذر خواہی کی اس سے پتہ چلتا ہے کہ جہانگیر کے خیالات میں تبدیلی آگئی تھی۔

مکتوبات شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کو آپ سے کچھ لگاؤ ہو گیا تھا۔ آپ نے اپنے صاحبزادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کو ایک مکتوب ارسال کیا ہے میں اس کا خلاصہ لکھتا ہوں۔ تحریر فرمایا ہے۔

"عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں اور اللہ کی عنایت سے امورِ دینیہ اور اصولِ اسلامیہ کی باتوں میں بال برابر مساہلت اور چالپوسی نہیں ہوتی۔ جس طرح پر کہ اپنی خلوتوں اور خصوصی مجالس میں بیان کرتا ہوں اسی طرح اللہ کی مدد سے مجالسِ سلطانہ میں بیان کرتا ہوں۔ اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو ایک دفتر چاہیے۔ آج رات جو ماہ مبارک رمضان کی سترہویں شب تھی۔



(اس کے بعد آپ نے ان مسائل کا ذکر کیا ہے جن کو آپ نے بیان کیا ہے اور پھر تحریر فرمایا ہے) بہت کچھ مذکور ہوا اور وہ خوشی سے سنتا رہا (اور پھر آپ نے لکھا ہے) اللہ کا احسان ہے کہ وہ اپنی جگہ ہی پر رہتا ہے یعنی سنتا رہتا ہے اور کوئی تغیر ظاہر نہیں ہوتا۔ ان واقعات و ملاقات میں شاید اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت اور راز پوشیدہ ہو۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدٰۤا اَنَا لِهٰذَا اَوْ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْلَا اَنْ هَدٰۤا اللّٰہُ (سورہ اعراف آیت ۴۲) ”شکر اللہ کو جس نے ہم کو یہاں راہ دی اور ہم نہ تھے راہ پانیوالے اگر نہ راہ دیتا ہم کو اللہ“ لہ

آپ کے اس مبارک مکتوب سے پوری طرح ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی جہانگیر سے ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں اور آپ عقائد دین اور اہل سنت کا مسلک بیان فرماتے تھے۔ جہانگیر بدون کلال و ملال سنتا تھا۔ اور یہ ایک بڑی کامیابی تھی جو پروردگار نے آپ کو عطا کی تھی آپ نے جو مکتوب جہانگیر کو تحریر فرمایا ہے لہ پڑھنے کے قابل ہے اس میں آپ نے لشکرِ غزا اور لشکرِ دُعا کا بیان کیا ہے اور الشَّرْعُ تَحْتَ الشَّيْفِ کی حقیقت واضح کی ہے۔

اس کے بعد یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جہانگیر نے اپنی تزک کے سولہویں سال کے واقعات میں لکھا ہے۔ ۲۴ ماہ آبان ۱۰۱۶ھ جلوس (اکتوبر ۱۶۲۱ء) کو قلعہ (کانگرہ) کی سیر کی طرف متوجہ ہوتے وقت قاضی اور میر عدل کو جو میرے ہمراہ تھے حکم دیا کہ قلعہ میں داخل ہونے پر جن اسلامی اور شرعی امور کو بجالانا ضروری سمجھیں بجالائیں، اور قلعے تک پہنچنے کے لئے ایک کوس پہاڑ کی چڑھائی طے کرنے کے بعد جب اندر داخل ہوا تو بے توفیق ایزدی نماز کے لئے اذان اور خطبہ اور اپنے سامنے گائے ذبح کروائی ان امور میں سے کسی ایک پر بھی آج تک اس قلعے میں عمل نہیں ہوا تھا، میں نے اس توفیق ایزدی کے لئے جو کسی بھی بادشاہ کو اس سے قبل نصیب نہیں ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکرانہ بجالا کر اس قلعہ کے اندر ایک عالی شان مسجد تعمیر کئے جانے کا حکم دیا“ لہ

شیخ بدرالدین نے فتح کانگرہ کے سلسلہ میں کرامت نمبر ۳۳ و ۳۴ میں لکھا ہے کہ جہانگیر نے نواب مرنی خان کے سپرد یہ کام کیا تھا۔ نواب نے حضرت مجددؒ کو مکتوب ارسال کیا اور التماس دعا کی۔ آپ پر ظاہر ہوا کہ ان سے یہ کام سرانجام نہ پائے گا چنانچہ آپ نے ان کو یہ بات لکھ دی۔ کچھ دنوں بعد ان کی وفات کی خبر پہنچی۔ پھر بادشاہ نے یہ کام راجا بکرماجیت کے سپرد کیا۔ راجا آپ کی خدمت میں آئے اور التماس دعا کی اور جواب ملنے تک سرہند میں رہے۔ آپ پر ظاہر ہوا کہ راجا اس مہم کو سرانجام دے دیں گے چنانچہ آپ نے ان کو بشارت دی اور وہ کامیاب ہوئے۔ لہ



سید علی اکبر حسینی اردستانی نے ۱۰۴۲ھ میں کتاب مجمع الاولیا لکھی ہے اس میں لکھا ہے۔  
کشمیر سے واپسی پر جہانگیر مرض ضیق النفس (سانس کی تکلیف) میں مبتلا تھا۔ اطباء سے علاج  
کرایا لیکن فائدہ نہ ہوا تو اس نے اُغیانِ ملک کو حضرت مجددؒ کی خدمت میں بھیجا (جو غالباً لشکر  
کے ہمراہ تھے) آپ نے دعا کے لئے وعدہ فرمایا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جہانگیر اب تعمیر مساجد کا اہتمام  
کرے گا جہانگیر نے کہا۔ ”گفتن از شما است و گردن از ما“ حضرت مجددؒ نے دعا فرمائی اور اسی رات  
مرض میں افاقہ ہو گیا۔ پھر جب سرہند کے قریب پہنچے بادشاہ نے کہا۔ ”شیخ جیو چوں بہ دعائے شما شفا یافتہ  
ایم فردا ہم بہ طعام خانہ شما پرہیز بشکنیم (دوق ۴۴۳ پر) حضرت مجددؒ نے اپنے صاحبزادوں کے ہاتھ کھانا  
بھیجا۔ بادشاہ نے آصف جاہ سے بڑی تعریف کی اور کہا۔ امروز از خانہ شیخ طعام خوردیم بسیار لذیذ بود  
خصوصاً مرغ بسیار خوب پختہ بودند، نصفے ازاں خوردہ ایم و نصفے نگاہ داشتہ کہ باز خوریم۔ اس کے بعد  
آصف جاہ کو بھیجا کہ کچھ ہدیہ قبول فرمائیں لیکن حضرت مجددؒ نے انکار فرمایا اور کہا کہ ”مدار کار فقرائے  
باب اللہ بر تو کل است“

ورق ۴۴۳ پر مرقوم ہے۔ قلعہ کانگرہ کی فتح کے لئے جب مرتضیٰ خان کو مقرر کیا تو اس نے دعا کے  
لئے درخواست کی آپ نے تحریر فرمایا کہ اس کے ہاتھوں یہ فتح نہ ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر جب راجہ  
بکرماجیت کو مقرر کیا گیا تو وہ خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو کامیابی کی بشارت دی۔ جب قلعہ  
فتح ہوا تو جہانگیر قلعہ دیکھنے گیا اور حضرت سے عرض کیا کہ ”اگر شما با ما رفاقت کنید بر آن قلعہ ذبح بقدرہم  
و بنائے مساجد و نشر اسلام کنیم چنانچہ ایشاں ہمراہ بادشاہ بر آن قلعہ برآمدند بادشاہ ہمہ آنچہ فرمودہ  
بودند بجا آوردند“ لے

مجمع الاولیا کی عبارت سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ جہانگیر کو ترویج شریعت کا خیال اس  
زمانہ میں ہو گیا تھا اور اس کو حضرت مجددؒ کی بلہیت اور پاک دلی کا یقین ہو گیا تھا اور اسی کو بعد  
کے ارادتمندوں نے مریدی کے رنگ میں رنگ دیا ہے۔

حضرت مجددؒ اربعین یا بیس ربیع الآخر کو وطن مالوف پہنچے اور اٹھائیس صفر کو دارالسلام کا سفر

لے محترمی مولانا محمد عظیم الدین علوی فرزند مولانا قاضی غیل الدین بھوپالی تشریف لائے۔ اور بیان کیا کہ مصنف نے یہ کتاب  
شاہجہاں کو پیش کی۔ انڈیا آفس لائبریری میں اس کا نسخہ محفوظ ہے۔ اور رضا لائبریری رام پور میں بھی اس کا نسخہ موجود  
ہے۔ اس کے ۷۸۹ اوراق ہیں۔ اس میں لکھا ہے

”در خدمت آں دو عزیز شیخ محمد سعید سلمہ شہداء و بقاہ شیخ محمد معصوم سلمہ بر اخلاص و ارادت بسیار وارد و جمع اکثر این  
کتاب بہ توجہ ظاہری و باطنی آں دو بزرگ صورت گرفتہ است“

مولانا نے ورق ۴۴۲۔ ۴۴۳ سے حضرت مجددؒ کے دو واقعے لکھے ہیں۔ جس طرح انھوں نے لکھا ہے وہی میں نے لکھ دیا ہے۔  
میں ان سے یہ دریافت کرنا بھول گیا کہ انھوں نے عبارت کس نسخہ سے نقل کی ہے۔



اختیار کیا۔ دس ماہ اور آٹھ یا نو دن اپنے گھر میں قیام کیا۔ وہ جدوجہد جو عمر بھر آپ نے کی تھی اس کی کامیابی کے آثار آپ نے دیکھ لئے اور آپ سمجھ گئے کہ جو خدمت میرے سپرد تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو خوبی کے ساتھ پورا کر دیا اور **فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا** کا وقت آگیا۔ یعنی ”اب پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں اور گناہ بخشو اس سے، بے شک وہی ہے معاف کرنے والا“ لہذا آپ نے اپنے گھر کے پاس ایک زاویہ کو اختیار کیا اور مولیٰ جل شانہ کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔

حضرت مجدد کی کوششوں اور آپ کے قید و بند کے واقعات کو دیکھتے ہوئے میرا خیال یہ ہے کہ آپ کے واسطے آپ کی نظر بندی ”بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ“ تھی۔ یعنی ”اس کے اندر میں مہر ہے اور باہر کی طرف عذاب“ آپ کی کامیابی اسی وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ کہاں مڑا چہارگانہ اور کہاں خطبہ و نماز و بنائے مسجد و ذبح بقرہ!

وہ افراد جو حضرت مجدد پر اعتراضات کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور جناب شیخ کی بے اساس تحریر کو صحیفہ آسمانی تصور کئے بیٹھے ہیں ذرا خیالات و اوہام کی بندشوں سے اپنے کو آزاد کر کے حقائق ثابتہ کو دیکھیں کہ خود جہانگیر اپنی تزک میں فتح کا نگرہ کو کس انداز سے لکھ رہا ہے ”بہ توفیق ایزدی اذان دلو اگر نماز اور خطبہ پڑھوایا اور اپنے سامنے گائے ذبح کروائی، ان امور میں سے کسی ایک پر بھی آج تک اس قلعہ میں عمل نہیں ہوا تھا، میں نے اس توفیق ایزدی کے لئے جو کسی بھی بادشاہ کو اس سے قبل نصیب نہیں ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکرانہ بجا لا کر اس قلعہ کے اندر ایک عالیشان مسجد تعمیر کئے جانے کا حکم دیا“ اس تحریر کا ایک ایک لفظ خلوص نیت کا آئینہ دار ہے۔ جہانگیر نے کانگرہ میں مسجد بنائی اور پھر چند سال بعد اکبر کے الحاد گرٹھ میں (اگرہ کے قلعہ میں) شاہ جہاں نے سنگ مرمر کی عالی شان مسجد بنائی۔ اور دہلی کی جامع مسجد بنا کر اذان دلوائی جسکی صدا اللہ کے فضل سے آج تک مسلمانان ہند کے دلوں میں روح ایمان پھونک رہی ہے اور پھر حضرت سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب و تدوین ہوئی جس کو ممالک عربیہ میں فتاویٰ ہندیہ کہتے ہیں۔ اور جو صورت اتباع سنت، اجتناب از بدعت اور ترویج بلیت کی پیدا ہوئی، وہ عالم آشکارا ہی۔ یہ سب حضرت مجدد ہی کی حسنات ہیں۔ چاہے کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے۔

تِلْكَ آثَارُنَا تَبَدَّلَ عَلَيْنَا  
فَانظُرُوا بَعْدُنَا إِلَى الْآثَارِ

اس جگہ بعض فاضل سوانح نگاروں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اکبری الحاد کا ازالہ کیا صرف حضرت مجدد نے کیا ہے یا آپ کے ساتھ آپ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ بھی شریک ہیں۔ اور انھوں نے یہ سوال اس بنا پر اٹھایا ہے کہ مجددی حضرات اور حضرت مجدد کے تذکرہ نویس اس سلسلہ میں صرف حضرت مجدد کا ذکر کرتے ہیں۔



میرے نزدیک اگر دقیق نظر سے صورت حال کو اور زمانہ ماقبل کے حالات اور عظیم واقعات کو دیکھا جائے تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کر کے ملک شام کو فتح کرنے کے لئے راہ کھولی حضرت ابو بکر نے اس راہ کو وسیع کیا، اور حضرت عمرؓ نے اس کو بہ اتمام پہنچایا۔ اب دنیا حضرت عمرؓ کو فاتح قرار دیتی ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ ہیں۔ آپ نے اساس نہیں رکھی ہے۔ مؤسس سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور معاون حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اسی طرح فقہ کی اساس حضرت ابن مسعودؓ نے رکھی اس کو حضرات علقمہ اور حماد نے ترقی دی پھر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس کو غایت تک پہنچایا اور دنیا نے آپ کو فقیہ اعظم تسلیم کیا۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ النَّاسُ فِي الْفِقْهِ عِيَالُ أَبِي حَنِيفَةَ "فقہ میں سب لوگ ابو حنیفہ کی اولاد ہیں۔ یہی صورت حال حضرت خواجہ اور حضرت مجددؒ کی ہے۔ حضرت خواجہ نے حضرت احرار کے طریقے کی اساس ہندوستان میں رکھی۔ حضرت خواجہ کے بہ کثرت مُرید اور خلفا تھے اور اس زمرہ میں جناب شیخ عبدالحق بھی شامل تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اس عظیم کام کو بہ احسن وجہ انجام تک پہنچانے والا نہ تھا۔ چوں کہ اللہ کو منظور یہ تھا کہ یہ کام حضرت مجددؒ کریں اور خلق خدا آپ کو مجدد اعظم کہے اس لئے آپ کو اس آستانے پر پہنچایا۔ اور سالوں کا کام مہینوں میں اور مہینوں کا دنوں میں اپنے کرم سے کرایا۔ آپ کی اعلیٰ قابلیت اور اتم استعداد کو دیکھ کر خود حضرت خواجہ نے اپنے کو برکنا کر لیا اور سارا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا اب اگر اس صورت حال میں آپ کو مجدد اعظم کہا جائے یا اس کام کی نسبت آپ کی طرف کی جائے تو کیا محلّ اعتراض ہے۔ اگر بہ اعتبار اساس کے کہا جائے تو حضرت خواجہ نے الحاد اکبری کو مٹانے کی بنیاد رکھی، اور اگر بہ اعتبار انجام کے کہا جائے تو حضرت مجددؒ نے اس اتحاد کو نیست و نابود کیا ہے۔

تعجب ہے کہ حضرت خواجہ کے بعض مخلصوں نے خوب سرگرمی سے آپ کی مخالفت کی ہے اور ان میں جناب شیخ سرور فتر ہیں۔ صاحب اتحاد نے کیا خوب لکھا ہے۔

وجہ اس نقادان است کہ حضرت شیخ را در تقلید مذہب تعصب بسیار بود و مجدد را در اتباع سنت و رد بدعات طریقت و شریعت صلابت تام۔ بہ اس راہ گزرا اتفاق میان ہر دو صورت نمی بست (ص ۴۴۴۔ اتحاد)

حضرت شیخ کی تحریروں سے دشمنوں نے وہ کام لیا اور لے رہے ہیں جو حضرت شیخ کی منشا قطعاً نہ تھی، تجزیر الزیاح بما لا تشتمی الشفون۔ وَكَانَ ذَلِكَ قَدَرًا مَقْدُورًا۔ يَرْحَمُ اللَّهُ الْمُتَّقِدِينَ مَادَّ الْمُتَأَخِّرِينَ۔



# عرضِ نیازِ ایشیم

برمزار

## حضرت مجددِ عظیم

قدس سرہ

جنابِ حضرت شیخ احمد آں کہ شد سر ہند  
مجددِ دست بہ تحقیق الفِ ثانی را  
مجددِ آں کہ بہ تجدیدِ دین و شرع و را  
بہ باغِ دہر ز بعدِ ہزار سال از دے  
ز آسمانِ ولایتِ مہ درخشاں شد  
ہزار دستہ گل از گلشنِ درود و سلام  
بہ پیشِ گاہِ حضورش بہ صد ہزار نیاز  
بلند کن علمِ اعتلائے مذہب و دین  
ز نورِ مشعلِ دین بر فروزِ راہِ یقیں  
جہاں ز ظلمتِ فسق و فساد پر گرید  
بہ قمعِ بدعت و ظلم و فساد جہدِ نمائے  
جہاں دیگرے از صدق و عدل آباد کن  
ز راہِ ظلمت و بدعت بشر نہ بیتِ خیر  
کہ هست سنتِ خیر البشر بہ خیر بشر

عبد السلام ایشیم مجددی کابل

۱۔ عزیز گرامی حضرت عبد السلام ایشیم کابل کے حضراتِ مجددیہ میں سے ہیں۔ ان کا گھر رہ دانا کابل میں ہے۔ دو شنبہ ۲۸ صفر ۱۳۸۵ھ  
۲۴ مئی ۱۹۶۵ء کو اپنے جدِ امجد حضرت امام ربانی مجددِ اَلْفِ ثانی کے عرس شریف میں یہ قصیدہ پیش کیا تھا۔ اسکی سُرخِ اس طرح لکھی ہے۔  
عرضِ نیاز و ناتوانی بہ آستانِ عرشِ نشانِ حضرت قبلہ روحانی پیشوائے دو جہانی امام ربانی مجددِ اَلْفِ ثانی حضرت اشیخ احمد الاویسی  
الرحمانی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

اگر قبول شود این اثر بہ حضرتِ او بہ ادرجِ چرخ ز ند مرغِ طبع من پر وبال  
اس قصیدہ زَنار کے پورے ایک سو شعر ہیں ادران کے ہاتھ کا لکھا ہوا میرے پاس محفوظ ہے حفظ اللہ تعالیٰ۔



## دو سرائف

# حضرت مجدد اور عجیب معاندین

۶ ۷ ۸ ۹ ۱

جناب شیخ عبدالحق کے طویل مکتوب کا حال لکھ چکا ہوں۔ یہاں پر یہ بات لکھنی ہے کہ حضرت مجدد کے مخالفوں نے پہلے ہی دن سے اس مکتوب کو بڑی اہمیت دی ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کو جناب شیخ سے عقیدت ہے، بھلا روافض یا اہل اہوار کو جناب شیخ سے کیا لگاؤ ہو سکتا ہے یہ لوگ آپ کے مکتوب کو اہمیت دے رہے ہیں تو صرف اس لئے کہ اس میں ان کی دل بستگی کا سامنا موجود ہے۔ ان کا عمل "لَا يَحِبُّ عَلِيًّا بَلْ لِبُغْضِ مُعَادِيَةٍ" لہ کا مصداق ہے، پہلے یہ مکتوب ان لوگوں کے لئے دست آویز بنا رہا جن کو عربی اور فارسی سے لگاؤ تھا اب یہ دولت ہندی اور انگریزی دان طبقہ کو ملی ہے، وہ اس کو اچھا ل رہے ہیں۔ اور سمجھ رہے ہیں کہ ان کو "معارض الولايت" لہ میں ایسا بیش بہا خزانہ ملا ہے کہ آج تک کسی کو اس کا پتہ نہ تھا۔

چوں کہ اس مکتوب کی وجہ سے پہلے بھی لوگوں کو دھوکہ ہو چکا ہے اور علمائے اعلام کی تین سو سال کی مساعی سے اس کا ازالہ ہوا تھا، اور اب اس زور میں عربی فارسی سے ناواقف افراد اس نئے دام نزویر میں گرفتار ہو رہے ہیں۔ اس لئے میں اس اردو رسالے میں حقیقت امر کا بیان کرتا ہوں تاکہ سادہ لوح افراد لاعلمی کی بنا پر اس جال میں نہ پھنسیں۔

جناب شیخ عبدالحق حضرت مجدد کے پیر بھائی تھے۔ اور عمر میں تیرہ سال آپ سے بڑے تھے۔ خدا کے فضل و کرم سے علم و فضل و کمال اور زہد و تقویٰ میں بلند مرتبہ تھے۔ ان کے اس طویل مکتوب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی ان سے کوئی بات کہتا تھا وہ اس پر یقین کر لیا کرتے تھے۔ آپ کی اس کمزوری کو حضرت مجدد کے مخالف جان گئے تھے۔ ان کو رُباطنوں نے حضرت مجدد کے متعلق غلط باتیں آپ کو سنائیں اور بعض مکتوبات میں تریفات کر کے آپ کو دکھائیں آپ کو ان باتوں

۵ حضرت علیؑ سے اظہار تعلق ان سے محبت کی بنا پر نہیں ہے بلکہ حضرت معادیہ کے بغض کی وجہ سے ہے۔

۵ مہدائے خلیفگی عہد قسوری کی کتاب کا نام ہے۔



اور تحریروں کا رنج ہوا اور وہ طویل مکتوب حضرت مجدد کو لکھ دیا جس کو مخالفین امام ربانی دلیل و حجت کے طور پر پیش کرتے رہے۔

حضرت شیخ کی یہ تحریر ایک برادرانہ شکایت ہے۔ کسی غلط فہمی کی بنا پر بھائی کو بھائی سے اکثر شکایت ہو جایا کرتی ہے۔ انگریج میں ”ماڈ آسٹین“ نہ پڑیں تو دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ شکایت اللہ کے فضل و کرم سے رفع بھی ہو جاتی ہے۔ ہمارے سامنے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا سبق آموز واقعہ ہے جس کو سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے میں حضرت شاہ عبدالقادر کے ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ لکھا ہے۔

(حضرت موسیٰ نے) ”ڈالیں وہ تختیاں اور پکڑا سراپے بھائی کا، لگا کھینچنے اپنی طرف، وہ بولا اے میری ما کے جنے، لوگوں نے مجھے بودا سمجھا اور نزدیک تھے کہ مجھ کو مار ڈالیں، سو مت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ کو گنہ گار لوگوں میں، بولا (موسیٰ) اے رب معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر اپنے رحم میں اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے“

ملاحظہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کس لطیف پیرایہ سے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے واقعہ کو بیان کیا ہے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی استغفار کا ذکر فرمایا ہے تاکہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ برادرانہ شکایت کا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ جب بھی کوئی ایسا واقعہ کسی کو پیش آئے تو وہ توبہ و استغفار کرے۔ یہی اس کا کفارہ ہے۔

یہی صورت جناب شیخ کی حضرت مجدد کے ساتھ ہوئی کہ غلط باتوں اور غلط تحریروں کی بنا پر سخت اور ناملائم مکتوب لکھ دیا۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں سے تھے، اپنی بے راہ روی کا افسوس ہوا اور اپنے مشفق برادر طریقت خواجہ حسام الدین احمد کو مکتوب صغیر لکھ دیا۔ جس کو قیم طریقہ احمدیہ حضرت میرزا جان جانان مظہر شہید قدس سرہ نے ”اخلاص نامہ“ سے تعبیر کیا ہے حضرت شیخ نے اس اخلاص نامہ میں صاف طور سے لکھا ہے کہ ”بشریت کا کوئی پردہ یا افتاد طبع کا کوئی اثر حائل نہیں رہا ہے“ اور لکھا ہے کہ ”ایسے عزیزوں اور بزرگوں کے ساتھ بُرا نہ ہونا چاہئے اور چوں کہ حضرت شیخ اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے۔ آپ پر ظاہر ہوا کہ جن لوگوں نے بیس بائیس سال سے یہ فتنہ برپا کر رکھا ہے۔ وہ اس اخلاص نامہ پر یقین نہیں کریں گے۔ اس لئے آپ نے صاف طور پر لکھ دیا۔ ”پاک ہے اللہ دلوں کا پختے اور احوال کا بدلنے والا، ظاہر بین شاید اس پر یقین نہ کریں، میں خود بھی نہیں، جانتا کہ کیا حال ہے اور کیوں ہے“ آپ نے جو خدشہ ظاہر کیا ہے۔ میرے سامنے ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اس دور کے محققین پوری کوشش کر رہے ہیں کہ اس اخلاص نامہ کو ایک فرضی تحریر ثابت کر دیں۔



کہاں ان لوگوں کی یہ کوشش اور کہاں سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مبارک ارشاد ”اَذْكُرُوا فَحَائِشَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوا عَنْ مَسَارِدِهِمْ“ لہ اپنے اموات کی بھلائیوں کو ذکر کرو اور ان کی برائیوں کے بیان سے اپنے کو باز رکھو“ یعنی اگر ان میں فی الواقع برائیاں ہیں تو ان کو بیان نہ کرو چہ جائیکہ ایک غلط تحریر کی بنا پر جھوٹے الزامات کا بیان کیا جائے اور ان کے ساتھ اپنے ظنون و خیالاتِ فاسدہ کو ملا کر حقیقت کو منسوخ کرنے کی کوشش کی جائے۔

جہاں تک میری معلومات ہیں، میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ مسلسل ساڑھے تین سو سال سے جو ظلم و ستم حضرت مجددؒ کے ساتھ بدطینتوں نے روار کھا ہے، اس کی نظیر نہیں مل سکتی، اگر پہلے عربی خوان اور فارسی دان طبقہ یہ کام کر رہا تھا تو اب ہندی کے پُجاری اور انگریزی کے پُرتستار کمرس کر میدان میں اتر آئے ہیں۔ اس وقت فلسفہ ویدانت اور وحدتِ ادیان کے علمبرداروں میں سے دو افراد کی کوشش و کاوش میرے سامنے ہے۔ ایک اطہر عباس رضوی ہیں اور دوسرے پروفیسر ایم مجیب جامعی، ان دونوں صاحبان نے حضرت مجددؒ پر زبان درازیاں کی ہیں، اول الذکر کے متعلق محترمانہ گرامی سید صباح الدین عبد الرحمن اور شبیر احمد خان غوری نے خوب ہی لکھا ہے اور پوری طرح ثابت کر دیا ہے کہ رضوی صاحب عربی اور فارسی سے ناواقف محض ہیں، انھوں نے صرف دھوکہ دینے کے لئے عربی اور فارسی کتابوں کے نام لکھے ہیں اور تنقید کے پردے میں انھوں نے خوب تبرّابازی کی ہے لہذا میں رضوی صاحب کی کتاب کے سلسلے میں پہلے ان دونوں صاحبان کی نگارشات کے کچھ حصے نقل کرتا ہوں اور پھر یوحنا فریڈمان یہودی کی کتاب ”شیخ احمد سرہندی“ کے دو صفحے کا ترجمہ لکھوں گا تاکہ رضوی صاحب کے ادّعاء غیر جانبداری کی حقیقت ایک غیر مسلم کی زبانی ظاہر ہو۔

اِنَّ مَنْ يَدَّ عَنِ بَعَالِيْسَ فِيْهِ كَذَّابٌ شَوَاهِدُ الْاِمْتِحَانِ  
اور پھر پروفیسر ایم مجیب کے کلام پر تبصرہ پیش کیا جائے گا۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔



طراکٹر سید اطہر عباس رضوی مدینہ شریف  
کی کتاب

“مُسْلِم رِيَا لَوَاسْتُ مُوْ مُنْطَسْ اِنْ نُوْرُ دَرْنِ اَنْدِيَا اِنْ دِي سَكْسِيْنْتِهْ اَيْنْدِيُوْنِيْنْتِهْ سَيْنْتِيْن”

یعنی

”سولہویں اور سترہویں صدی میں شمالی ہند میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی تحریکیں“

## پرتبصرہ

اس کتاب کے متعلق مجلہ معارف (دارالمصنفین اعظم گڑھ) کے شمارہ جنوری ۱۹۶۶ء میں شذرت کے تحت اور پھر اسی سال کے مارچ، مئی، ستمبر، اکتوبر، نومبر کے شماروں میں تحقیقی مقالات لکھے گئے ہیں۔ میں اختصار کے ساتھ ان میں سے کچھ نقل کرتا ہوں۔

سید صباح الدین عبدالرحمن نے مارچ کے شمارہ میں لکھا ہے۔

آگرہ یونیورسٹی سے انگریزی میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جس کا نام ”سولہویں اور سترہویں صدی میں شمالی ہند میں مسلمان مجددوں کی تحریکیں“ ہے مصنف کا نام سید اطہر عباس رضوی ہے۔ نام کے آگے ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی، لٹ، اے۔ آر۔ ایس وغیرہ بھی لکھا ہوا ہے۔ اس وقت وہ جموں اور کشمیر یونیورسٹی میں شعبہ تاریخ کے ریڈر اور مدر بھی ہیں، یہ کتاب آگرہ یونیورسٹی میں ڈی، لٹ کی ڈگری کے لئے پیش کی گئی تھی۔ جس سے مصنف سرفراز بھی کئے گئے ہیں۔

کتاب کے آغاز میں مصنف کی تمہید ہے، پھر پروفیسر محمد حبیب (سابق استاد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے قلم سے پیش لفظ ہے۔ اس کتاب کے دس ابواب ہیں (۱) تیرہویں صدی سو سولہویں صدی تک ہندوستان میں تصوف (۲) تحریک مہدویت (۳) مہدوی دائرے (۴) مذہبی علوم کے مطالعہ کا احیاء (۵) سلسلہ نقشبندیہ (۶) مجدد الف ثانی کی تجدیدی کوششیں (۷) مجدد کی تحریک کا انجام (۸) سترہویں صدی میں وحدت الوجود اور ثقافتی میل جول (۹) مجدد کے جانشین (۱۰) تبصرہ اور ختمہ۔



جنوری کے عدد کے شذرات میں فاضل مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

اس (کتاب) کے نام سے دھوکا ہوتا ہے کہ مصنف نے سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں شمالی ہند کے مسلمان مجددوں کی مذہبی تحریکوں کا جائزہ لیا ہوگا لیکن اس کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا اصلی مقصد حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف زہر افشانی ہے جس سے عام مسلمانوں اور خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی کے عقیدتمندوں اور ان کے پیروں کی پوری دل آزاری اور ایذا رسانی ہوتی ہے، مصنف نے اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لئے تاریخی تحقیقات کی آرٹلی ہے لیکن انکی تحقیقات کی حیثیت وہی ہے جو کسی وکیل کے جھوٹے مقدمہ کی شہادتوں کی پرفریب ترتیب کی ہوا کرتی ہے، چشتیہ اور سہروردیہ سلسلہ کے صوفیائے کرام اور دوسرے بزرگان دین پر جابہ جانیش زنی کر کے مصنف نے حضرت مجدد الف ثانی کا یہ مرقع پیش کیا ہے کہ

”موجودہ دور کے مصنفوں نے ان کو ایک خرافاتی شخصیت بنا دیا ہے۔ انھوں نے صرف فرقہ دارانہ جذبات سے اپیل کی ہے، انھوں نے اپنے اور اپنے جانشینوں کے لئے قیوم ہونے کے دعویٰ کی بنیاد اپنے انکشافات اور الہامات پر رکھی ہے جس کو ان کے سریع الاعتقاد مقلدوں کے تنگ دائرہ ہی میں قبول کیا گیا۔ ان کے اس دعویٰ میں کہ وہ مجدد اور قیوم ہیں ایک کورانہ توہم پرستی کی جھلک ہے۔ ان کی تحریک ایک ہیجانی تحریک تھی، ۱۶۶۸ء میں شیخ محمد معصوم کی وفات سے مجدد کی رہی سہی عزت کا شائبہ بھی جاتا رہا۔ مجدد کے پوتوں کو انتشار اور اخلاقی بد حالی کا پلنگ رہا، ان میں سب ہی قطب اور قیوم کی حیثیت اختیار کرنا چاہتے تھے، اورنگ زیب جیسے راسخ العقیدہ شہنشاہ کی طویل حکومت کے زمانے میں مسلمانوں کی زندگی میں جو اختلال و انتشار رہا اس سے مجدد کے مسلک کا یہ کھوکھلا پن ظاہر ہو گیا کہ اگر حکمرانوں کو راسخ العقیدگی کی طرف مائل کیا جائے تو ساری برائیاں دور ہو سکتی ہیں“

ان فقرات کو مشتے از خروارے سمجھنا چاہئے“

اور لکھا ہے ”اس کتاب کے شروع میں پروفیسر محمد حبیب (سابق استاد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کا پیش لفظ بھی ہے جس میں وہ مصنف کو مولانا عبدالحق محدث دہلوی سے بھی زیادہ بہتر مصنف اور محقق سمجھنے پر مجبور ہوئے ہیں اور وہ خوش ہیں کہ اس کے مصنف نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حضرت احمد سرمدی نے خود مجدد الف ثانی کا لقب اختیار کر لیا تھا اگرچہ وہ کسی معنی میں بھی مجدد نہ تھے اسی طرح انھوں نے اپنے کو خود ساختہ قیوم (خدا کا ایجنٹ) بنا رکھا تھا، ان کی سیاسی خدمات محض خرافاتی افسانے ہیں جن کو ایسے اہل قلم نے گھڑ رکھا ہے جو تاریخ سے بالکل ناواقف ہیں، پروفیسر صاحب نے اپنی سند میں مصنف کو البیرونی، ابوعلی سینا، ابن عربی، شیخ نظام الدین اولیا اور داراشکوہ کی صف میں لاکر کھڑا

۱۔ حضرت مجدد جام جہاں شاہیں موجودہ دور کے مصنفوں کو ان کا عکس دکھائی ہے ہیں اور وہ اس کا بیان کر رہے ہیں۔ (زید)



کر دیا ہے بلکہ موجودہ دور میں ان سب میں ان کو عظیم ترین سمجھنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں، یقین نہیں آتا کہ یہ ساری باتیں پروفیسر محمد حبیب کے قلم کی لکھی ہوئی ہیں اور اگر واقعی ان ہی کی ہیں تو معلوم نہیں ان سے مصنف کی شہرت میں اضافہ ہو گا یا پروفیسر صاحب کی فکر و نظر بھی مصنف کی کتاب کی طرح ایک مستقل موضوع بن جائے گی۔

اور لکھا ہے ”اب پوری تحقیقی سرگرمیاں اس میں صرف ہو رہی ہیں کہ قطب مینار، مال قلعہ اور جامع مسجد دہلی وغیرہ مغلوں کی نہیں بلکہ راجپوتوں کی بنوائی ہوئی ہیں، ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی کی کتاب بھی اس قسم کی تحقیقات کا نمونہ ہے، جنوبی ہند کے ایک ہندو مؤرخ کے بیان کے مطابق اس قسم کی تحقیقات سے ہندوستانی علم و فن محض رسوا اور بدنام ہو کر رہ جاتا ہے۔“

اور فاضل مقالہ نگار نے مارچ کے عد میں کتاب کے دس ابواب بیان کر کے لکھا ہے۔

اس کتاب کی تدوین کا اصلی مقصد حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف زہر افشانی کرنا ہے (ملاحظہ ہو شذرات معارف ص ۹۶) لیکن اس مقصد پر پردہ ڈالنے کے لئے مصنف نے اپنی کتاب میں مذکورہ بالا ابواب مصلحتاً شامل کر دیئے ہیں اس کتاب کی ترتیب میں مصنف کے بڑے مشیر ڈاکٹر نور الحسن صدر شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی رہے ہیں جیسا کہ تمہید سے ظاہر ہے ڈاکٹر نور الحسن یورپ کی تمام تحریکوں سے توجہ و واقف ہوں گے لیکن ان کا ہندوستان کی مذہبی تحریکوں کا مطالعہ مطلق نہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ انھوں نے مصنف کو کیا مدد دی ہوگی البتہ اس کتاب کے لکھنے میں جو اسپرٹ کام کر رہی ہے اس میں ڈاکٹر صاحب موصوف کا مشورہ ضرور مفید ثابت ہوا ہوگا۔

(آٹھ سطر کے بعد لکھا ہے) مصنف نے کتابیات کی جو فہرست دی ہے اس کو دیکھ کر پہلی نظر میں ناظرین حیرت زدہ ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ ۴۲۷ صفحے کی کتاب کے لئے کتابیات کی فہرست ۵۲ صفحے ہیں درج ہے جن میں مختلف زبانوں کی کتابیں شامل ہیں۔ پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ کے طلبہ اپنے ممتحنوں اور پڑھنے والوں کو متاثر کرنے کے لئے ایسی ایسی کتابوں کے نام بھی درج کر دیا کرتے ہیں جو ان کی نظر سے مطلق نہیں گزرتیں زیر نظر کتابیات کی فہرست بھی اسی نہج کی ہے۔

(سات سطر بعد لکھا ہے) مصنف نے اپنی کتاب میں عربی ماخذوں کی بھی فہرست دی ہے ان کا اندازہ تحقیق بتاتا ہے کہ وہ عربی مطلق نہیں جانتے کیونکہ جن بزرگان دین کے حالات عربی ماخذوں سے معلوم کئے جاسکتے تھے ان کے حالات انگریزی کتابوں کے ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے مثلاً وہ حسن بصری اور ابراہیم ابن ادہم کو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے ذریعہ سمجھے ہیں۔ اور رابعہ العدویہ کی عظمت کا اندازہ مارگریٹ اسمتھ کی ایک انگریزی کتاب کے سہارے کیا ہے (ص ۲)



شیخ شہاب الدین کے عوارف المعارف کا مطالعہ ایچ، ڈبلیو، کلارک کی عینک سے کیا ہے (ص ۶) مقدمہ ابن خلدون آف، وزن تھمال سے سمجھا ہے (۱۲۶، ۸، ۶۹) سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ مصنف نے وحدۃ الوجود پر جو کچھ لکھا ہے وہ گویا ان کی نظریں حرف آخر ہے، لیکن ابن العربی کو سمجھنے کے لئے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام اور عینقی کی ایک انگریزی کتاب سے مدد لی ہے (ص ۲۵-۲۲) ابن تیمیہ کو محمد یوسف کو کن عمری کی اردو کتاب امام ابن تیمیہ کے ذریعے سمجھے ہیں (ص ۳۶) سفرنامہ ابن بطوطہ کا مطالعہ کرنے میں ایک یورپین مصنف کی مدد لی ہے، وغیرہ وغیرہ، پھر بھی انہوں نے اپنی کتاب میں بلا تکلف عربی کی چوبیس کتابوں کے نام گنوا دیئے ہیں جن کو دیکھ کر دھوکا ہوتا ہے کہ یہ تمام کتابیں مصنف نے کھنگالی ہوں گی۔ مصنف کے عربی نہ جاننے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ عربی الفاظ کو انگریزی املا میں صحیح طور پر نہ لکھ سکے ہیں جس کے لئے ویباچہ میں معذرت بھی کی ہے۔

پھر فاضل مقالہ نگار نے اطہر عباس کی فارسی دانی کا پول کھول کر لکھا ہے۔  
 ”اس مبلغ علم کے بعد بھی پروفیسر محمد حبیب نے اپنے پیش لفظ میں مصنف کو مولانا عبدالحق محدث دہلوی سے بھی زیادہ بہتر مصنف اور محقق قرار دیا ہے۔“

اس کے بعد فاضل مقالہ نگار نے رضوی صاحب کی تحریفات کا بیان کیا ہے اور لکھا ہے۔  
 ”اب ناظرین مصنف کے بیان اور تذکرہ نگاروں کی تحریروں کو پڑھ کر خود اندازہ لگائیں کہ مصنف نے کس طرح ایک چیز کو مسخ کر کے پیش کیا ہے۔ تذکرہ نگاروں نے کیا لکھا ہے اور مصنف نے کیا لکھ ڈالا ہے۔“

”وہ اپنے مطلب کی بات بنانے کے لئے واقعات کو حذف کرنے میں مطلق تامل نہیں کرتے۔“  
 فاضل نامہ نگار نے اپنے اس پہلے مقالہ کے اواخر میں لکھا ہے۔  
 مصنف کی کتاب کے صرف ایک باب پر اتنی لمبی تنقید لکھنے کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ ابھی تو ابواب اور ہیں اور ہر باب اتنی ہی لمبی تنقید کا محتاج ہے۔ ان کو قلمبند کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ایک پوری کتاب تیار ہو جائے۔ جو ظاہر ہے کوئی خوشگوار تصنیف نہ ہوگی۔ مگر مصنف نے اپنے بہکے ہوئے شعور، بھٹکے ہوئے ذہن اور گمراہ کن تحقیقات سے تصوف اور مذہبی تحریکات کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس کی طرف ذہن منتقل کرانا بھی ضروری ہے۔ تاکہ مصنف کا کذب و افتراء، حق و صداقت نہ سمجھا جائے اس کتاب کو ڈی لٹ کا ایک مقالہ سمجھ کر نظر انداز کیا جاسکتا تھا کیوں کہ اب پی، ایچ، ڈی اور ڈی لٹ کے جو مقالے لکھے جا رہے ہیں ان کا معیار روز بروز گرتا چلا جا رہا ہے لیکن پروفیسر حبیب نے اس پر جو پیش لفظ لکھا ہے اس سے کتاب کے مطالعہ کی نوعیت کچھ بدل گئی ہے اور پیش لفظ مصنف کے لئے بلائے جان ہے۔“



ماہنامہ معارف کے نومبر کے عدد کا تعلق حضرت مجدد سے ہے اور میں اب اس عدد میں سوافضل مقالہ نگار کے کلام کا کچھ حصہ نقل کرتا ہوں۔ لکھا ہے۔

”مصنف نے ہر موقع پر اپنے کو غیر جانبدار محقق ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور انہوں نے اپنے مقالہ کے متعینوں سے اس کی سند بھی حاصل کر لی ہے لیکن ان کے متعین وہ لوگ ہیں جن کو ہندوستان کے مسلمانوں کی اچانے دین کی تحریکوں سے کوئی خاص واسطہ نہیں رہا۔ مصنف نے بعض بزرگان دین کی مدح ضرور کی ہے لیکن یہ مدح اس لئے نہیں ہے کہ وہ واقعی ان کے قائل ہیں بلکہ اس لئے کہ اس مدح کے پردے میں اپنے ناظرین کو حضرت مجدد الف ثانی کی قدح سننے کے لئے تیار کرنا چاہتے ہیں جو ان کی کتاب کی اصل غرض و غایت ہے۔ لیکن ان کو شاید یہ خبر نہ ہو کہ ان کی کتاب پڑھنے والوں پر کیا اثر ہوتا ہے۔“

”مصنف نے حضرت مجدد الف ثانی کو خود ساختہ مجدد اور قیوم کہہ کر ان کی سیرت اور تجدیدی سرگرمیوں کی جو مرقع کشی کی ہے وہ ناظرین ملاحظہ کریں۔“

اگرچہ مجدد اپنی جتوں سے اپنے معاصرین کو متاثر کرنے میں ناکام رہے لیکن ان سے نہ صرف مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں باہمی بے اعتمادی اور نا اتفاقی پیدا ہونے کے رجحانات بڑھ گئے بلکہ ملک کے سیاسی جسم میں فرقہ دارانہ زہر کا انجکشن پڑ گیا۔ ص ۱۷۵۔

جہانگیر کی حکومت کے آغاز میں شیخ احمد نے فرقہ دارانہ جوش کو بلاشبہ تھوڑی سی کامیابی کے ساتھ اکسایا۔ ص ۲۱۵۔

موجودہ دور کے فضلانے ان کو ایک خرافاتی شخصیت بنا دیا ہے، ص ۲۱۵۔  
وہ بظاہر اس غلط خیال میں مبتلا رہے کہ جہانگیر ہر چیز کو درست کر دے گا اور اسلام کو اس کی پہلی شان و شوکت پر لے آئے گا اگر وہ اپنی تلوار ہندوؤں اور شیعوں کے خلاف استعمال کرتا رہے گا۔ ص ۲۲۷۔

انہوں نے راسخ العقیدگی کی تجدید کے لئے امر کو آلہ کار بنانے کی کوشش کی اور... فرقہ دارانہ جذبات سے اپیل کی۔ ص ۲۳۷۔

بے بنیاد خوف اور خطرات مجدد کے دماغ پر چھائے تھے۔ ص ۲۳۸۔  
شیعوں کے سیاسی اقتدار کی وجہ سے ان میں پسپائی اور حسد کا جذبہ پیدا ہوا، جس سے شیعوں سے ان کو نفرت پیدا ہو گئی اور انہوں نے اپنی زندگی کا آغاز ایک علیحدہ رسالہ رد و افض لکھ کر کیا جس میں شیعوں کے اعتقادات کو رد کیا ہے۔ ص ۲۵۰۔

مجدد نے اپنے یاگزشتہ دور کے علماء کے متعلق جو سطحی باتیں کیں یا ان پر غیر مبہم طریقہ سے جو الزامات



رکھے ان سے عام لوگوں کو کوئی مدد نہیں پہنچی، ان کی ملامتوں اور شدت بھری تنقیدوں نے مسلمانوں کو اس جگہ سے آگے نہیں بڑھایا جہاں وہ تھے۔ ص ۲۵۱  
مجدد کے معاصر اور بعد کے صوفیہ ان کے دعاوی سے کبھی متفق نہ ہو سکے۔ خواجہ باقی باللہ کے لڑکوں اور دوسرے اہم مریدوں نے ان کے ضابطوں کی مخالفت کی۔ ص ۲۶۰  
ان میں ایک صوفی کی وسیع المشرقی اور فیاضانہ روش سے زیادہ ایک ملا کی تنگ نظری تھی۔ ص ۳۱۱۔

وحدت الوجود کے خلاف مجدد کے طویل مواعظ ابن تیمیہ شیخ علاء الدولہ سمنانی اور کیسودرازی کی تعلیمات پر مبنی تھے، لیکن وحدت الوجود اور وحدانیت کے رجحانات سے ٹکرا کر ناکام رہ گئے جو اس زمانہ کے مسلمانوں کی معاشرت میں نفوذ کر گئے تھے۔ ص ۳۱۲  
مجدد کی تعلیمات پر جب ان کے مقلدوں نے عمل کیا تو ان سے بلند قسم کے اخلاقی اقدار پیدا نہیں ہوئے۔ ص ۳۱۲۔

مجدد کے خلفا اپنے پاس ایک متعصب ملا کے زہر کے علاوہ کچھ نہ رکھتے۔ ص ۴۲۴۔  
مجدد یوں کی قوت اور نگزیب کی حکومت کے شروع ہوتے ہوئے ختم ہو چکی تھی۔  
۱۰۴۹ء میں شیخ معصوم کی وفات کے بعد مجدد کی رہی سہی عزت ختم ہو گئی مجدد کے پوتے تو انتشار اور اخلاقی بد حالی کے پلیگ میں مبتلا رہے۔ ص ۴۲۶۔

مصطف شاید خوش ہوں گے کہ انھوں نے اپنی ان تحریروں سے حضرت مجدد الف ثانی کی عزت و شہرت کو خاک میں ملا کر رکھ دیا لیکن ان کی کوششوں کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی کی شخصیت کا آئینہ وہ آئینہ ہے۔ جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں۔

مصطف شاید اس سے بے خبر نہیں کہ برطانوی حکومت کے زمانہ میں انگریز مصنفوں نے ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی حکومت کو محض زحمت ہی زحمت ثابت کرنے کی کوشش کی۔۔۔۔۔

اور اب ہندوستانی مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں کو برا ثابت کرنے کی مہم اٹھائی گئی ہے  
۱۹۴۴ء میں انٹرنیشنل کانگریس کا اجلاس دہلی میں ہوا تھا اس میں مجلس استقبالیہ کی طرف سے ”اورنٹل سٹوڈیز ان انڈیا“ یعنی ”ہندوستان میں مشرقی علوم“ کے نام سے جو کتاب شائع ہوئی تھی اس میں شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کو فرقہ وارانہ فلسفہ کہا گیا تھا (ص ۹۷) سمجھ میں نہیں آتا کہ فرقہ وارانیت سے کیا مراد ہے۔ مصنف بھی ہمارے بزرگان دین کی مذہبی سرگرمیوں کو فرقہ وارانہ کہنے میں تامل نہیں کرتے۔ ہندوستان کے سیاسی ہنگاموں کے اس دور میں ہر چیز میں فرقہ وارانیت کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق نے ایک موقع پر اس کی تعریف یہ کی تھی کہ مسلمانوں کی



اکثریت جس چیز پر متفق ہو جائے تو وہ ”فرقہ واریت“ ہے۔ لیکن ہندوؤں کی اکثریت جس چیز پر اتفاق کرے وہ ”قومیت“ ہے اسی تعریف کی رو سے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی صرف فرقہ واریت ابھارتے رہے لیکن اس کو کیا کیجئے کہ اسی فرقہ واریت کی بدولت وہ اس وقت ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کے مذہبی ہیرو بنے ہوئے ہیں جیسا کہ ان مضامین اور تصانیف سے ظاہر ہوگا جواب تک ان کے متعلق شائع ہو چکی ہیں۔ خود مصنف کو بڑے دکھ اور درد کے ساتھ لکھنا پڑا ہے۔

”شیخ احمد سرہندی کو آئندہ صفحات میں مجدد کہا جائے گا ان کے مقلدان کی سرگرمیوں کو بعد کی نسلوں میں پر شکوہ بناتے رہے ہیں اور موجودہ دور کے فضلاء نے ان کی شخصیت کو خرافاتی بنا دیا ہے مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے آباء و اجداد کو عوام سے روشناس کرنے اور مسلمانوں میں قومی جذبات پیدا کرنے کے لئے ۱۹۱۹ء میں تذکرہ لکھا اس میں بعض علماء اور صوفیہ کی سرگرمیوں کی تعریف کی گئی ہے ان میں مجدد بھی شامل ہیں جن کو ریاست کی حکمت عملی سے اتفاق نہیں رہا اس کتاب کی اشاعت کے بعد مجدد کی شخصیت اور اثرات کی نئی تعبیر کی گئی۔ مولانا آزاد کے تذکرہ کے بعد جو تصانیف شائع ہوئی ہیں ان میں فرقہ پرستوں اور ہندوستانی قوم پرستوں دونوں نے مجدد کو ایک ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا۔ فرقہ پرست تو ان کی تعریف یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ انھوں نے اسلام کی خاطر جہانگیر کو بدعقیدگی کے دائرہ سے نکال کر مغل حکومت کو بچا لیا اور ہندوستانی قوم پرست ان کو انقلابی اس لئے کہتے ہیں کہ انھوں نے جہانگیر کو سجدہ نہیں کیا۔“ ص ۱۶-۲۱۵۔

”ہمارے مصنف صلح کل کے حامی ہیں لیکن اگر واقعی اس کے قائل ہوتے تو وہ جمہور مسلمانوں کے ایک ہیرو کے خلاف اپنے غصہ اور اشتعال کا اظہار نہ کرتے وہ تو صلح کل کی آڑ میں اپنی مقصد برآری کرنا چاہتے تھے جو خدا کرے پوری ہو گئی ہو“

حضرت مجدد الف ثانی پر مصنف کے ساتھ پروفیسر حبیب نے یہ بھی الزام رکھا ہے کہ انھوں نے فرقہ واریت کے جذبہ میں ہندو مسلمان اور شیعہ سنی میں منافرت پیدا کی۔ (پیش لفظ ص ۱۰)

مصنف نے اُن اُمرا پر بھی سب و شتم کی بارش کی ہے، جو مجدد الف ثانی کے عقیدت مند اور ان سے وابستہ تھے، مثلاً شیخ فرید بخاری کو مصنف نے غصہ میں مجدد الف ثانی کا فقہ کاٹ (ص ۲۱۶) شرابی (ص ۲۲۷) ظالم اور انتقام پسند اور نالایق (۲۲۸) کہا ہے اور یہ مغلیہ دربار

لے مصنف معذور ہیں۔ کوئی کچھ کرے اس کی فطرت بدلا نہیں کرتی۔

در مذہب کہ دشنام طاعت باشد مذہب معلوم اہل مذہب معلوم جب حضرات صحابہ ان کے سب و شتم سے محفوظ نہیں تو حضرت مجددؒ اور شیخ فریدؒ کا کیا ذکر۔ (زیر)



کے ایک ایسے امیر کی تصویر ہے جس کے قائل صرف حضرت مجددؒ والف ثانی ہی نہیں بلکہ حضرت باقی باللہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی تھے۔ مآثر الامراء کے مصنف نے تیموری دور کے امراء میں کسی کی اتنی تعریف نہیں کی ہے جتنی شیخ فرید مرتضیٰ خان بخاری کی کی ہے۔

شاہ ولی اللہ نے شیخ فرید بخاری کے بارے میں انفاس العارفین میں لکھا ہے۔  
”شیخ فرید بخاری کہ از اعظم امراء اُن زمان بود، جامع بود در میان غایت صلاح و اعتقاد مشائخ صوفیہ“

جن دوسرے امراء حضرت مجددؒ نے خط و کتابت کی ہے ان کو مصنف نے غیر اہم امراء اور برہم حکام کہکر مجروح کیا ہے (ص ۲۴۳) اور جہاں اس قسم کی جراحت نہ لگا سکے ہیں وہاں حضرت مجددؒ الف ثانی کے خیالات اور نظریات کو نزاعی انداز بیان (ص ۲۴۳-۲۴۴) فرقہ دارانہ زہر (ص ۲۴۴-۲۴۵) بے بنیاد خطرات اور توہمات طویل مواعظ (ص ۲۳۹) وغیرہ کہکر اپنے دل کو مطمئن کر لیا ہے۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا یہی طرز بیان اور انداز تحریر دوسرے مورخوں نے ہندوستان کی اور تاریخوں کے لکھنے میں اختیار کیا ہے؟ یہ تاریخی تحقیقات کا عجیب و غریب نمونہ ہے کہ حضرت مجددؒ الف ثانی کے وصال کو کئی سو سال گزرے لیکن آج بھی علماء صلحاء اور صوفیہ کے سامنے جب ان کا نام آتا ہے تو وہ سر عقیدت خم کر دیتے ہیں۔ ان پر مضامین اور کتابیں نکل رہی ہیں ہندوستان و پاکستان کے مختلف گوشوں میں مجددیہ سلسلہ کی خانقاہوں میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری ہے اور بقول ڈاکٹر اقبال ع جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار۔

خود مصنف کو اعتراف ہے کہ اُن کی حیثیت ایک ہیرو کے ہو گئی ہے (ص ۱۶-۲۱۵) پھر بھی تحقیقات کے نام پر یہ بتایا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے علاقہ کے لوگوں پر کوئی اثر نہیں چھوڑا ہے (ص ۲۴۴) اور مجددیوں کی قوت اور نگ زیب کی حکومت کے شروع ہوتے ہی ختم ہو چکی تھی شیخ محمد معصوم کی وفات کے بعد مجددی رہی سہی عزت بھی ختم ہو گئی مجدد کے پوتے تو انتشار اور اخلاق بد حالی کے پلیگ میں مبتلا رہے (ص ۲۴۶) یہ تحقیقات ہیں یا تحقیقات کے نام پر آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے۔

اس قسط کے ختم ہونے سے پہلے مصنف سے تو نہیں ان کے ممتحنوں سے یہ پوچھنا ہے کہ کیا

۱۔ اللہ کے فضل و کرم سے تمام انغالتان اور بلوچستان میں اور ترکیہ شام جزیرۃ العرب ایران تمام بنگال اور برما میں آپ کا مبارک سلسلہ رائج ہے (زید) ۲۔ لعل علی بن حسین کاشفی نے رشتہات میں عارف نامی مولانا عبدالرحمن جامی کے حال میں ”نفاس انفاس“ کے بیان میں دوسرے رشتہ میں لکھا ہے ”میں فرمودند مردم بد نفس چوں خواہند کہ عیب کے بر شمارند اول بد یہاں کے در ذات ایشان موجود است بر زبان ایشان جاری می شود چہ آں بہ فہم ایشان نزدیک تراست“ جو شخص تبر ابازی کے پلیگ میں پڑا ہو اس کو سب دشمن اور پلیگ کے سودا کیا نظر آئے گا۔ از کوزہ ہماں ترادود کرد و دست۔ (مزید)



مسلمانوں کی تاریخ خصوصاً ان کی مذہبی تحریکات کے نظری اور فکری پہلوؤں کو مسخ کر کے پیش کرنے اور ان کے بزرگان دین میں سے کسی کو بد اخلاق (ص ۱۲) کسی کو بد پرہیزگار (ص ۱۲) کسی کو زنا کا مجرم (ص ۲۳) کسی کو بد اخلاقی کے پلنگ کا مریض (ص ۲۶) کسی کو متعصب اور فرقہ پرور بنانے اور ان کی تاریخ کے بڑوں کو اچھا اور اچھوں کو بُرا ثابت کرنے ہی میں ساری تحقیق کی غیر جانبداری اور وسیع النظری سمٹ کر رہ گئی ہے اور اگر یہ کتاب اس لئے شائع کی گئی ہے کہ اس سے قومی اتحاد اور جذباتی ہم آہنگی کی تحریک کو فروغ ہوگا تو پھر اس تحریک کے علمبرداروں سے یہ کہنا ہے کہ وہ اپنے اصلی و نقلی نادان و دانا اور مفاد پرست اور بے غرض دوستوں کو نہیں پہچانتے۔

جناب شبیر احمد خاں غوری ایم اے ایل ایل بی رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اتر پردیش نے معارف ۱۹۶۶ء کے ماہ مئی کے شمارہ میں صفحہ ۳۲۵ سے ۳۵۱ تک رضوی صاحب کی کتاب کے متعلق حقائق کا اظہار کیا ہے۔ مختصر طور پر کچھ نقل کرتا ہوں۔ لکھا ہے۔

”کتاب کے مطالعہ کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا مقصد حضرت مجدد الف ثانی کی تنقیص اور مذمت ہے اس کے لئے یہ غیر ضروری اور گمراہ کن تمہیدیں بڑھائی گئی ہیں مصنف کے چھپے ہوئے عزائم چھٹے باب میں بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ انبیائے کرام کی ذوات مقدسہ کے علاوہ اور کس کی شخصیت تنقید سے بالاتر ہو سکتی ہے۔ مگر تنقید کو تنقید کی حد تک رکھنا چاہئے اسے تبراً نہیں بنا دینا چاہئے۔ یہ صحیح ہے کہ مجدد صاحب نے ”ردِ و افص“ نام کا رسالہ بھی لکھا تھا مگر جن حالات میں یہ رسالہ لکھا گیا وہ بالکل بدل چکے ہیں۔ اس عہد کے سیاسی اور معاشرتی حالات اس کے مقتضی تھے کشمیر میں اکبر کی مداخلت اسی مذہبی نزاع کا نتیجہ تھی، لیکن آج اس کی تبلیغ کر کے ملک کے دو طبقوں میں ناخوشگوار جذبات کا احیاء کوئی پسندیدہ بات نہیں ہے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ مجدد صاحب نے استیصال بدعات اور غیر اسلامی رسوم سے احتراز و اجتناب پر زور دیا اور مجدد صاحب کی یہ کوشش مفاد پرست طبقہ کو کبھی ایک آنکھ نہیں بھائی بائیں ہمہ یہی ”وہابیت“ بنی نوع انسان کی ذہنی و معاشی حریت کی ضامن ہے اسی لئے ان حضرات کو جو اس مفاد پرست طبقہ کے ترجمان ہیں اس ”وہابیت“ سے فطرۃ عقیدت نہ ہوگی مگر اس ناپسندیدگی سے انھیں اپنے ناپسندیدہ مسلک حیات کے علمبرداروں کو مطعون کرنے اور ان کے خلاف بے بنیاد الزام تراشی کا حق تو نہیں مل جاتا۔

ہمیں کے اقتدار کا ذکر کے فاضل مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

”اس کے بعد منفل ہوں یا پٹھان، سادات ہوں یا شیوخ، جملہ بیرونی لوگوں کے استیصال



واخراج کے لئے ایک تحریک شروع ہوئی جس کا اثر ان شہروں میں تو نمایاں نہ تھا جہاں مسلمان امرا کے ہمراہ کافی مسلمان آبادی تھی، لیکن ان شہروں میں یہ تحریک بڑے زوروں پر تھی جو دشوار گزار علاقوں میں واقع تھے یا جو ہندوؤں کے تیرتھ استھان تھے، ان شہروں میں بیرونی لوگوں کے استیصال و اخراج کے لئے منظم جارحانہ سرگرمیاں جاری تھیں۔

ہمایوں کی واپسی اور اکبر کی تخت نشینی کے بعد یہ ظاہر مقامی احیائیت پسندوں کی توقعات کو کچھ صدمہ پہنچا مگر جب اکبر نے راجپوتوں کے یہاں رشتہ داریاں قائم کر لیں تو پھر مقامی احیائیت پسندوں کی جارحانہ سرگرمی بڑھ گئی، متھرا کا واقعہ کوئی منتشر واقعہ نہ تھا جیسا کہ مصنف نے سرسری نظر ڈال کر اس کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی ہے۔ انتہی۔

اللہ تعالیٰ سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب اور شبیر احمد خاں صاحب غوری کو کامل اجر دے کر انھوں نے رضوی صاحب کے مکائد اور بڑے عزائم کا پر وہ چاک کیا۔ ساڑھے تین سو سال پہلے حضرت مجددؒ نے شیعوں کی چیرہ دستیوں سے مجبور ہو کر ایک علمی رسالہ لکھا تھا، اس رسالہ کی وجہ سے شیعیت کا فتنہ فرو ہو ا تھا۔ ڈیڑھ سو سال بعد شیعوں نے پھر فتنہ برپا کیا۔ اس وقت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے کتاب ”تحفۃ اثنا عشریہ“ لکھی۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ”ہدیہ مجیدیہ“ کے نام سے شائع میں چھپا ہے۔ رضوی صاحب نے اب اس دور میں پھر اس فتنہ کو برپا کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں ان مکائد کا استعمال کیا ہے جن کا بیان تفصیل کے ساتھ حضرت شاہ عبدالعزیز نے کیا ہے۔ اس سلسلہ میں سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب نے رضوی صاحب کو بے نقاب کرتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے۔

”ہمارے مصنف صاحب صلح کل کے حامی ہیں لیکن اگر واقعی اس کے قائل ہوتے تو وہ جہود مسلمانان کے ایک ہیرو کے خلاف اپنے غصے اور اشتعال کا اظہار نہ کرتے وہ تو صلح کل کی آڑ میں اپنی مقصد برآری کرنا چاہتے تھے جو خدا کرے پوری ہو گئی ہو“

اور جناب شبیر احمد خان غوری نے حقیقت کو ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”مصنف کے چھپے ہوئے عزائم چھٹے باب میں بے نقاب ہو جاتے ہیں، انبیائے کرام کی ذوات مقدسہ کے علاوہ اور کس کی شخصیت تنقید سے بالاتر ہو سکتی ہے، مگر تنقید کو تنقید کی حد تک رکھنا چاہئے، اسے تبراً نہیں بنا دینا چاہئے“

رضوی صاحب کی کتاب کے سلسلہ میں مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امرہوی نے لکھا ہے ”ایک یہودی طالب علم وائی فریڈمان نے حضرت مجددؒ پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے جو کتابی شکل میں بہ زبان انگریزی میکگل یونیورسٹی پریس، مانٹریال سے ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا ہے، اس کا نام



”شیخ احمد سرہندی اور آئندہ نسلوں کے بارے میں ان کا نظریہ“ ہے۔ اس کتاب میں اظہر عباس کے نظریات پر اعتراض کیا گیا ہے اور باوجود غیر مسلم ہونے کے فریڈمان نے ادب و احترام اور تہذیب و شائستگی کے پہلو کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے اور حضرت مجددؒ کی شان میں کوئی بھی ایسی گستاخی نہیں کی ہے جس کے نمونے اظہر عباس کی کتاب میں جاہ جاملتے ہیں“ لہ  
مولانا نسیم احمد کی اس تحریر کو پڑھ کر میں نے مولانا محمد اقبالؒ مجددی کو لکھا اگر وائی فریڈمان کی کتاب ان کے پاس ہو تو اس کے کسی حصہ کا ترجمہ ارسال کر دیں، اللہ تعالیٰ ان کو اجر کثیر دے کر انھوں نے درج ذیل مضمون ارسال کیا ہے۔

### مسٹر یو جٹا فریڈمان کا بیان

یو جٹا فریڈمان نے اپنی کتاب ”شیخ احمد سرہندی اور ان کے خیالات کا تصور آنے والی نسلوں کی نظر میں“ کے صفحہ ۱۱۰-۱۱۱ میں لکھا ہے۔

”اس نظریے کو کہ سرہندی کا سیاسی رول محض ایک مقدس ڈھونگ ہے جو ان کے مریدوں نے گرہا اور ان کے اندھے مقلدین نے باقی رکھا، رضوی نے اپنی کتاب ”سولہویں اور سترہویں صدی میں شمالی ہند میں احیائے اسلام کی تحریکات“ میں زیادہ تفصیلی دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کتاب کا مرکزی خیال یہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ مسلم فرقہ پرستی کو رد کیا اور ایسا کلچر تعمیر کرنے کی کوشش کی جو ہندوستان کے ہندو ماحول میں پروان چڑھ سکے، سرہندی پر بحث کے دوران رضوی سخت ناپسندیدگی کے ساتھ ہندوؤں کے خلاف ان کی نفرت کا تذکرہ کرتا ہے (رضوی - احیائے اسلام ۲۴۸-۲۵۰) اور لکھتا ہے کہ ان کو یا ان کے کسی مقلد کو اپنے خیالات کے پرچار میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ہندی مسلمانوں کا ابن العربی کے فلسفہ وحدت الوجود سے گہرا لگاؤ اور سرہندی اور ان کے مقلدین کی مذہبی عصبيت سے ان کی روگردانی اس ناکامی کا سبب تھا، رضوی کے خیال میں ابن العربی کا عالمی نظریہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا نظریہ ہے، رضوی نے سرہندی کو ہندو مسلم پر امن بقائے باہمی میں زہد اندازی کی سعی ناکام کرنے والا، مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی اقلیت کا ایک تنگ نظر نمائندہ ظاہر کیا ہے (صفحات ۳۳۰-۳۱۳-۳۱۱-۲۸۱-۲۷۸-۲۷۷-۲۷۳)

سرہندی کی تعلیمات کی مقبولیت سے متعلق رضوی کا بیان کئی وجوہ سے مشکوک ہے۔  
اول یہ کہ مختلف صوبوں کے لوگوں میں تعلیمات سرہندی کی ناکامی سے متعلق رضوی نے جو شہادت

لے تہلیات ربانی حصہ اول صفحہ ۲۷۷ میں محمد اقبال مجددی لاہوری نے ۱۹۷۳ء میں کتاب ”احوال و آثار عبداللہ خوشگن قصوری“ لکھی ہے اور آپ کے تحقیقی مقالات رسائل و مجلات میں چھپتے رہتے ہیں۔



پیش کی ہے وہ وزن نہیں رکھتی۔ اس نظریہ کی حمایت میں کافی شواہد ہیں کہ علماء کی حمایت حاصل کرنے میں سرہندی ناکام رہے۔ لیکن ان عوام کا رد عمل زیادہ تر معلوم نہیں جن میں ان کے مرید کام کر رہے تھے۔ لیکن یہ امر واقع ہے کہ لوگوں کی بڑی تعداد سرہندی سے خط و کتابت کرتی تھی اور ان سے اسرارِ تصوف معلوم کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ سرہندی کو اپنے مریدوں سے کبھی کبھار کی شکایت کو کہ وہ پوری توجہ سے کام نہیں کرتے تھے، رضوی نے اپنی کتاب میں بہت اہمیت دی ہے (صفحات ۲۸۳-۲۸۱) اس سے ایسی زبردست شہادت کی نفی نہیں ہوتی کہ سرہندی درحقیقت ایک صوفی رہنما تھے جن کو اچھی مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔

دوسرے رضوی نے یہ مفروضہ قائم کر لیا ہے کہ سرہندی کے مرید جہاں جاتے تھے ہندوؤں کے خلاف جذبات اُبھارتے تھے لیکن اس کے ثبوت میں کوئی دلیل یا شہادت پیش نہیں کی۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ ہندوؤں کے مسئلے کو سرہندی کے افکار میں مرکزی حیثیت حاصل نہیں تھی اس مسئلے پر انھوں نے اپنے خیالات زیادہ تر منغل حکام کو اپنے مکتوبات میں تحریر کئے ہیں۔ جب سرہندی کے مرید ہندوستان کے مختلف شہروں میں گئے تو انھوں نے نقشبندی روحانیت کے آداب کی تعلیم دی۔ فرقہ دارانہ جذبات نہیں اُبھارے۔

یہ مفروضہ قائم کر لینا کہ سرہندی اور ان کے مریدوں کی منظم مخالفت کی گئی اور اس مفروضہ مخالفت کو فرقہ واریت کے خلاف، تحریک ظاہر کرنا ایک بے دلیل دعویٰ ہے۔

إِنَّ مَنْ يَدْعِي بِمَا لَيْسَ فِيهِ كَذِبٌ شَوْاهِدٌ إِلَّا مَتَحَانٌ



## پروفیسر ایم۔ مجیب شیخ الجامعہ کی کتاب دی انڈین مسلم یعنی مسلمانان ہند کے

اُس حصہ پر تبصرہ جس کا تعلق حضرت مجددؒ سے ہے

اے شمعِ سحر گریہ بہ حالِ من و خود کن کیں سوزِ نہانی کہ مرا ہست تُرائیت  
میرے سامنے پروفیسر ایم مجیب کی کتاب کے اس حصے کا ترجمہ رکھا ہے جس کا تعلق حضرت مجددؒ سے ہے۔ میں اس کو پڑھتا ہوں اور حیرت میں رہ جاتا ہوں کہ یہ کیا لکھا ہے، کیا کوئی ایک بات بھی صحیح لکھی ہے۔

پروفیسر مجیب کے پیشِ رو سید اطہر عباس کی غلط بیانیوں کا پردہ سید صباح الدین عبدالرحمن اور شبیر احمد خان غوری نے چاک کیا۔ ان دونوں صاحبان نے حضرت مجددؒ کے متبعین کے زخمی دلوں پر مرہم رکھ دیا ہے، کاش کوئی فاضل، الزاماتِ مجیب کی بھی حقیقت ظاہر کر دیتا۔ اور اس ناخوش گوار مرحلے سے میں بچ جاتا۔ کہاں تک لکھوں کہ جنابِ من یہ خالص الزام ہے، یہ نری تہمت ہے، یہ تحریف محض ہے۔ لیکن مجبوراً یہ کام کرنا پڑ رہا ہے۔

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفانِ شورا فرما سرائفندیم بسیم اللہ بھرنیہا و مرسہا  
اب پروفیسر مجیب صاحب کے عائد کردہ الزامات اور خود ان کے اجتہادات و قیاسات کو نقل کر کے ان پر تبصرہ کرتا ہوں۔

پہلا حصہ۔ شیخ احمد وہ صاحب ہیں جنہوں نے ..... راسخ العقیدگی کے احیاء کو باقاعدہ تحریک کا سا انداز بخشا، انہوں نے اپنی اصلاحی سرگرمیوں کا آغاز مستند پمفلٹ (رسائل) کی صورت میں کیا، جن میں سے ایک ردِ روافض شیعہ مسلک کی مخالفت میں لکھا۔ ص ۲۴۳  
تبصرہ۔ پروفیسر صاحب نے آپ کا ذکر آپ کے نام سے کیا ہے۔ حالانکہ آپ کی شہرت خطاب سے ہے



جس طرح پر حضرت ابنِ عربی کا اسم گرامی محمد اور خطاب شیخ اکبر ہے اور شہرت خطاب سے ہے۔ آپ کا ذکر جو بھی کرے گا وہ شیخ اکبر کے نام سے کرے گا، اسی طرح حضرت مجددؒ کا جو بھی ذکر کرتا ہے وہ مجددؒ ہی کے نام سے کرتا ہے، اگر پروفیسر صاحب کو مذہبی کتابوں سے لگاؤ ہوتا تو ان پر یہ حقیقت ظاہر ہوتی کہ نہ صرف ہندوستان میں، بلکہ افغانستان، ترکیہ، اور ممالکِ عربیہ میں اللہ کے فضل و کرم سے آپ کی شہرت آپ کے خطاب سے ہے۔ علامہ یوسف نبہانی کی کتاب ”جامع کرامات الاولیاء“ کی پہلی جلد کے صفحہ ۳۳ کو اٹھا کر دیکھا جائے۔ لکھا ہے ”أَحْمَدُ الْفَارُوقِي السَّهْرَنْدِي حُجَّةُ دَالِ الْإِلَافِ الثَّانِي“ علمائے عرب جب حضرت مجددؒ کی کسی معرفت کا بیان کرتے ہیں تو لکھتے ہیں ”قَالَ لَيْسَ الْمَجْدِدُ“ کیا پروفیسر صاحب کسی غیر مسلم مذہبی رہنما کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کر سکتے ہیں، کیا وہ عیسائیوں کے کسی سینٹ کے ساتھ سینٹ کا لفظ نہیں لکھیں گے یا سکھوں کے کسی گرو کے ساتھ لفظ گرو نہیں لائیں گے۔ ایسے مواقع پر اعتقاد اور عدم اعتقاد کا سوال نہیں ہوتا ہے بلکہ تہذیب اور شائستگی بھی ایک شے ہے جس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

مجیب صاحب نے جب کہ اپنے مضمون کی ابتداء ہی غیر شائستگی سے کی ہے تو انتہا کا خدا ہی حافظ ہے ع قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مَرا۔

جنابِ من۔ مردِ مومن، کاملِ الایمان کا یہی کام ہے اور پھر مجددؒ کے واسطے یہ کام لازم ہے کاش حضرت عمر بن عبدالعزیز اور دوسرے مجددؒوں کے حالات کو مجیب صاحب پڑھتے اور راسخ العقیدگی کی قدر و منزلت سے واقف ہوتے۔ یہ نعمت جس کو مل جائے وہ خوش نصیب ہے مولیٰ جلّ شأنہ اس سے راضی ہے۔

اور لکھا ہے۔ اپنی اصلاحی سرگرمیوں کا آغاز۔ الخ۔

بے شک حضرت مجددؒ نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے تین رسائل لکھے ہیں، پہلا تہلیلِیہ ہے اور اس میں کلمہ طیبہ کا بیان ہے۔ دوسرا اثباتِ نبوت ہے۔ اس رسالہ میں ابوالفضل کے الحاد کا رد کیا ہے۔ یہ دونوں رسالے عربی میں ہیں۔ تیسرا رسالہ ردِّ شیعہ ہے جس کو ردِّ وافیض بھی کہتے ہیں، آپ نے اس رسالہ کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ علماءِ ماوراء النہر نے ایک رسالہ ردِّ وافیض میں لکھا تھا اس کے جواب میں شیعوں نے بھی رسالہ لکھا۔ اس میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان کی تکفیر اور حضرت عائشہ کی تشیع اور ذمّ ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین اور آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”شیعوں کے بعض طلبہ ایران سے اس رسالہ کو لے کر آئے اور رسالہ کی تحریرات پر فخر و مباہات کرنے لگے اور بادشاہ اور امرا کی محفلوں میں ان مغالطات کی تشہیر کرنے لگے۔ جس مجلس میں یہ فقیر ہوتا تھا۔ ان کی غلط بیانیوں کا رد کرتا تھا۔ اس وقت خیال آیا کہ ان کے



مغالطات کے رد میں رسالہ لکھا جائے چنانچہ یہ رسالہ لکھ رہا ہوں۔  
محیب صاحب نے یہ تو لکھ دیا کہ شیعہ مذہب کی مخالفت میں آپ نے رسالہ لکھا لیکن وجہ  
تالیف بیان نہیں کی شاید محیب صاحب اپنے اولیائے نعمت کو خوش کرنا چاہتے تھے حضرت مجددؒ  
کا عمل دفاعی ہے اور شیعہ اس معاملہ میں جارح ہیں۔ پھر بھی حضرت مجددؒ پر الزام رکھا جا رہا ہے کیا یہی  
حقیقت نگاری ہے۔

دوسرا حصہ۔ ۱۹۰۸ء / ۱۳۲۸ھ میں وہ (حضرت مجددؒ) خواجہ باقی باللہ کے مرید ہو گئے جہانگیر  
کی تخت نشینی کے بعد امرا میں نقشبندیہ سلسلہ کو مستحکم کرنے کے واسطے وہ خواجہ باقی باللہ کا اثر و رسوخ  
استعمال کرتے رہے۔ جہانگیر خود ہی اعمال و معتقدات کی تطہیر کی جانب مائل تھا۔ شیخ فرید بخاری  
(مرقئی خان) سے اس نے یہ تک کہا کہ چار ایسے ممتاز ترین علماء کے نام تجویز کرو جو وعظ و تذکیر  
کر سکیں۔ اس پر شیخ احمد نے جو مرقئی خان سے اچھی طرح واقف تھے، انھیں لکھا کہ چار عالموں کی  
تقرری کے معنی صرف یہ ہوں گے کہ وہ لوگ آپس میں جھگڑتے رہیں کیوں کہ صلح پسند علماء تو ملنے سے  
رہے، لہذا اس کام کے لئے صرف ایک عالم کا انتخاب کیا جانا چاہئے۔

یہ قیاس بے جا نہ ہوگا کہ اس ”صرف ایک عالم“ سے ان کا اشارہ اپنی جانب رہا ہوگا۔  
تبصرہ۔ لکھا ہے۔ امرا میں نقشبندیہ سلسلہ کو مستحکم کرنے کے واسطے۔ الخ۔

پروفیسر صاحب کو شوق تالیف ہے اور ان کو حضرت مجددؒ پر لکھنا بھی ضروری تھا (ہو سکتا ہے  
کہ اپنے پیش رو کی طرح یہ بھی کسی سازش کا شکار ہوئے ہوں) لیکن حضرت مجددؒ کے متعلق ان کی  
معلومات درجہ صفر پر ہیں۔ ان کو یہ تک معلوم نہیں ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ نے اکبری الحاد کو  
مٹانے کے واسطے حضرت عبید اللہ آخرا کے طریقہ پر عمل شروع کر دیا تھا۔ پھر حضرت خواجہ نے یہ کام  
بھی حضرت مجددؒ کے حوالے کر دیا تھا چنانچہ آپ نے امرا کو راہ راست پر لانے کی مہم بڑی شدت  
سے شروع کی۔ آپ نے کافی امرا کو خطوط ارسال کئے، آپ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ  
حضرت خواجہ عبید اللہ آخرا امرا کے پاس از خود جاتے تھے تاکہ ان کے احوال درست ہوں اور  
اسلام میں رونق آئے۔ حضرت مجددؒ نے اپنے صاحبزادے کو لکھا ہے (مکتوب ۶۰ دوسرا دفتر) کہ  
”پیری مریدی کے واسطے میری خلقت نہیں ہوئی ہے بلکہ میرے سپرد دوسرا عظیم کام ہے“ اور  
یہ عظیم کام استیصالِ اتحادِ ابوالفضل و فیضی اور شریفِ اہل ہے، جو اتحادِ اکبری کے نام سے مشہور  
ہے۔ محیب صاحب کو حقائق کا علم نہیں اور اپنے ظنونِ فاسدہ کی بنا پر جو دل میں آرہا ہے  
لکھ رہے ہیں۔ حضرت مجددؒ کے اوائل دور میں ہندوستان میں اسلام آخری آنفاس کے درجے  
پر پہنچ گیا تھا۔ ارکانِ اسلام گرائے جا رہے تھے۔ محیب صاحب کو علم نہیں کہ اسلام ایک گھر ہے



اور تمام سلاسل اس کی تطہیر اور زیب و زینت کا کام انجام دیتے ہیں، اگر گھر نہ ہوگا، زیب و زینت کہاں ہوگی پہلے مردِ مسلم پیدا ہو پھر کمالِ ایمان کا ظہور ہوگا۔ جو کام حضرت خواجہ اثرار خود تشریف لے جا کر کیا کرتے تھے آپ نے اپنے مکاتیب سے وہی کام لیا۔ البتہ جہانگیر کی اصلاح کے لئے اللہ کو یہ منظور تھا کہ کچھ مدت آپ اس کے پاس رہیں۔ چنانچہ اس کام کے لئے اس نے نظر بندی کی صورت پیدا کی اور دنیا حیران رہ گئی کہ احوال نے کیسا پلٹا کھایا، کہاں اتحادی عبادت خانوں کی تعمیر۔ کہاں فتح کانگرہ کے بعد وہاں ذبح بقر پھر اذان و خطبہ اور جماعت پھر تعمیر مسجد۔

فیض روح القدس آرباز مدد فرماید دیگران ہم بکنند آنچہ مسیحائی کرد

پروفیسر صاحب نے لکھا ہے۔ ”وہ خواجہ باقی باللہ کا اثر و رسوخ استعمال کرتے رہے۔“

دوسروں کے اثر و رسوخ کو وہ شخص استعمال کرتا ہے کہ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہ ہو۔ حضرت خواجہ نے حضرت مجددؒ کے سپرد خلافتِ الہیہ کر دی تھی۔ آپ مملکتِ رُوحیہ کے بادشاہ تھے۔ اللہ نے آپ کو اپنے وقت کا انسانِ کامل، قطبُ الاقطاب اور قیومِ عالم بنایا تھا۔ آپ مجددِ وقت تھے، ہر خراب چیز کا زائل کرنا اور ہر نیک عمل کا رائج کرنا آپ کا کام تھا۔ بدآور نیک کی پہچان کے لئے معیار و حید شریعت ہے۔ ع در دیں نہ لغو بول علی و تراثر غمخوری۔

پروفیسر مجیب سے پہلے ڈاکٹر ذاکر حسین شیخ الجامعہ تھے۔ کیا پروفیسر مجیب اپنی صدارت اور جامعہ کی شیخی کے دوران میں ڈاکٹر صاحب کا اثر و رسوخ استعمال کرتے رہے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ سویرظن کی بنا پر مجیب صاحب کیا کچھ لکھ رہے ہیں۔ ع آنچہ برخود نہ پسندی بردیگران میسند۔ لکھا ہے۔ ”جہانگیر خود ہی اعمال و معتقدات کی تطہیر کی جانب مائل تھا۔“

کیا خوب! اکبر بھی تو اعمال و معتقدات کی تطہیر کی جانب مائل تھا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اس نے کیسی تطہیر کی اگر اکبر ابو الفضل و فیضی اور شریف آملی کے پھندے میں پھنسا تھا تو جہانگیر بھی نورجہاں کے تصرف میں جا چکا تھا ورنہ بار پر افضیوں کا تصرف ہو گیا تھا۔ مفتی غلام سرور نے لکھا ہے کہ رافضی امر کی سازش سے حضرت مجددؒ کے قتل کا فتویٰ مرتب ہوا۔

مجیب صاحب کے نزدیک یہ سب کچھ خود ہی ہو رہا تھا۔ کیا حقیقت شناسی اور حق گوئی اسی کا نام ہے!

لکھا ہے۔ ”یہ قیاس بے جا نہ ہوگا کہ اس ایک عالم سے ان کا اشارہ اپنی جانب رہا ہوگا۔“ علماء کے نزدیک سبب کو دیکھ کر قیاس کے بے جایا بہ جا ہونے کا حکم کیا جاتا ہے مجیب صاحب قیاس کر رہے ہیں اور وجہ و علت نہیں ظاہر کرتے اور توقع رکھتے ہیں کہ سب ان کے قیاس کو صحیح تسلیم کر لیں گے۔



حضرت مجددؒ کے اُس رسالے کے مطالعہ سے جو ابوالفضل کے رد میں لکھا ہے۔ اور آپ کے مکاتیب سے صاف ظاہر ہے کہ ابوالفضل وغیرہ نے رافضیوں کے باطنی فرقے کا مسلک اختیار کر لیا تھا، اور وہ اسی کی ترویج چاہتا تھا تاکہ الحاد و اباحت کے دروازے کھل جائیں۔ جہانگیر نے جب نور جہاں سے نکاح کیا تو روافض کا اثر و نفوذ دربار میں بڑھ گیا اور باطنی مذہب کے انتشار کے لئے راہیں کھل گئی تھیں۔ اس وقت اگر علماء کی جماعت آپس میں اختلاف کرتی تو باطنیوں کا مسلک رائج ہو جاتا۔ حضرت مجددؒ نے صحیح مشورہ دیا اور اللہ کے کرم سے یہ آفت ٹلی۔ ع رسیدہ بود بلائے دے بہ خیر گزشت۔

جس بدگمانی کا شکار مجیب صاحب ہوئے ہیں اس کے پیش نظر ان کا قیاس فاسدان کی نظر میں صحیح ہے۔ آج تک کسی نے حضرت مجددؒ کو دنیا پرست اور لالچی نہیں کہا تھا۔ مجیب صاحب کے سرائس کا سہرا بندھا ہے۔ آگے آگے دیکھتے ہوتا ہے کیا۔

تیسرا حصہ۔ اس وقت تک ان کے بہت سے خلفاء ملک کے گوشوں میں پھیل چکے تھے۔ ایک جوشیلے مرید نے شاہی فوج میں وعظ و پند کی ذمہ داری سنبھال لی تھی لیکن شیخ احمد کے اثر و نفوذ کو اس وقت بڑا دھکا پہنچا جب ان کا وہ خط شائع ہوا جس میں انھوں نے اپنے پیر کو اپنا ایک روحانی مکاشفہ بیان کیا جس میں اپنے آپ کو چاروں خلفا سے برتر درجے میں دیکھا تھا (مکتوبات جلد اول، مکتوب چودہ) علماء نے اس پر ایسا طوفان اٹھایا کہ جہانگیر کو انھیں جواب دہی کے لئے دربار میں طلب کرنا پڑا اور پھر وہ گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیئے گئے۔ تقریباً سال بعد وہ رہا ہوئے اور اب انھوں نے شیعوں اور ہندوؤں میں اپنی معاندانہ روش کو قدرے معتدل کر لیا۔ ص ۲۴۴

تبصرہ حضرت مجددؒ کے حالات کا مجیب صاحب کو پوری طرح علم نہیں ہے وہ یہ سمجھے ہیں کہ حضرت مجددؒ کی گرفتاری مکتوب کی وجہ سے ہوئی۔ حالانکہ مکتوب کی عبارت بدل کر دشمنوں نے جہانگیر کے سامنے پیش کی تھی اور آپ نے بھرے دربار میں اپنی بات پیش کی اور اس قوت استدلال سے پیش کی کہ جہانگیر کا سارا غصہ جاتا رہا۔ اب دشمنوں نے جہانگیر کو سجدہ کرانا چاہا۔ آپ نے سجدہ نہ کیا اور اس سلسلہ میں آپ قید ہوئے۔ مال و متاع ضبط ہوا۔ چاہے بعد میں مل گیا ہو۔

مجیب صاحب نے لکھا ہے کہ اس وقت آپ کے اثر و نفوذ کو بڑا دھکا لگا۔

جناب من۔ یہ دھکا حضرت مجددؒ کے اثر و نفوذ کو نہیں لگا تھا بلکہ اکبری الحاد نے اپنی موت سے پہلے آخری سنبھالا لیا تھا۔ یہ وہ فتح عظیم تھی جو بہ ظاہر فتح معلوم نہیں ہوتی تھی لیکن وَعَسَىٰ اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ کا ظہور تھا۔ اور شاید تم کو بُری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تم کو“ شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے۔



”شرع کی ترویج، طریقہ نقشبندیہ کی اشاعت، شریعت اور طریقت کی تطبیق اور بدعت کی مخالفت کے علاوہ شیخ مجددؒ نے جو اہم کام کیا وہ اسلام کا عام احیاء تھا۔ اس زمانے میں جب ایک طرف اکبر کے ”صلح کل“ طریقے نے اسلام کو اس حمایت و دین پناہی سے محروم کر دیا تھا جو اسلامی حکومت کی ابتدا سے اسے حاصل تھی اور دوسری طرف ہندو اخیائیت نے مسلمانوں کے لئے (جیسا کہ ہم تفصیل سے آگے چل کر بتائیں گے) طرح طرح کی مشکلات پیدا کر دی تھیں، آپ نے شعائر اسلام کے احترام پر زور دیا، امرا و اراکین سلطنت کو اس کی تلقین کی، خود اپنی زندگی میں اسلامی نقطہ نظر کے احترام کی بڑی مجرا ثمندانہ مثال قائم کی۔ آپ نے جہانگیر کے سامنے سجدہ نہ کر کے عملی مخالفت کی، آپ کی اس نیک مثال نے لوگوں کو جرأت دلائی، جو دہلے بیٹھے تھے وہ دلیر ہو گئے۔ حکمران طبقے میں جو اسلام پسند گروہ تھا اسے تقویت ملی اور جو غیر اسلامی آداب و رسوم دربار شاہی میں غمی ملوکیت کی تقلید میں یا ہندو اثرات کی وجہ سے رائج ہو گئی تھیں ان کے ازالے کا سامان ہوا اور شعائر اسلامی کے احترام کا پھر سے خیال کیا جانے لگا“ لہ

مجیب صاحب نے اگرچہ حضرت مجددؒ کے مکتوب کا حوالہ دیا ہے لیکن انھوں نے آپ کے مکتوب کو دیکھا تک نہیں ہے، کیوں کہ جو مفہوم آپ کے مکتوب کا لکھا ہے وہ وہی مفہوم ہے جس کا بیان حضرت مجددؒ کے معاندوں نے کیا ہے اور جس کی وجہ سے علماء نے آپ کو ملحد و زندیق قرار دیا ہے اور جس کی وجہ سے جہانگیر نے آپ کو آگرے بلایا ہے۔ اور بھرے دربار میں آپ نے معاندوں کی افترا پردازی کا پردہ چاک کیا ہے اور آپ کی برائت ثابت ہوئی ہے۔

مجیب صاحب نے نہ آپ کی برائت کا بیان کیا ہے نہ مکتوب کا نمبر صحیح لکھا ہے اور نہ آپ کے تحریر کردہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ کیا اسی کا نام حقائق نگاری ہے کیا اسی کو انصاف پسندی کہتے ہیں۔ برعکس نہند نام زنگی کا فور۔

حضرت مجددؒ نے روافض کی جارحیت کا ذکر اپنے رسالے میں کیا ہے اور ہندو اخیائیت کا بیان اکرام صاحب کی عبارت میں گزر چکا ہے۔ آپ ان دونوں کے ظلم ستم کا ازالہ چاہتے تھے۔ مجیب صاحب اپنے اولیائے نعمت کو خوش کرنے کے لئے جھوٹے الزامات لگا رہے ہیں اور صحیح تاریخی واقعات سے چشم پوشی کر رہے ہیں۔

چوتھا حصہ۔ شیخ احمد کے پاس نہ وہ مزاج تھا نہ نقطہ نگاہ جو صوفی شخصیت کی خصوصیت ہوتی ہو، انہیں یہ کہنے میں باک نہ ہوا کہ (۱) شیخ جنید بغدادیؒ اور شیخ بایزید بسطامیؒ سالیوں میں الجھ کے رہ گئے اور یہ کہ (۲) شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے جو بہت سی کرامات دکھائیں وہ اس لئے کہ ان تک رومانی قوت



جس طور پر پہنچی تھی (نزول) خاصاً کمزور تھا۔ اور یہ کہ (۳) ابن عربی کا فر تھا۔ اور اس قسم کی تنقیدیں شیوخ سلف کے بارے میں، جس سے لوگ کافی برا فروختہ بھی تھے۔

خود اپنے بارے میں انھوں نے جو احوال طے کر لئے تھے ان کے ذیل میں ان کا دعویٰ تھا کہ (۴) خود ان کی تخلیق مجدد اور ابراہیم کے کمالات کو یک جا کرنے کے واسطے ہوئی ہے، یہ کہ انہیں جو کچھ ملا ہے وہ بے شک محمد کا نام لیا ہونے کی بدولت ملا ہے لیکن (۵) محمد کے سارے کمالات ان میں موجود ہیں یہ کہ (۶) وہ مرید بھی ہیں مُراد بھی اور یہ کہ: خدا کے ساتھ ان کی ارادت میں کوئی بھی درمیانی واسطہ یا وسیلہ موجود نہیں ہے۔۔۔۔۔

**تبصرہ۔** محیب صاحب ایک تعلیمی ادارے کے صدر رہے ہیں، ان کو ذمہ داری کا پورا احساس ہونا چاہئے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ انھوں نے پہلے نہایت بے باکی سے حضرت مجدد قدس سرہ پر پہلا، دوسرا، چوتھا، پانچواں اور ساتواں بالکل جھوٹا الزام اور تیسرا خالص تہمت لگائی اور پھر نتیجہ میں یہ حکم صادر کر دیا کہ ”ان کے پاس نہ وہ مزاج تھا اور نہ وہ نقطہ نگاہ اور انہیں یہ کہنے میں باک نہ ہوا، احم۔“ کیا محیب صاحب حضرت مجدد کے رسائل اور مکتوبات میں ان الزامات کو دکھا سکتے ہیں۔

تامر و سخن نہ گفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد  
ہریشہ گماں مبرکہ خالی است شاید کہ پلنگے خفتہ باشد

مجھ کو تسلیم ہے کہ محیب صاحب اور اطہر عباس صاحب کا دل حضرت مجدد سے برگشتہ ہے۔ کیونکہ حضرت مجدد نے آزاد علماء (ابوالفضل، فیضی، شریف آملی وغیرہ) کے اتحاد اور روافض کی تبرا کے خلاف آواز اٹھائی، اور اللہ نے ان کو ان کے مقصد میں کامیاب کیا، لیکن اس دل برگشتگی کے یہ معنی نہیں کہ اب تحقیق کے نام پر خالص جھوٹا الزام عائد کیا جائے یا تبرا بازی کی جائے۔

محیب صاحب نے چھٹے نمبر پر جو بات مرید و مُراد کی لکھی ہے وہ درست ہے، اور بات ہر فرد میں کہہ سکتا ہے، چونکہ محیب صاحب کو عربی نہیں آتی اور وہ نہیں جانتے کہ مرید کے معنی کیا ہیں اور مُراد کس کو کہتے ہیں اس لئے وہ اس کو بیان کر گئے ہیں۔ مرید ارادہ کرنے والے کو کہتے ہیں اور جس کام کا یا جس شے کا ارادہ کیا جائے وہ مُراد ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عظیم صفات میں سے ایک صفت ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا یا کسی کی پیدائش کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مرید ہے اور وہ کام یا وہ چیز جس کا ارادہ کیا گیا ہے مُراد ہے لہذا ہر مخلوق، اچھی ہو یا بُری، مومن ہو یا کافر، مُراد ہوا، اور جو مخلوق اللہ کی رضا کا طالب ہو وہ مرید ہے اور اللہ اس کا مُراد ہے۔ اگر حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ میں مرید بھی ہوں اور مُراد بھی، تو اس میں کیا قباحت ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار تھے اور اللہ کے مرید تھے، اور ان کی پیدائش اللہ کے ارادے سے ہوئی لہذا وہ مُراد ہوئے۔ کسی جاہل نے اپنی جہالت



کی وجہ سے اعتراض کر دیا اور مجیب صاحب نے اس کو جھٹ سے نقل کر دیا۔ کیا اسی کا نام تحقیق ہے۔  
مجیب صاحب نے ساتویں نمبر میں یہ غلط بیانی کی ہے کہ حضرت مجددؒ کے مخصوص کلام کو بہ شکل  
عموم بیان کیا ہے، سالک جب انتہائے مقاماتِ عروج پر پہنچتا ہے اور ذاتِ بیچون و بیچگون سے  
بلا کیف فیوض حاصل کرتا ہے تو کیا اس وقت اور اس مقام پر سردارِ دو عالم صلی اللہ وسلم کی مبارک  
ذاتِ محبوب اور محبوب کے درمیان واسطہ ہوتی ہے یا نہیں۔ اس مقام اور کیفیت کو حضراتِ مشائخ  
نے ”وصلِ عریان“ سے تعبیر کیا ہے اور کسی صاحبِ کمال، عاشقِ مولائے ذوالجلال نے کہا ہے۔

من شوم عریان زتن ادا ز خیال تا خرام در نہایات الوصال

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں اس وصال کے وقت وساطت نہیں ہے اور حدیث شریف ”بی مَسَّحِ  
اللہ ساعتاً“ الخ۔ سے آپ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ اور یہ بات آپ سے پہلے بہت سے مشائخ  
نے کہی ہے بہ جز اس خاص الخاص وقت کے حضرت مجددؒ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام  
مدارجِ عالیہ میں واسطہ قرار دیتے ہیں۔ اور اس وصلِ عریان کے حصول کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کا طفیل قرار دیتے ہیں۔ مجیب صاحب کو نہ وصلِ عریان کی خبر نہ حقیقتِ حال کی۔ بس اکاذیب  
کے لکھنے اور بُرا کہنے سے انہیں کام ہے۔

پانچواں حصہ۔ شریعت کے سلسلے میں شیخ احمد کے ذہن میں ظواہر ہی تھے، یعنی روزے نماز کی  
پابندی یا پھر وجودیوں پر غیض و غضب، شیعہ اور ہندو وجودیوں دونوں پر۔ ۲۴۶  
تبصرہ۔ بے شک حضرت مجددؒ کے ذہن میں خیال میں دل میں اور زباں پر قرآن و حدیث ہی  
کا ذکر تھا یہی آپ کا سرمایہٴ دین تھا، اور اسی کے آپ عاشق و شیدا تھے۔

نَافِی جَوْنِ وَ خَرَقَ لَہِیْنِ وَ آبِ شَوْرِ	سُی پَاڑِہِ کَلَامِ وَ حَدِیثِ پَیْمَبَرِی
ہم نسخہ دوچارِ علمے کہ نافع است	در دِیس نہ لَفُو بوعلی وَ زَاثِرِ عُصْرِی
تاریکِ کُلیہ کہ پئے روشنی آن	بیہودہ ملتے نہ بُردِ شمعِ خَاوَرِی
بایک رو آشنا کہ نیرزد بہ نیم جو	در پیشِ چشمِ ہمتِ شاہِ مُلکِ سَنجَرِی
ایں آن سعاد تے است کہ خُشْتِ بُرْدِ بَرَاں	جو یائے تاجِ قیصر و ملکِ سِکَنْدَرِی

بے شک حضرت مجددؒ کے ذہن میں ظواہر تھے۔ نہ اُن کو ملحد اور آزاد علماء سے لگاؤ تھا اور نہ گمراہ  
باطنیوں سے، وہ ابوالفضل اور اس کے اتحاد کے سخت مخالف تھے۔ اور انھوں نے اس کے رد  
میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ جو بھی ابوالفضل کا ہنخیال ہے وہ گمراہ ہے۔ چاہے باطنی کہلائے چاہے  
بتوانی، چاہے اپنے کو وجودی کہے چاہے نور بخشی۔ اِن ہِیَ الْاَسْمَاءُ مَسْمُیْنَہُمَا اَلْنَمُّ وَ اَبَاؤُکُمْ مَّا اَنْزَلَ  
اللہُ بِہِمَا مِنْ سُلْطَانٍ اِنْ یَلْبَعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَخْذُلُی الْاَلْفُسُ وَ لَقَدْ جَاءَہُمْ مِنْ رَبِّہِمَا الْهُدٰی“



(ترجمہ) یہ سب نام ہیں جو رکھ لئے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے۔ اللہ نے نہیں اتاری اس کی کوئی سند، نری اُٹکل پر چلتے ہیں اور جو جیون کے چاؤ ہیں اور پہنچی ان کو ان کے رب سے راہ کی سوجھ۔  
**جہانگیر کا بیان** | مولانا ذکار اللہ نے اقبال نامہ سے نور بخشہ کے متعلق جہانگیر کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

”جب یہ نوشتہ (علماء کا فتویٰ) میرے پاس پہنچا تو مردم کشمیر مذہب میں امتداد کی طرف میل رکھتے تھے، طوعاً و کرہاً مذہب حق میں ان کو لایا، بہت آدمیوں کو قتل کیا۔ ایک جماعت نے تصوف میں پناہ لی اور اپنا نام صوفی رکھا لیکن نہ وہ صوفی صافی ہیں نہ زندیقی، چند ملحدی مذہب رکھتے ہیں۔ چند آدمیوں کو گمراہ کرتے ہیں، حرام و حلال کی مطلق خبر نہیں رکھتے، شب بیداری و کم خوابی کو تقویٰ و طہارت جانتے ہیں جو کچھ ہاتھ لگے وہ کھا جاتے ہیں اور لے لیتے ہیں اور شرہ و خمر بہت رکھتے ہیں اور ہمیشہ خوابوں کی تعبیر دیتے ہیں اور اپنی کرامات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ اس سال میں یہ ہوگا وہ ہوگا، معنیات آئندہ و گزشتہ کے اخبار میں مشغول رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں اور اس رسوائی سے چلے بیٹھے ہیں، اہل علوم کے علم کو نہایت مذموم و مکروہ جانتے ہیں اور بے شریعت راہ طریقت پر چلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل طریقت کو شریعت سے کچھ کام نہیں، غرض اس طرح کے ملاحدہ و زندقہ اور جگہ دیکھنے میں نہیں آتے، عیاذاً باللہ معاذ اللہ، حق سبحانہ تعالیٰ کل اہل اسلام کو اس نوع کی آفات و بلیات سے اپنی عصمت میں مصون و محفوظ رکھے۔ یہ حق محمدؐ و آلہٗ“

محیب صاحب جن باطنیوں اور وجودیوں پر شفقت کر رہے ہیں ان کے متعلق جہانگیر یہ سب کچھ لکھ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ تصوف میں پناہ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل طریقت کو شریعت سے کچھ کام نہیں۔

محیب صاحب لکھ رہے ہیں ”روز سے نماز کی پابندی“ بے شک، اسلام کی شان نماز ہے، مسلم کی پہچان نماز ہے، مومن کی جان نماز ہے، نور ایمان نماز ہے، جس وقت حضرت مجدد نماز پڑھا کرتے تھے۔ دیکھنے والے متحیر رہ جاتے تھے۔ ان کے لب پر سبحان اللہ اور دل میں یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی طرح نماز پڑھ رہے ہیں۔ بے شک بے دین و کفر اور منافق نماز سے بہت گھبراتے ہیں۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ منافقوں پر صبح کی اور عشاء کی نماز سے بڑھکر بوجھل کوئی شے نہیں اور اگر ان کو اس چیز کا پتہ چل جائے جو ان میں ہے تو وہ ضرور ان دو نمازوں کے لئے آئیں گے اگرچہ ان کو گھٹنوں کے بل آنا پڑے



اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (وَالْحَاكِمَةُ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ وَالْهَمَّ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ) — (ترجمہ) اور البتہ نماز بھاری ہے مگر انہیں پر جن کے دل پگھلے ہیں جن کو خیال ہے کہ ان کو ملنا ہے اپنے رب سے اور ان کو اسی طرف اُلٹے جانا۔

شیعوں کا باطنی فرقہ اب اِسْمَاعِیلیہ کے نام سے مشہور ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اشنا عشریہ میں ان کا حال لکھا ہے، جو بیان جہانگیر نے نور بخشہ کے متعلق لکھا ہے وہ بہت حد تک اس فرقہ پر صادق آتا ہے۔ اور ہندو وجودیوں کے متعلق سید صباح الدین عبدالرحمن نے مارچ ۱۹۴۶ء کے معارف میں لکھا ہے۔

”ویدانت اور بھگتی تحریک کے محرکوں کے یہاں وحدت وجود کا تخیل ضرور پایا جاتا ہے اور کسی کو انکار نہیں کہ ان کے فلسفہ میں بڑی دل آویزی ہے لیکن اسلامی تصوف اور بھگتی تحریک کے وعدہ الوجود میں وہی فرق ہے جو دو مذہبوں میں ہوتا ہے۔“

بے شک حضرت مجددؒ کو ان گراہیوں سے دلی نفرت تھی اور تمام عمران کی یہی کوشش رہی کہ مسلمانوں کو اس ورطہ ہلاکت سے بچائیں۔

چھٹا حصہ۔ دربار اور درباریوں کی جانب شیخ کا وہی رویہ تھا جو راسخ العقیدہ لوگوں کا ہونا چاہئے ان کا خیال تھا کہ ریاست کی طاقت شریعت کے نفاذ کے لئے ضروری ہے اور اس کے لئے وہ کوشاں رہے۔ غالباً ان کی اپنی ذاتی تو کوئی آرزو مندی اس کے سوا کبھی رہی نہیں کہ ان کا اعتراض کیا جائے۔ لیکن ان کے خطوط میں جو امرائے نام ہیں روح کی وہ عظمت کبھی بھی نظر نہیں آتی جو آزاد علماء کا امتیاز سمجھی جاتی تھی، بلاشبہ یہ ضرور تھا کہ القاب و آداب کے کچھ رسمیات ضرور برتے جاتے تھے اور صحیح وقت پر اور صحیح امور پر امر کی تعریف و توصیف بھی ضرور تھی لیکن بسا اوقات ان کی تعریف کے ڈانڈے خوشامد سے جاملتے ہیں اور یہیں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ شریعت کے لئے وہ جو کوشش کرتے تھے وہ دنیوی دلچسپی کے درجے پر اتر آتی تھی“ ص ۲۳۷

تبصرہ۔ لکھا ہے ”کہ ریاست کی طاقت شریعت کے نفاذ کے لئے ضروری ہے۔“

چوں کہ مجیب صاحب کو علم نہیں ہے کہ شریعت کیا چیز ہے بنا بریں ”ان کا خیال تھا“ لکھ کر یہ بات لکھ دی، اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ شریعت خدائی قانون کا نام ہے جس کا نفاذ کرنا مسلم حاکم پر لازم ہے تو یہ بات نہ لکھتے۔ جو بھی حکومت ہوتی ہے اس کے قوانین ہوا کرتے ہیں، وہ حکومت ان قوانین پر خود بھی عمل کرتی ہے اور رعایا سے بھی کراتی ہے۔ حضرت مجددؒ اپنے وقت کی مسلم حکومت سے یہی چاہتے تھے کہ وہ شریعت پر عمل کرے اور خدائی قانون کا احترام کرے۔

لکھا ہے۔ ”ان کی اپنی ذاتی تو کوئی آرزو مندی اس کے سوا کبھی رہی نہیں۔“



مجیب صاحب یہ بات یہاں لکھ رہے ہیں اور ”دوسرے حصہ“ میں لکھ آئے ہیں، ”قیاس بے جا نہ ہوگا کہ اس رُف ”ایک عالم“ سے ان کا اشارہ اپنی طرف رہا ہوگا“ مجیب صاحب اپنی دونوں باتوں میں تضاد ملاحظہ کریں۔ جناب من، بے اساس باتوں میں ایسا ہی تضاد ہوا کرتا ہے اے بساحرت کہ از غفلت شدہ۔

لکھا ہے۔ ”ان کا اعتراف کیا جائے“

جناب من، کس چیز کا اعتراف کیا جائے۔ علم کا، فضل کا، راسخ العقیدگی کا، اخلاص کا، عشق نبوی کا، خدمت اسلام کا، اَحیائے سنت کا، اِمائتِ بدعت کا، اِستِصالِ اِتحادِ اکبری کا، شوزِ باطنی کا، ولایت کا، یا ان معارف و اسرار کا جن کو آپ نے بیان کیا ہے۔

مقامِ خواجہ برتر از گمان است  
چہ گوئیم از کمالِ آتش کہ چون است  
نہ سنجَد ہر کہ داند ارتقایش  
دشِ نجرے است ز اسرارِ الہی  
ز نورش شد سوادِ ہند روشن  
مستثنیٰ کا ایک شعر ہے جس کو میں آپ کے حسبِ حال پاتا ہوں۔

مَصَّتِ الدُّهُورُ وَمَا آتَيْنِ بِمِثْلِهِ  
وَلَقَدْ آتَىٰ فَجَزَنَ عَنْ نُظْرَائِهِ  
یعنی صحنِ چمن کو اپنی بہساروں پہ ناز تھا وہ آگئے تو ساری بہساروں پہ چھا گئے  
لکھا ہے۔ ”روح کی وہ عظمت کبھی بھی نظر نہیں آتی جو آزاد علماء کا امتیاز سمجھی جاتی ہے“  
جناب من۔ روح کی وہ عظمت آپ کو اولیائے برحق اور علماءِ راسخین کے کلام میں ہرگز نظر نہیں آسکتی، اس دولت سے رضوی اور خود آپ مالا مال ہو رہے ہیں۔ اس عظمت کا بیان شیخ عبدالحق ان الفاظ سے کر رہے ہیں۔

”فیضی اگرچہ در فصاحت و بلاغت و متانت و رصانت ممتاز روزگار بود لیکن حیف کہ بہ جہت وقوع و مہبوط در باویہ کفر و ضلالت رقم انگار و ادبار برنا صیہ احوال خود کشیدہ زبانِ اہل دین و ملت جناب نبوت را از بردن نام وے و نام جماعتِ شوم وے پاک است“ لے

(ترجمہ) فیضی اگرچہ فصاحت و بلاغت، زبان دانی اور انشا پر دازی میں یکتائے روزگار تھا لیکن وائے بدبختی کہ اس نے اپنے کو کفر و ضلالت کے گڑھے میں ڈال کر اپنی پیشانی پر رسوائی کا ایسا داغ لگایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُفتیوں کے لئے اس کا اور اس کی منہوس جماعت کا



نام لینا بھی درست نہیں۔“

حضرت مجدد کے مکاتیب میں روح کی عظمت اور نور و عرفان ان اشخاص کو نظر آتا ہے جو شریعت کے ظواہر پر عمل کرتے ہیں اور روزے نماز کے پابند ہیں۔ مجیب صاحب نے اپنی لکھی ہوئی بیان کردی اب وہ ایک ولی پروردگار حضرت خواجہ محمد ہاشم کے کلام کو بھی سن لیں جو انھوں نے حضرت مجدد کے مکتوبات کے بارے میں کہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

زہر یک نقطہ اشش چوں نافہ تر شمیم وصل جانان می زند سر

ولے آن کر برودت در ز کام است چه داند نافہ اشش گردد مشام است

لکھا ہے۔ ”انقاب و آداب کے کچھ رسمیات ضرور برتے جاتے تھے۔“

اس بنا پر کہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”اَنْزَلُوْا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ“ لوگوں کو ان کے مراتب پر رکھو۔ ان حضرات کی اپنی کوئی خواہش نہیں رہتی تھی، اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات پر عمل کرنے کو سعادت و جہاں سمجھتے تھے۔

اِنْ قَالَ بِيْ مُّثْمَنٌ سَمِعًا وَّ طَاعَةً وَ قُلْتُ لِدَاعِي الْمَوْتِ اَهْلًا وَّ مَرْحَبًا

(ترجمہ) اگر وہ مجھ سے مرنے کو کہے تو میں فوراً انتحالی امر کرتا ہوا موت کے داعی کو خوش آمدید

کہتا ہوا اپنی جان پیش کر دوں۔

لکھا ہے۔ ان کی تعریف کے ڈانڈے خوشامد سے جاملتے ہیں۔

حضرت مجدد نے نواب والا جاہ مرتضیٰ خان سید والا سب شیخ فرید بخاری کو ان کی دیانت، صلاح، تقویٰ، بزرگی، سیادت، نجابت اور سعادت کی بنا پر محبت اور احترام بھرے مکاتیب ارسال کئے ہیں۔ مجیب صاحب کی نظر میں یہ خوشامد ہے۔ اگر یہی صورت حضرت مجدد ابو الفضل و فیضی جیسے ملحدین کے ساتھ اختیار فرماتے تو مجیب صاحب کو آپ کے مکاتیب میں ساری خوبیاں نظر آجائیں، کیا روح کی عظمت، کیا اخلاق کی بلندی اور کیا تحریر کی قوت اور جاذبیت جس شخص کو اپنے دین و مذہب کی خبر نہ ہو، حقوق الہیہ اور حقوق نبویہ سے واقف نہ ہو، وہ ان باتوں کے سوا اور کیا کہے گا۔

زباں پر وہ آتا ہے جو من میں ہے رسیگا وہی جو کہ برتن میں ہے

سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ نے دو یتیم بچوں کی دیوار کا واقعہ بیان کیا ہے کہ صاحبِ علم لدنی نے

ان دیوار کی اصلاح فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے سبب دریافت کیا، انھوں نے کہا

مَا اَلْبَدَا رَفَعْنَا لِفُلَانٍ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوهُمَا صَالِحًا

اِذْ رَّبُّكَ اَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيُخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِنْ رَّبِّكَ وَ مَا كُنْتَ عَنْ اَمْرِنَا



(ترجمہ) اور وہ جو دیوار تھی سود و یتیم لڑکوں کی تھی، رہتے اس شہر میں، اور اس کے نیچے مال گڑا تھا ان کا اور ان کا باپ نیک، پھر چاہا تیرے رب نے کہ وہ پہنچیں اپنے زور کو اور نکالیں اپنا مال گڑا، مہربانی سے تیرے رب کی اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے حکم سے۔

اس آیت میں ہے کہ ”ان کا باپ نیک“ باپ کے بیان میں اختلاف روایات ہے کہ حقیقی ہے یا ساتواں ہے یا دسواں۔ لہذا سب کا احتمال ہو سکتا ہے۔ جائے فکر یہ ہے کہ ایک مرد صالح کے دسویں درجے کی اولاد اس مرد صالح کی وجہ سے قابل رعایت ہے تو پھر سردارِ دو جہان محبوبِ رحمان صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اولاد کا کیا کہنا، اسی وجہ سے اللہ کے نیک بندے صحیح النسب سادات کا ادب کرتے ہیں اور دین سے بیخبر اس کو خوشامد اور چالپوسی قرار دیتے ہیں۔

مجیب صاحب اگر مکتوبات کا مطالعہ کرتے تو یہ باطل خیال نہ لکھتے میں حضرت مجدد کے دو مکاتیب کا کچھ حصہ لکھتا ہوں یہ دونوں مکاتیب خان خانان مرزا عبدالرحیم خان فرزند بیرم خان کے نام ہیں (دفتر اول کے مکتوب میں لکھا ہے)

”مخدوم! من آنچه شرط بلاغ است باتومی گویم تو خواه از سختم پند گیر خواه ملال

اصحابِ دولت کے لئے تواضع اور اہل فقر کے لئے استغنا مناسب ہے، معا لوجہ بالصد ہو کر تا ہے۔ آپ کے تین مکاتیب سے استغنا کے سوا کچھ مفہوم نہ ہوا۔ چاہے آپ کا مقصد تواضع ہی رہا ہو۔ آخری مکتوب میں آپ نے لکھا ہے ”حمد و صلاۃ کے بعد بیان کیا جاتا ہے“ آپ خود خیال کریں کہ یہ عبارت کس کو لکھنی چاہئے، البتہ آپ نے فقر کی بہت خدمت کی ہے، اس کے ہوتے ہوئے آدابِ خدمت کی رعایت بھی ضروری ہے۔ تاکہ فائدے کی صورت پیدا ہو، و بذا و نہا خراط القناد (اس کے بغیر نہایت دشوار) ہاں، متقی افراد تکلفات سے برطرف ہیں، لیکن تکبر کرنے والوں کے ساتھ تکبر کا کرنا مثل صدقہ دینے کے ہے، کسی نے خواجہ نقشبند سے کہا آپ تکبر کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا۔ میرا تکبر اللہ کی کبریائی کا پر تو ہے۔ فقر کی جماعت کو ذلیل و خوار نہ سمجھیں۔ ارشاد نبوی ہے۔ ”رَبِّ اشْفَقْتُ مَذْفُوعِ بِالْأَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا بَرَّةَ“ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بکھرے ہوئے بال والا، دروازوں پر سے دھتکارا ہوا اگر اللہ کی قسم کھا کر کہدے اللہ اس کی قسم پوری کر دے یعنی جو اس نے کہا ہے وہی ہو جائے۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است  
آپ کے مخلصوں اور عزیز دوستوں کو چاہیے کہ حقیقتِ حال کو پیش نظر رکھ کر آپ سے عرض کیا کریں اور آپ کو جو مشورہ دیں اس میں آپ کی بھلائی ملحوظ رکھیں نہ اپنی مصلحت کیونکہ یہ خیانت

لہ من دوزن ذلک خراط القناد علی مثل ہے نہیں کو شمش میں پکڑ کر کھینکے۔ کہ پتے نچ جائیں۔ خراط کہتے ہیں اور قناد بھول (کیکر) کو کہتے ہیں۔ بول، کی نہیں کو شمش میں پکڑ کر کھینکنا برا کٹھن مرط ہے یعنی یہ دشوار ہے۔



ہے..... اگرچہ اس قسم کی باتیں تلخ معلوم ہوتی ہیں، لیکن آپ کو خوش آمد کہنے والے بہت ہیں، اسی پر اکتفا کریں، فقرا سے دوستی اسی واسطے ہوتی ہے کہ چھپے ہوئے عیوب پر اطلاع ہو۔ آپ یقین کریں آپ کی بھلائی کے لئے یہ باتیں لکھی ہیں نہ از وجہ آزار۔“

اس مکتوب کے بعد جو مکتوب نمبر ۶۹ تحریر کیا ہے اس میں لکھتے ہیں۔

”اخوی ملا محمد صدیق کے ہاتھ آپ کا ایتھات نامہ پہنچا آپ نے کرم فرمایا اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو اجر دے چوں کہ آپ نے فقرا کے آداب کی رعایت کی ہے اور بات تواضع سے فرمائی ہے تو اس ارشاد کے بموجب مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (جس نے اللہ کے واسطے تواضع کی اللہ اس کو سر بلند کرتا ہے) آپ کی تواضع دینی و دنیوی رفعت کا سبب بنے۔“

خان خانان کا مرتبہ، ان کی عزت، ختمیت، اور داد و دہش محتاج بیان نہیں چوں کہ وہ از روئے نسب سید نہ تھے حضرت مجددؒ نے فوراً ان کی انائیٹ پر ضرب لگائی، ان کی قسمت میں دنیوی اور اخروی سعادت تھی سنبھل گئے اور آخر دم تک حضرت مجددؒ سے ان کی محبت و ارتباط میں ضافہ ہوتا گیا۔ یہ ہے حقیقی معنی میں روح کی عظمت، آزاد علماء کی تحریر میں مجیب صاحب کو جو عظمت روحی نظر آئی ہے وہ سراہی ہے، دنیوی اغراض و مقاصد اور چا پلوسی کا مرقع ہے۔ جو فرق اسلام اور الحاد میں ہے وہی فرق حضرت مجددؒ کی تحریرات اور آزاد علماء کی تحریرات میں ہے۔

مجیب صاحب اس واقعہ پر غور کریں، حضرت مجددؒ کی جوانی کا آغاز تھا اور اس وقت ابوالفضل اکبر کا سب کچھ تھا، اس وقت حضرت مجددؒ کی اس سے اگرے میں ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک دن اس نے حجۃ الاسلام حضرت امام عزائی کے متعلق بیجا بات کہدی۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ اگر ہم جیسے اہل علم سے شوق ملاقات رکھتے ہو تو اس طرز کی گفتگو سے اجتناب کرو، یہ فرما کر آپ وہاں سے اٹھ آئے اور آپ نے ابوالفضل کی گراہی کے رد میں رسالہ ”اثبات نبوت“ عربی میں تحریر فرمایا۔ کیا مجیب صاحب اس کی مثال اس گروہ میں سے لاسکتے ہیں جن کی عظمت روح نے ان پر اثر کیا ہے۔

ساتواں حصہ۔ شیخ فرید بخاری مرتضیٰ خان کے تذکرے کے ذیل میں جو اکبر اور جہانگیر کے عہد کے ممتاز امرا میں سے تھے۔ (مترجم)

۱۔ شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات میں کئی ایک مکتوب شیخ فرید کے نام ہیں، شیخ فرید کے جوابات تو ہم تک نہیں پہنچے لیکن ان مکتوبات میں جو امور زیر بحث لائے گئے ہیں ان سے مشترک دلچسپیوں کا ضرور علم ہو جاتا ہے اور شیخ احمد کے اس یقین کا اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ فرید ان امور کے بارے میں کوئی نہ کوئی عمل اقدام بھی ضرور کریں گے۔ ص ۲۶۸



۲۔ ایک خط میں (جانبہ ۴۲) شیخ احمد نے وحدۃ الشہود اور وحدۃ الوجود کا فرق بتایا ہے، یہ وہ بحث تھا جو کسی ایسے شخص ہی سے چھیڑا جاسکتا تھا جو وجودی صوفیہ کو گمراہ اور منکر اسلام سمجھتا ہو۔ زیادہ غلط نہ ہوگا اگر ہم یہ سمجھیں کہ خط پڑھنے کے بعد شیخ فرید دیر تک سر کو کھجاتے رہے ہوں گے اور پھر ادب سے ایک طرف ڈال دیا ہوگا۔ ص ۲۶۹

۳۔ اگلے خط میں (جانبہ ۴۳) شیخ احمد نے رسول اللہ کی عظمت پر گفتگو کی ہے جس میں یہ بھی کہا ہے کہ رسول اللہ کو ماننے والے کس قدر اعلیٰ اخلاقی مرتبہ کے مالک ہیں اور نہ مانتے والے کیسے پست لوگ ہیں اور یہ کہ رسول اللہ کی تقلید کی کیا اہمیت اور ضرورت ہے۔

۴۔ پھر ایک خط میں (جانبہ ۴۵) جو خواجہ باقی باللہ کی وفات کے فوراً بعد لکھا گیا ہے انھوں نے شیخ فرید کا اس امر کے لئے شکریہ ادا کیا ہے کہ انھوں نے خانقاہ خواجہ میں رہنے والوں کے لئے رہنے سہنے کا اچھا انتظام کر دیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ فرید اس تحریک اصلاح کو کس قسم کی مدد دے رہے تھے۔

۵۔ اگلا خط (نمبر ۴۶) ایک وعظ ہے۔

۶۔ پھر ایک اور خط ہے (نمبر ۴۷) جس سے پتا چلتا ہے کہ اکبر کا انتقال ہو چکا ہے۔ جہانگیر تخت نشین ہو چکا ہے۔ اور اب شیخ احمد خیال کرتے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کو انصاف کی رو سے جو مقام ملنا چاہئے اسے واپس لانے کا وقت آگیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

تم جانتے ہو کہ پچھلے دور میں اسلام پر کیا کچھ گزری ہے۔ اسلام کی کمزوری پہلے زمانے میں جب کہ اسلام نیا آیا تھا اس سے زیادہ نہ تھی کہ مسلمان اپنے دین پر اور کفار اپنے دین پر قائم رہیں لیکن پچھلے دور میں کفار کھلم کھلا اسلامی علاقوں میں کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلام کے احکام کے ظاہر کرنے سے عاجز تھے اگر اظہار کرتے تھے تو قتل کر دیئے جاتے تھے۔

اب جب کہ مانع شوکت اسلام بیچ میں سے ہٹ گیا ہے اور بادشاہ اسلام کے تخت نشین ہونے کی خبر مسلمانوں نے سن لی ہے۔ انھوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ قول و عمل سے بادشاہ کی مدد کریں گے۔

دنیا دار علماء کی صحبت زہر کی طرح ہے اور ان کا فساد اوروں تک پہنچتا ہے پچھلے دور میں مسلمانوں پر جو مصیبت آئی وہ ان کی وجہ سے آئی۔ بادشاہوں کو انھوں نے بہکایا۔ گمراہی کے بہتر فرقوں کے مقتدا یہی ہیں۔

اس لئے یہ فقیہان کا ساتھ دینے کی آرزو رکھتا ہے جو اسلام کو طاقتور بنانے کی فکر میں ہیں اور مسلمانوں کو اس بری حالت سے نکالنا چاہتے ہیں۔



اس خط کا خاتمہ ایک دوسری ہی طرف کو مڑ گیا ہے۔ لکھا ہے۔  
حامل رقعہ لہذا مولانا حامد کو سرکار سے وظیفہ ملا کرتا ہے۔ کچھلے سال آپ سے لے آیا تھا اس  
سال بھی امیدوار ہے۔ خدا آپ کو دینی و دنیوی دولت سے مالا مال کرتا رہے۔  
مکے ایک اور خط میں (جل نمبر ۵) پھر وہی نصیرت و خوشامد کی آمیزش ہے جس میں شیخ فرید  
سے کہا گیا ہے کہ صرف اہل بیت ہی مسلمانوں کو غلط روی کے چکر سے بچا سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ  
شیخ فرید بخارا کے سید تھے۔

مقبصرہ۔ (۱) لکھا ہے ”کئی ایک مکتوب شیخ فرید کے نام ہیں۔“  
شیخ فرید کے نام حضرت مجددؒ نے بانی مکاتیب ارسال کئے ہیں۔ اور یہ سب دفتر اول میں  
ہیں اور ان کے نمبر درج ذیل ہیں۔

۲۳ سے ۵۴ تک بارہ خطوط مسلسل، پھر ۶۳، ۶۴، ۱۰۳، ۱۵۲، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۹۳، ۲۱۳، ۲۳۳، ۲۰۹

مولانا نسیم احمد امروہوی نے ”تجلیات ربانی“ میں لکھا ہے۔  
حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد مکتوبات آپ کے نام ہیں اور سب اہم ہیں

(ص ۵)

(۲) لکھا ہے ”یہ وہ بحث تھا جو کسی ایسے شخص“ الخ۔  
میری تعلیم و تربیت ان معابد علمیہ میں ہوئی ہے جن کو نئی تہذیب کے دلدادگان و قیائوس  
کہتے ہیں چاہے ان کو دُقیانوسی کہا جائے چاہے تہذیب قدیم والا اور مذہبی۔ میں یہ دیکھتا ہوں  
کہ جو اصول و قواعد انھوں نے مباحثہ و مناظرہ اور رد و قدح کے بیان کئے ہیں اگر ان پر کوئی عامل  
رہے تو تہذیب و شرافت کا دامن اس سے کبھی نہ چھٹے۔ محیب صاحب لکھ رہے ہیں۔ ”یہ وہ بحث  
تھا جو کسی ایسے آدمی سے الخ“ کوئی ان سے پوچھے۔ آپ کو کیا خبر کہ شیخ فرید ایسے تھے یا دیسے اور وہ  
اس بحث کے لائق تھے یا نہیں۔ حضرت مجددؒ میں اور ان میں جو روابط تھے، ان کا علم محیب صاحب  
کو نہیں ان کو اس کی خبر نہیں کہ حضرت مجددؒ بہ منزلہ استاد کے تھے اور جناب شیخ فرید بہ منزلہ شاگرد کے  
شاگرد کی ذہنیت کا اندازہ استاد ہی کیا کرتا ہے۔ جو ناواقف اس معاملہ میں بولتا ہے اس کو اہل علم  
کی اصطلاح میں ”فُضُولی“ کہا جاتا ہے اور اس کے کلام کی کوئی وقعت نہیں ہوا کرتی، محیب صاحب  
اپنے کو کیوں فُضُولیوں کے زمرہ میں شامل کر رہے ہیں۔

اس مکتوب گرامی میں حضرت مجددؒ نے ایسے اسرار و حقائق بیان کئے ہیں جن کا سمجھنا محیب صاحب  
کے بس سے باہر ہے۔ اسی واسطے وہ لکھ رہے ہیں۔

”ایسے شخص ہی سے چھیڑا جاسکتا تھا جو وجودی صوفیہ کو گمراہ اور منکر اسلام سمجھتا ہو“



میں اس مبارک مکتوب کا کچھ خلاصہ لکھتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

”توحید شہودی، ایک کو دیکھنا ہے اور توحید وجودی، ایک کو موجود جاننا اور اس کے غیر کو نابود سمجھنا ہے، توحید وجودی علم الیقین کی قسم میں سے ہے اور توحید شہودی عین الیقین کی قسم سے۔ توحید شہودی راہِ ملوک کی ضروریات میں سے ہے۔ کیوں کہ فنا اس کے بغیر ثابت نہیں ہوتی اور مرتبہ عین الیقین اس کے سوا میسر نہیں۔ اور علم الیقین بغیر اس معرفت کے حاصل ہے کیونکہ علم الیقین اس کے ماسوا کی نفی کو مستلزم نہیں۔ آفتاب کا دیکھنا اس کو مستلزم نہیں کہ ستاروں کو نیست و نابود سمجھا جائے۔ آفتاب کی روشنی کی تیزی نے ستاروں کو آنکھوں سے اوجھل کر رکھا ہے۔ اگر دیکھنے والے کی آنکھ اسی آفتاب کی روشنی سے روشن ہو جائے تو وہ آفتاب کے ہوتے ہوئے ستاروں کو دیکھے گا۔ منصور حلاج نے انا الحق کہا ہے اور بایزید بسطامی نے سُبْحَانِی مَا اَعْظَمُ شَانِی۔ اور یہ اقوال بظاہر شریعت کے مخالف نظر آتے ہیں اور اسی قسم کے اقوال اور مشائخ سے بھی منقول ہیں۔ ایسے اقوال کے متعلق مناسب یہ ہے کہ ان کو توحید شہودی پر حمل کیا جائے نہ توحید وجودی پر جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں۔ توحید شہودی پر حمل کرنے سے، شریعت کی مخالفت جاتی رہتی ہے۔“

آپ نے اسرار و حقائق بیان فرمانے کے بعد لکھا ہے۔ ”ان پوشیدہ علوم کے بیان کرنے کی یہ وجہ ہوئی ہے کہ اس زمانے میں کچھ لوگوں نے تقلید کی بنا پر اور کچھ نے صرف از روئے علم اور بعض نے اجمالی طور پر علم و ذوق کے ملنے سے اور بعض نے الحاد و زندقہ کی بنا پر توحید وجودی کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ لوگ شریعت کے احکام سے اپنے کو آزاد کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ امور شرعیہ کے بجالانے کا اقرار بھی کرتے ہیں تو اس کو طفیلی جانتے ہیں اور طریقت و حقیقت کو اصل۔ اللہ ایسے بُرے عقائد سے بچائے۔ بہادر اور ہمت والے وہ افراد ہیں جو شریعت کو اپنی جگہ اور اپنے مقام پر رکھتے ہوئے حقیقت کو طلب کرتے ہیں۔ الخ۔“

اب مجیب صاحب اپنی فضولیت کو ملاحظہ کریں اور دیکھیں کہ حضرت مجددؒ مشفق استاد کی طرح شیخ فرید کو حقائق بتا رہے ہیں اور اہل حق کی توحید وجودی کا بیان کر رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں کہ لمجدوں نے توحید کے دامن میں پناہ لی ہے۔ ان سے بچو یہی بات جہانگیر نے بھی نوربخشی ملحدوں کے بارے میں لکھی ہے چوں کہ ابوالفضل سرگروہ آزاد علماء تھا اور گمراہی کے رستے پر گامزن تھا اس لئے مجیب صاحب اسی کو حق سمجھے بیٹھے ہیں اور حضرت مجددؒ پر الزامات عائد کر رہے ہیں۔ مجیب صاحب نے لکھا ہے۔ ”شیخ فرید دیر تک سرکھجائے رہے ہوں گے۔“

ٹھیک ہے۔ چوں کہ دیدِ حقیقت رہِ افسانہ زدند۔ شیخ فرید باکمال تھے اور اصحاب کمال کی قدر کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ حضرت مجددؒ کے پاس حقائق و معارف کا وہ خزانہ ہے



جس کی خبر اوروں کو نہیں۔ لہذا جو بھی معرفت حاصل کر سکتے ہو کر لو۔ وہ تو آپ کے گرامی نامہ کے انتظار میں رہتے تھے۔ اور جب بھی کوئی گرامی نامہ ان کو ملتا تھا سر آنکھوں پر رکھتے تھے۔ جناب مجیب اپنے احوال پر شیخ فرید کو تصور کر رہے ہیں، لیکن اِنَّ الثَّرَى مِنَ الثَّرِيَّا کہاں مٹی کہاں ثریا (چھ تاروں کا جگمگٹ) اللہ سب کو سمجھ دے۔

حضرت مجددؒ اُس توحید کے مخالف تھے جس نے اکبر کو معبود بنایا۔ اُس توحید کے مخالف تھے جس نے پیروں کو مسجود بنایا، اُس توحید کے مخالف تھے جس نے ابا حیات تک پہنچایا۔ اُس توحید کے مخالف تھے جس نے دین سے آزاد کر دیا۔ اللہ ایسی گمراہیوں سے بچائے۔ (۳) لکھا ہے رسول اللہ کی عظمت پر گفتگو کی ہے۔

کاش حضرت مجددؒ کی اس تحریر کا مجیب صاحب پر اثر ہوا ہوتا۔ ع اے بسا آرزو کر خاک شدہ۔

(۴) لکھا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس قسم کی مدد دے رہے تھے۔ جناب من۔ مجھے یاد ہے جب آپ کے جامعہ کی اساس رکھی گئی تھی کہ مسلمانوں نے اور خاص کر حکیم حافظ محمد اجل خان رحمہ اللہ نے اس کو کس قسم کی مدد دی تھی۔ کیا قوم کی اصلاح کے لئے جو کام بڑے پیمانے پر کئے جاتے ہیں، اہل دنیا اور اصحاب ثروت اس میں حصہ نہیں لیتے ہیں۔

مباش در پئے آزار و ہرچہ خواہی کن کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست (۵) لکھا ہے۔ اگلا خط نمبر ۴۶ ایک وعظ ہے۔

جناب من یہ مکتوب مبارک وعظ نہیں ہے بلکہ النجاد اور بیدنی کے اثرات کو مٹانے کے لئے اکسیر اعظم ہے۔ آپ نے اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، شریعت کے احکام کی حقانیت کو واضح دلائل سے بیان فرمایا ہے۔ آپ نے لکھا ہے۔ اُن سب کا ثبوت بدیہی ہے، کسی فکر اور دلیل کے محتاج نہیں بہ شرطیکہ قوت مدرکہ آفتوں و باطنی امراض سے پاک ہو اگر کوئی صفرا میں مبتلا ہے تو اس کے لئے قند و نبات میں تلخی ہے۔ اور اگر کوئی اخول ہے یعنی بھینگا تو وہ ایک شے کو دو دیکھے گا۔ سیر و سلوک اور تزکیہ نفس و تصفیہ قلب سے مقصود یہ ہے کہ باطنی آفتیں اور دل کی بیماریاں دور ہو جائیں۔ اور ایمان کی حقیقت ظاہر ہو اللہ ہم سب کو ایسے کامل ایمان سے مشرف فرمائے۔

(۶) لکھا ہے۔ "اس خط کا خاتمہ ایک دوسری ہی طرف کو مڑ گیا ہے" الخ مجیب صاحب نے چھٹے حصہ میں لکھا ہے۔



”ان کی تعریف کے ڈانڈے خوشامد سے جا ملتے ہیں اور ہمیں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ شریعت کے لئے وہ جو کچھ کوشش کرتے تھے وہ دنیوی دلچسپی کے درجے پر اتر آتی تھی“

اس کے بعد مجیب صاحب نے حضرت مجددؒ کے پانچ سو چھتیس مکاتیب میں سے چھ مکاتیب پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان میں سے دو مکاتیب میں دنیوی ذکر ہے اور مجیب صاحب نے اس کا اظہار کیا ہے۔ اس طرح مجیب صاحب نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ کے مکاتیب کا تیسرا حصہ دنیوی دلچسپیوں کا حامل ہے لہذا اسلام کی زبوں حالی کا جو بیان آپ نے کیا ہے یا شریعت غرا کی تقویت کے لئے جو لکھا ہے دنیوی امور کی وجہ سے لکھا ہے۔ مجیب صاحب نے یہ جو کچھ لکھا ہے شیخ محمد اکرام صاحب کی ایک تحریر سے جو کہ رود کوثر میں ہے استفادہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں پروفیسر محمد فرمان نے پراز حقائق نفیس مقالہ لکھا ہے میں اس کے اقتباسات لکھتا ہوں، وہ تحریر فرماتے ہیں۔

”شیخ محمد اکرام صاحب نے رود کوثر کے صفحہ ۵۷ پر یہ بیان فرمایا ہے، کہ ان مکتوبات کا دقت نظر سے مطالعہ کرنے سے خیال ہوتا ہے کہ ان کے بعض خطوط کسی معمولی مقصد کے لئے لکھے گئے ہیں اور ان امرائے باقاعدہ خط و کتابت نہیں تھی“ اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ امرا کے نام خطوط نیاز مندانہ قسم کے ہوں گے اور جناب نے اپنے دوستوں یا عزیزوں کے لئے مراعات حاصل کرنے کے لئے بھی لکھے ہوں گے لیکن صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔

مکتوبات کی تعداد ۵۴۰ ہے (صحیح تعداد ۵۳۶ ہے) ان میں سے یہ مشکل گیارہ مکتوبات ایسے نکلتے ہیں جن میں آپ نے کسی حاجت مند کی حاجت روائی کی غرض سے کچھ لکھا ہے حالانکہ اس کے ساتھ ہی کسی اہم مسئلے اور نکتے کو بھی بیان کر دیا ہے۔

ممتاز امراء..... کے نام مکتوبات کی تعداد سوے اوپر ہی ہے، اپنے صاحبزادوں، مشائخ کرام، عالموں، قاضیوں اور دوسرے رفقا کے نام مکتوبات میں جن باتوں کا ذکر کرتے تھے اسی نوعیت کی باتیں اور شریعت و تصوف کے بارے میں ضروری نکات امرا کے نام جو مکتوبات ہیں ان میں بھی بہ کثرت موجود ہیں اور ان کی اہمیت کسی طرح دوسرے حضرات کے نام لکھے ہوئے مکتوبات سے کم نہیں ہے ہم نمونے کے طور پر صرف ایک مکتوب کو پیش کرتے ہیں“ لہ

اس کے بعد پروفیسر فرمان صاحب نے مکتوب ۶۸ کا خلاصہ تحریر کیا ہے۔ یہ مکتوب خان خانان مرزا عبدالرحیم خان کے نام ہے چونکہ میں اس کو چھٹے حصہ کے اخیر میں لکھ چکا ہوں۔ اس لئے بار دیگر یہاں لکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ پروفیسر صاحب نے مکتوب کا خلاصہ لکھ کر یہ مصرع لکھا ہے۔



قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ اور پھر حضرت خواجہ میر درد کا یہ شعر لکھا ہے۔  
 زہن سارا دھر کھولو مست چشمِ حقارت یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے  
 پروفیسر فرمان صاحب نے امرا کے نام کے مکاتیب کا شمار کیا ہے اور یہ بھی معلوم کیا ہے کہ  
 کوئے امیر کے نام کتنے مکتوبات ہیں۔ اور پھر ان مکاتیب کو شمار کیا ہے جن میں کچھ دنیوی ذکر بھی ہے اور  
 اس حقیقت پر پہنچے ہیں کہ وہ گیارہ ہیں اور اوسط دوکانی صدی ہے۔ اس اقلِ قلیل مقدار کی طرف شیخ  
 محمد اکرام صاحب نے "بعض" سے اشارہ کیا ہے اور پروفیسر مجیب صاحب نے یہ کوشش کی ہے  
 کہ اس نہایت قلیل مقدار کو تہائی کر کے دکھا دیں۔ ایسے خطوط کو شیخ محمد اکرام صاحب نے "کسی  
 معمولی مقصد" سے یاد کیا ہے اور مجیب صاحب لکھتے ہیں۔ "ان کی تعریف کے ڈانڈے خوشامد سے  
 جاتے ہیں اور یہیں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ شریعت کے لئے وہ جو کچھ کوشش کرتے تھے وہ دنیوی  
 دلچسپی کے درجے پر اتر آتی تھی" یہ ہے اعلیٰ مثال مجیب صاحب کی حق گوئی اور معیار تحقیق کی جس کو  
 تمام دنیا میں مستہر کرنے کے لئے لندن میں چھپوایا ہے۔

(۷) لکھا ہے۔ پھر وہی نصیحت و خوشامد کی آمیزش! الخ

میں پہلے اس مبارک مکتوب نمبر ۵ کا ترجمہ لکھتا ہوں تاکہ مجیب صاحب کے قول کی حقیقت  
 معلوم ہو۔ حضرت مجددؒ نے شیخ فرید بخاری کو لکھا ہے۔

"اللہ ہے دعا کی جاتی ہے کہ سلاۃ عظام (بڑوں کی اولاد) کے وجود شریف کے طفیل، شریعت  
 غرا کے ارکان اور ملت زہرا کے احکام قوت پا کر رائج ہوں۔ کام یہی ہے باقی بیچ۔

آج کے دن گمراہی کے اس بھنور میں عاجز مسلمانوں کی نظر اہل بیت حضرت خیر البشر صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی کشتی پر لگی ہوئی ہے جس کے متعلق ارشاد نبوی ہے۔ مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي كَمَثَلِ الْكَلْبِ  
 يُؤْمَرُ مَنْ رَكِبَهَا فَجَاوَزَ مِنْ تَحْتِهَا هَلَكٌ۔ میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح  
 ہے جو اس پر سوار ہوا بچ گیا اور جو رہ گیا ہلاک ہوا۔

آپ اپنی ہمت عالیہ کو پوری طرح اس کام پر لگا دیں اور یہ عظیم سعادت حاصل کر لیں اللہ کے  
 فضل و کرم سے آپ کو جاہ و جلال اور عظمت و شوکت سب کچھ حاصل ہے۔ اگر ذاتی شرافت کے  
 ساتھ یہ عزت بھی مل جائے تو سعادت کے چوگان (بٹے) سے سبقت کی گیند آپ ہی لے جائیں گے۔  
 شریعت حقہ کی ترویج و تقویت کی خاطر یہ حقیر اس قسم کی باتیں آپ کو لکھا کرتا ہے۔

رمضان مبارک کا چاند دہلی میں دیکھا گیا۔ حضرت والدہ ماجدہ (والدہ حضرت خواجہ باقی باللہ) کی  
 مرضی توقف میں معلوم ہوئی۔ بنا بریں تاختم قرآن مجید (تراویح میں) یہاں قیام رہے گا۔ باقی جو اللہ تعالیٰ  
 کو منظور ہو۔ آپ کو دونوں جہاں کی سعادت نصیب ہو۔"



ناظرین کرام اس مبارک مکتوب کو ملاحظہ کریں۔ نہ کوئی ذاتی خواہش نہ کسی کی سفارش۔ اگر دُھن ہے تو ترویج اسلام کی اور اگر بات ہے تو شریعتِ حقہ کی تقویت کی، کسی کو تحریر فرماتے ہیں۔ "آج وہ دن ہے کہ اس میں قلیل عمل کو پورے اِعتِنَا کے ساتھ قبول کیا جائے گا، اصحابِ کہف سے بہ جز ہجرت کے کوئی عمل ظاہر نہیں ہوا ہے، چوں کہ ان کا وہ عمل بروقت تھا، نہایت مقبول ہوا" اور کسی کو لکھ رہے ہیں۔ "اس میدان میں بُرّ مِیدَانِ آپ ہی کی ذات ہے" آپ صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ سب کچھ کر رہے تھے اور مجیب صاحب لکھ رہے ہیں۔ "پھر وہی خوشامد کی آمیزش" افسوس صد افسوس۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ جلّ شانہ سے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے، دین و مذہب سے تعلق نہ ہو گا وہ اس کے سوا اور کیا کہے گا۔ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ۔

حضرت مجددؒ نے سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد لکھا ہے کہ اہل بیت اطہار کی مثال کشتی نوح علیہ السلام کی سی ہے، جو اس میں بیٹھا بچا اور جو نہ بیٹھا ہلاک ہوا۔ یعنی جو بھی اہل بیت اطہار سے محبت کرے گا۔ اللہ اس کی مشکلوں کو آسان کرے گا۔ اور مجیب صاحب تمسخرانہ انداز میں لکھ رہے ہیں۔ "صرف اہل بیت ہی مسلمانوں کو غلط روی کے چکروں سے بچا سکتے ہیں" میں آیت شریفہ "وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا" کا بیان لکھ چکا ہوں۔ مجیب صاحب کو نہ قول حق جلّ و علا کا خیال ہے اور نہ ارشاد نبوی علیّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَاةٌ وَالنَّجِيَّةُ کا اَدَب۔ وہ اگر حضرت مجددؒ یا کسی دوسرے ولی پروردگار کے متعلق لغویات لکھ رہے تھے تو اس کا تعلق ولایت سے تھا لیکن یہاں وہ بارگاہِ نبوت تک جا پہنچے۔

اَدَبُ گاہے است زیرِ آسمان ز عرشِ نازِ کثر نفسِ گم کردہ می آید جُنید و بایزید اینجا  
آپ کا مبارک ذکر اور آپ کی محبت ایک مومن کے لئے سب کچھ ہے۔  
"ہُمْ صَنَدٌ دُرْدِ سِرِّہِم سِرِّہِ بِنِیَّاتِ"

حضرت مجددؒ نے اہل بیت اطہار کی کشتی نورانی کا سہارا لیا اور تمام عالم نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کامیابی عنایت کی جو کسی کے خیال میں بھی نہ آ سکتی تھی اور ابو فضل و فیضی اور شریف آملی کی گراہی جو اتحادِ اکبری کے نام سے مشہور ہے، ایسی نیست و نابود ہوئی کہ اس کا نام لیوا تک کوئی باقی نہ رہا۔ الْعِزَّةُ لِلَّهِ وَلِلسُّوْلَةِ لِصَالِحِ الْمُؤْمِنِیْنَ زور اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور نیک ایمان والوں کا"۔

یَا مَرْدَانَ خُدا بَاشْ کہ در کشتی نوح ہست خاکِ کہ بہ آبِ نہ خرد طوفان را  
لکھا ہے۔ "واضح رہے کہ شیخ فرید بخارا کے سید تھے"

حضرت شیخ فرید بخاری کا نسب نو واسطوں سے حضرت سید جلال الدین اعظم حینی بخاری



تک پہنچ کر ستائیس واسطوں سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہوتا ہے۔ جس زمانے میں حضرت خواجہ باقی باللہ کا قیام لاہور میں تھا آپ کے اخراجات کے متکفل شیخ فرید ہی تھے۔ آپ اپنے زمانے کے مایہ ناز افراد میں سے تھے پہلے جہانگیر نے آپ کو صاحبِ السیف والقلیم کا خطاب اور پھر مرقی خاں ملہ کا خطاب دیا۔ آپ اپنے ہاتھ سے فقرا کو روپیہ پیسہ دیا کرتے تھے۔ آپ کے در سے کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں گیا۔ یتیموں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ ان کی کفالت اور پرورش والدِ مہربان کی طرح کرتے۔ وہ آپ کی گود میں بیٹھ کر کھیلتے اور آپ خوش ہوتے۔ آپ کے دسترخوان پر پندرہ سو آدمی ہر روز کھانا کھاتے تھے۔

آپ کو شیخ فرید، شیخ فرید دہلوی، شیخ فرید بخاری کہتے ہیں۔ فرید آباد آپ نے بسایا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ جہانگیر نے کانگرے کا قلعہ پانچ محرم ۱۰۲۸ھ کو فتح کیا۔ حضرات القدس کے حضرت نہم میں دربار میں (۳۳ و ۳۴ میں) لکھا ہے کہ یہ ہم شیخ فرید کے سپرد کی گئی تھی، انھوں نے حضرت مجدد کو برائے دعا لکھا، آپ پر ظاہر ہوا کہ شیخ فرید سے یہ کام نہ ہوگا۔ آپ نے ان کو یہی بات تحریر فرمائی چند دن نہ گزرے تھے کہ شیخ فرید کے انتقال کی خبر پہنچی پھر یہ کام راجہ بکراجیت کے سپرد ہوا، وہ حضرت مجدد کے پاس آئے، آپ پر ظاہر ہوا کہ راجہ کامیاب ہوں گے چنانچہ آپ نے ان کو بشارت دی اور وہ کامیاب ہوئے۔

اس بیان سے خیال ہوتا ہے کہ حضرت سید فرید بخاری (مرقزی خان) کی وفات ۱۰۲۹ھ میں ہوئی ہوگی۔ رحمۃ اللہ ورضی عنہ۔

اکھواں حصہ۔ شیخ احمد سرہندی سے پہلے اور بھی بہت سے صوفیہ ایسے گزرے ہیں جو علوم شرعیہ کے متبحر تھے بلکہ شیخ احمد نے اس امر کی شعوری کوشش کی کہ تصوف کو شریعت کی چاکری میں لے آئیں اور شریعت وہی جو کچھ ان کے تصور کے مطابق تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا ظواہر کی فتح اور اس کے ساتھ پھر ازکار و وظائف کا سلسلہ نتیجہ میں تصوف ذکر و وظائف میں محدود ہوتا گیا۔

پھر اس میں تعویذ نویسی بھی داخل ہوئی اور اسے باقاعدہ علم کا درجہ مل گیا اور یہ امر خاص دلچسپ ہے کہ کسی کو بھی اس کا خیال نہ آیا کہ تعویذ یا توان پڑھ آدمی کے ساتھ ایک فریب کاری ہے یا پھر خدا کے ساتھ ایک چال ہے۔

اٹھارویں صدی کے اواخر سے سکہ بند صوفیہ اور سخت گیر متقشف علماء کے درمیان فرق کم ہوتا گیا ہے دوسری طرف غیر سکہ بند صوفیہ اگر چاہے بھی ملتے ہیں لیکن وہ بھی پہلے کی مانند اب ایک

۱۰ لفظ مرقی کا استعمال حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ شائع و ذائع ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مناسبت سے جہانگیر نے آپ کو یہ خطاب دیا ہو۔ (زید) ۱۰ لفظ از تجلیات ربانی مختصراً۔



لا دے ہوئے نظام کی جکڑ بندلیوں کے خلاف حریت ذہن انسانی کے نمائندے نہ رہے۔ آب تصوف ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی زندگی کا ایک رُخ ہو کے رہ گیا اور بس اس کی آزادی فکری جو گویا اس کی ساری توانائی تھی وہ ختم ہو گئی۔ اھ۔

**تبصرہ۔** مجیب صاحب نے ان بہت سے صوفیہ میں سے کسی کا نام نہیں لکھا اور پھر لکھ رہے ہیں کہ تصوف کو شریعت کی چاکری میں لے آئیں۔ چوں کہ مجیب صاحب کو یہ نہیں معلوم کہ شریعت کیا ہے اور تصوف کیا ہے اس لئے ایسی غیر ذمہ دار باتیں لکھ رہے ہیں۔ خدا و رسول کے احکام کا نام شریعت ہے، کسی مسلم کو زیب نہیں دیتا کہ وہ شریعت کا استخفاف کرے۔ مجیب صاحب نے حضرت مجددؒ پر بالکل غلط الزامات عائد کئے۔ کیا اسی کا نام تحقیق ہے۔ اب وہ حضرات صوفیہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ چوں کہ کسی کا نام نہیں لکھا ہے اس لئے جو کچھ ان کے دل میں آ رہا ہے، صوفیہ کے نام پر لکھ رہے ہیں۔ اکبر کے دور میں ملحدوں نے صوفیہ کے نام پر اپنے الحاد کی ترویج شروع کی تھی۔ اور سادہ لوح افراد کو ظاہر و باطن کے چکر میں ڈال کر اباحت اور گمراہی کی طرف لے جا رہے تھے۔ جہاں گیر نے عالم تھا، نہ صوفی، تاہم وہ سمجھ گیا کہ یہ ملحد ہیں اور اس نے لکھ دیا، ”انھوں نے تصوف میں پناہ لی ہے اور اپنا نام صوفی رکھا ہے نہ وہ صوفی ہیں نہ زندقی چند ملحدی مذہب رکھتے ہیں۔“ یہی صورت مجیب صاحب نے اختیار کی ہے۔

مجیب صاحب مذہب اسلام میں آزادی فکر کی تلاش کر رہے ہیں۔ جس شخص نے ایک اللہ کے وجود کو تسلیم کر لیا ہے اور رسول اللہ کی نبوت کا قائل ہو گیا ہے تو اب اس کو کب حق پہنچتا ہے کہ وہ لینن یا اسٹالن یا کسی دوسرے ملحد یا دہریہ کی پیروی کرے۔ چاہے کوئی خوش ہو یا ناخوش اسلام میں ان کفریات کے لئے قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ شریعت کو ایک لاداً ہوا نظام قرار دیا جائے تو پھر اسلام ہے کیا چیز! کیا اسلام اس اباحت کا نام ہے جس کی ترویج اس دور کے ملحد کر رہے ہیں۔

مجیب صاحب نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک چال کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ نہ وہ چال ہے اور نہ فریب کاری بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت ہے جس کا وہ شخص معتقد ہے۔ ایک دن حضرت ابوالحسن خرقانی اسم ذات کے فوائد بیان فرما رہے تھے۔ اتفاق سے حکیم ابوعلی سینا پہنچ گئے اور آپ کے بیان کو سن کر متعجب ہوئے کہ صرف لفظ مبارک اللہ کہہ دینے سے اتنے فوائد کیسے حاصل ہو سکتے ہیں کہ بیمار شفا پائے، کام بن جائے، مشکیں آسان ہو جائے۔ حکیم صاحب نے اپنے خیال کا اظہار حضرت پر کیا۔ آپ سمجھ گئے کہ حکیم صاحب علت و معلول اور سبب و مسبب کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کو عملی طور پر سمجھانے کی ضرورت ہے، لہذا آپ نے بھری محفل میں



حکیم صاحب سے فرمایا۔ ”اے خر تو چہ دانی“ یعنی اے گدھے تو کیا جانے۔ حکیم صاحب کی خاطر و مدارات سلاطین و امرا کیا کرتے تھے۔ یہاں انھوں نے خر کا خطاب حاصل کیا، لہذا ان پر اس کا اثر ہوا۔ رنگ زرد پڑ گیا، پسینے سے کپڑے تر ہو گئے، حضرت نے جب حکیم صاحب کی یہ کیفیت دیکھ لی تو محبت سے ان کو خطاب کر کے فرمایا۔ میں نے نہ آپ کو مارا نہ حجام میں بند کیا۔ بلکہ ”اے خر“ سے خطاب کیا ہے اور دیکھ رہا ہوں کہ آپ پر اس کا بڑا اثر ہوا ہے۔ جب کہ ایک حقیر حیوان کے نام میں یہ اثر ہو تو تمام عالم کے پیدا کرنے والے کے مبارک نام میں جو بھی اثر ہو کم ہے۔ یہ سن کر حکیم صاحب آپ کی ولایت کے قائل ہوئے اور اپنے دل سے خیالاتِ فاسدہ کو نکالا۔ ان کا ضمیر کہہ رہا تھا اے

بحمد اللہ کہ چشم باز کردی مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

محیب صاحب نے اٹھارویں صدی کے اواخر کے صوفیہ پر روشنی ڈال کر اس وقت کے صوفیہ کا بیان اپنے انداز سے کیا ہے۔ جو کچھ انھوں نے کہا ہے اس سے نہ اسلام کا کچھ تعلق ہے نہ اسلامی تصوف کا۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ اللہ کے فضل و کرم سے اس وقت بھی نیک بندے موجود ہیں اور جب تک اللہ کے نیک بندے، علمائے حقانی اور مشائخ ربانی موجود رہیں گے قیامت آنہیں سکتی۔ کیونکہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يَقَالَ فِي الْأَرْضِ اللَّهُ اللَّهُ اور دوسری روایت میں ہے۔ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى شَرَارِ الْخَلْقِ۔ لہٰذا یعنی ”قیامت جب ہی قائم ہوگی جب اللہ تعالیٰ کا مبارک نام لینے والا کوئی نہ رہے گا“ اور۔ ”بدترین خلائق پر قیام قیامت ہوگی اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے وجود کو قائم رکھے۔

جب دین و مذہب کو لاوا ہوا نظام سمجھا جانے لگے گا، جب اللہ رب العزت کے مبارک نام اور اس کے ذکر سے اور اس کو حرزِ جان بنانے سے لوگ غافل ہو جائیں گے اور ان چیزوں کو ظواہر پرستی، فریب کاری اور خدا کے ساتھ ایک چال سمجھنے لگیں گے تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ رُوحانیت اٹھ جائے گی، خلافتِ الہیہ ختم ہو جائے گی اور قیامت برپا ہوگی۔ حضرت مجدد نہ طالبِ جاہ تھے نہ طالبِ مال۔ آپ اسلام کے نہایت مخلص خادم تھے، آپ نے مدۃ العمر اس بات کی کوشش کی کہ خلقِ خدا ہلاکت سے بچے، آپ اللہ کے مبارک نام کا نقش دل پر لگاتے تھے اور غافلوں کو مولیٰ جل شائے سے ملاتے تھے۔

باز آئے کہ بے روئے تو اے شمعِ دل افروز  
اے شمعِ شکر گریہ بہ حالِ من و خود کن  
دُرِ بزمِ خلیفان اثرِ نور و ضیائیت  
کیں سوزِ نہالی کہ مرا بہت ترانیت



پروفیسر مجیب صاحب نے اپنی اس انگریزی کتاب میں جو کچھ حضرت مجدد کے متعلق لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو نہ حضرت مجدد کا صحیح حال معلوم ہے اور نہ انھوں نے حضرت مجدد کے رسائل اور مکتوبات کا مطالعہ کیا ہے۔ شاید انھوں نے جناب شیخ عبدالحق کا مکتوب اور بعض ناقابل ذکر اردو رسائل دیکھے ہیں اور حضرت مجدد کے متعلق بُری رائے قائم کر لی ہے۔

مجیب صاحب کی تحریر سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ ان کی نظریں شریعت اور طریقت دو ہمسایہ چیزیں ہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ کہاں اللہ اور اس کے رسول کا فرمان اور کہاں کسی امتی کا قول۔ اور مجیب صاحب کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ ظاہر کے مقابلہ میں باطن اصل ہے۔ اور یہ قول باطنیوں کا ہے جو کہ بعد میں اسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اکثر محدوں نے اس مسلک کو اختیار کیا ہے۔

مجیب صاحب اگر اکبری تجدید کا ذکر کرتے اور مُلّا مبارک اور ان کے دونوں فرزندوں و شریف اہل کا ذکر کرتے اور پھر وحدت ادیان کے فلسفہ کو بیان کرتے اور باطنیوں کی مدح سرائی کرتے تو مضائقہ نہ تھا، حضرت مجدد کو ان کفریات سے کیا واسطہ "لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ" ترجمہ "تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ" حضرت شاہ عبدالقادر موضح قرآن میں لکھتے ہیں۔ "یعنی تم نے ضد باندھی ہے۔ اب سمجھنا کیا فائدہ، جب تک اللہ فیصلہ کرے" مجیب صاحب حضرت مجدد کو صاحب المومنین (نیک مومنوں) کے واسطے چھوڑ دیتے اور لینن و اسٹالن کے الحاد و دہریت سے اپنا دل بہلاتے۔ یا وحدت ادیان اور نیشنل ازم جیسی تحریکات کا ساتھ دیتے۔

صورت پرست غافل معنی چہ داند آخر کو با جمال جانان پنہاں چہ کار دارد  
وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



## ضمیمہ

میں اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہو چکا تھا کہ مولانا اسحاق جلیس لہ سے ملاقات ہوئی۔ ان سے معلوم ہوا کہ جناب انوار الحق نے انگریزی میں ایک کتاب لکھی ہے اور اس میں حضرت مجددؒ کے متعلق کچھ اظہار خیال کیا ہے۔ مولانا نے حضرت مجددؒ سے متعلق مضمون کا اردو ترجمہ مجھ کو دیا۔ جس کو ذیل میں نقل کر رہا ہوں اور پھر اظہار خیال کروں گا۔

### جناب انوار الحق کی کتاب

”دی فیتھ موئی منٹ آف مولانا محمد الیاس“ یعنی مولانا محمد الیاس اور تحریک ایمان

مطبوعہ جارج ایلین اینڈ انون لمیٹڈ، رکن ہاؤس، موسیم سٹریٹ

لندن در ۱۹۶۲ء

صفحہ ۲۲۔ اکبر کے دور حکومت میں ہندوؤں کے وہ طبقے جو انتظامی امور اور فوجی تنظیم کی وجہ سے ایرانیوں اور ترکوں کے کلچر سے قریب تر ہو گئے تھے، ان سے متاثر ہوئے اور بعض حلقہ بہ گوش اسلام ہوئے اور راجپوتوں کی ایک جماعت کا مسلمان ہونا اکبر کی رواداری اور مساوات کا انتہائی بلند کارنامہ تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اکبر کی ہندوؤں سے قربت اور مرغوبیت کی وجہ سے علماء اور امرا میں دو طبقے پیدا ہو گئے، ایک وہ طبقہ تھا جو یہ محسوس کرتا تھا کہ اکبر کی یہ رواداری مسلمانوں کو بالآخر ہندو مذہب میں ضم کر دے گی۔ اس نے صوفیا کی جماعت میں جواب تک ہندوستان میں متحد و متفق تھے ایک خلیج پیدا کر دی جو مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئی، چنانچہ ”اسلام خطرہ میں ہے“ کا نعرہ بلند ہوا اور اس طبقہ کو شیخ احمد سرہندی کی قیادت میں سراگئی۔

شیخ احمد سرہندی نے اپنا کام مہدوی تحریک (جو سید محمد جونپوری نے شروع کی تھی) کی مخالفت سے شروع کیا۔ انھوں نے ابوالفضل اور دوسرے علماء کی اس رائے سے اختلاف کیا کہ سچائی سے خدا پر ایمان لانے کے سلسلے میں رسول اللہ پر ایمان لانا ضروری نہیں۔

لہ مولانا اسحاق جلیس مجلہ پانزدہ روزہ ”تغیر حیات“ ندوۃ العلماء کے مدیر ہیں۔



شیخ احمد نے چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ سلسلہ کی تربیت پانے کے بعد آخر میں نقشبندیہ سلسلہ کو اختیار کیا، نقشبندیہ سلسلہ کے عقائد کو مد نظر رکھتے ہوئے انھوں نے حکومت وقت سے قریبی تعلق رکھا تاکہ وہ حکومت کو صحیح اسلامی عقائد کی نشان دہی کرتے رہیں۔

ان کا رویہ ہندوؤں کی طرف سے بہت درج سخت ہوتا گیا وہ ان کو کافر جانتے تھے اور ان سے تجارت تک کے روابط رکھنا گوارا نہ کرتے تھے۔ شیخ احمد سرہندی کا یہ طریقہ کار بقیہ صوفیہ سے مختلف تھا۔

صفحہ ۲۳۔ اس دور میں عوام و خواص صوفیاء کے خیالات و افکار کو اختیار کر چکے تھے لیکن موقع پرست علماء اور صوفیاء نے کتابیں تصنیف کر کے مدارس میں درس دے کر اور فتاویٰ پر مہر ثبت کر کے اکبر کے مذہبی عقائد کو لبیک کہا۔ شیخ احمد نے تنہا اس طبقے کی مخالفت کی جو مذہبی رواداری اور آزادی کا خواہاں تھا۔ انھوں نے صوفیاء کی ایک جماعت تیار کی جو شریعت پر عمل کرتے تھے اور علماء وقت سے بہتر تھے چنانچہ شیخ احمد شریعت پر طریقت کے مقابلہ میں زیادہ زور دیتے تھے، وہ شریعت اور طریقت کے اختلاف کو دور کر کے طریقت کو شریعت کے ماتحت اور زیر اثر لانا چاہتے تھے۔ وہ مذہبی تعلیمات اور قوانین کو زیادہ اہم جانتے تھے، بہ نسبت صوفی علماء کے اقوال کے اور صحابہ کرام کو زیادہ بلند مرتبہ جانتے تھے بہ مقابلہ تمام شیوخ کے۔ شیخ احمد نے ہندوستان میں اسلام کے احیاء کے سلسلہ میں بڑا نمایاں کام انجام دیا ہے۔

اس زمانہ میں شیعہ عقائد ایران اور مشرقی عراق میں عام ہو گئے تھے، ہندوستان میں جہانگیر کی ملکہ نور جہاں شیعہ تھیں، جہانگیر کے وزیر بھی شیعہ تھے اور شیعہ عقائد کا ہندوستان میں چرچا ہونے لگا تھا، ایران میں عقائد کے اختلاف نے بڑی پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں اور سنی حضرات اور سنی علماء سخت مصائب کا شکار تھے، شیخ احمد چاہتے تھے کہ شیعہ عقائد ہندوستان میں عام نہ ہوں، اس سلسلہ میں انھوں نے ایک رسالہ ”رد ووافض“ لکھا اور اپنے خطوط میں بھی شیعیت کی شدید مخالفت کی۔

شیخ احمد نے ان تبدیلیوں کی سخت مخالفت کی جو اکبر نے رائج کی تھیں۔ مثلاً انھوں نے جہانگیر کے سامنے تعظیماً سجدہ کرنے سے انکار کر دیا جب کہ اور تمام علماء اسے اختیار کر چکے تھے، وہ علماء سمجھتے تھے کہ یا تو دربار سے دور رہا جائے ورنہ سجدہ کو مصلحتاً اختیار کر لیا جائے، شیخ احمد کی اس جرأت نے عوام کو شریعت کے اصولوں پر کاربند ہونے میں مدد دی اور اس طرح ہندوستان میں شریعت کی از سر نو تجدید ہو گئی۔ شیخ احمد نے اپنے شاگردوں اور مریدوں کو تمام ہندوستان میں اور بیرون ہند اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے بھیجا۔



صفحہ ۲۶۔ شیخ احمد سے پہلے نقشبندی سلسلہ اور دوسرے ہندوستانی سلسلوں میں کوئی نمایاں فرق نہ تھا فرق صرف اتنا تھا کہ کونسا سلسلہ شریعت اور طریقت میں کتنی مطابقت رکھتا ہے لیکن اب ایک نیا فلسفہ ابھر کر آیا جس نے ابن عربی کے ”وحدت الوجود“ کو جواب تک تمام صوفیاء کا متفقہ مسلک تھا رد کر دیا تھا۔ شیخ احمد نے اس کا نام ”وحدت الشہود“ رکھا، باوجود اس کے کہ دونوں فلسفے بہ ظاہر ایک دوسرے سے قطعی الگ ہیں لیکن شیخ احمد ”وحدت الوجود“ کے مسئلہ سے قطعی انکار نہ کرتے تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ صوفیاء کو اس پہلی منزل سے گزرنا پڑتا ہے۔

صفحہ ۲۷۔ ہندو مسلم معاشرت کے ایک دوسرے سے قریب آ جانے سے جہاں مخمونی لطیف میں ایک دوسرے کی مدد اور ترقی اور ترویج ہوئی تھی وہیں ہندو فلسفہ نے مسلم صوفیاء میں ایک گہرا رنگ پھیلا دیا تھا۔ اب تک صوفیاء کے یہاں انسان اور خدا کے تعلق کا نام وحدت الوجود تھا۔ ہندو فلسفہ کے اثر کو ختم کرنے کے لئے شیخ احمد سرہندی نے وحدت الشہود کے فلسفہ کی اشاعت کی وہ مسلمانوں کو اور مسلم صوفیاء کو ہندو اثرات سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔

شیخ احمد کا رویہ غیر مسلموں کے ساتھ خصوصاً ہندوؤں کے ساتھ انتہائی سخت تھا پچھلے صوفیاء کے انداز سے بالکل مختلف تھا، قطع نظر مسلم بادشاہوں کے رویہ کے، پچھلے صوفیاء خصوصاً چشتیہ سلسلہ کے بزرگ کبھی بھی غیر مسلموں سے سخت رویہ نہ اختیار کرتے تھے۔ وہ اپنی بساط کو زیادہ اچھا برتاؤ غیر مسلموں کے ساتھ روا رکھتے تھے۔

شیخ احمد اس تصور سے اختلاف کرتے تھے، انھوں نے اپنے مریدوں کو خط میں لکھا ہے کہ وہ غیر مسلموں کو حقیر بنانے کی کوشش کریں۔ اکبر کے طرز عمل اور ہندو عوام کے فائدے اٹھانے سے شیخ احمد پر جو تاثرات مرتب ہوئے تھے ان کا ظاہری نتیجہ یہ ہی تھا کہ وہ ہندوؤں اور اکبر سے خصوصاً بغض رکھنے اور نفرت کرنے پر مجبور ہوں یہی حالت جہانگیر کے دور میں بدستور رہی۔

صفحہ ۲۸۔ ایک خط میں شیخ احمد لکھتے ہیں کہ ”ایکا داسی“ کے دن ہندو کھانا چھوڑ دیتے ہیں اور اس کا اہتمام کرتے ہیں کہ مسلمان آبادیوں کے شہروں میں لوگ کھانا بازار میں نہ بیچیں لیکن برعکس رمضان کے مہینہ میں وہ کھانا پکا کر بازار میں بیچتے ہیں اور باوجود اس کے کہ آج کل ایک مسلمان بادشاہ حکمران ہے ہم غریب اس قدر بے حیثیت ہیں۔

شیخ احمد متواتر مسلمان افسروں کو تنبیہ کرتے رہے کہ وہ غیر مسلموں کو اپنی مجلسوں میں نہ آنے دیں اور اگر وہ آجائیں تو ان کی تحقیر کریں۔

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں۔ ”اسلام کی عظمت کافروں اور باطل عقائد کے رد کرنے اور ان سے نفرت پیدا کرنے میں ہے۔ جو مسلمان کافروں کو عزیز رکھتا ہے وہ مسلمانوں کو حقیر



کرتا ہے کافروں کو عزیز رکھنے کے صرف یہ معنی نہیں کہ وہ ان کی عزت کرتا ہے اور انہیں اعلیٰ مقام پر بٹھاتا ہے بلکہ انہیں اپنی مجلسوں میں بٹھانا اور ان سے بات کرنا یہ سب عزت کرنے میں شامل ہے وہ کتوں کی طرح اپنے سے دور رکھنے چاہئیں، اگر ان سے کوئی کام اٹک جائے جو بغیر ان کی مدد کے ممکن نہ ہو تو اس بات کا خیال ذہن میں رکھتے ہوئے کہ غیر مسلم کبھی بھی قابل اعتبار نہیں ہو سکتے کام لینے کے لئے تعلقات قائم کئے جاسکتے ہیں۔ مکمل اسلام یہ ہے کہ دنیاوی ضرورتوں کی وجہ سے ان سے روابط قائم کئے جائیں اور انہیں اپنے قریب نہ آنے دیا جائے۔

یہ خطوط شیخ فرید کو لکھے گئے جو کہ جہانگیر کے گورنر تھے گجرات میں اور لاہور میں تعینات ہوئے شیخ فرید نے ان خطوط پر کم توجہ دی ایک خط میں شیخ احمد لکھتے ہیں کہ ”اسلام اور مسلمانوں کی عظمت کافروں کو ذلیل کرنے میں ہے۔ جزیہ سے مقصد کافروں کی بے عزتی اور تباہ کرنا ہے۔ کافروں کی عزت کرنا اسلام کی بے عزتی ہے یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے، بہت سے لوگوں نے اس رشتہ کو توڑا اور مذہب کو خراب کیا۔“

صفحہ ۲۹۔ جب جہانگیر نے شیخ فرید کو حکم دیا کہ وہ کانگرہ فتح کریں تو شیخ احمد کو خواہش ہوئی کہ شیخ فرید وہاں کے مشہور مندر کو تباہ کر دیں جس میں ایک بہت بڑا بت تھا اس طرح سے شیخ فرید کے ان گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا جو انھوں نے کافروں کو عزیز رکھ کر کئے تھے۔

شیخ احمد شیخ فرید کو خط میں لکھتے ہیں۔ ”پوری محنت سے ان ذلیل انسانوں اور جھوٹے خداؤں کی بیج کنی کرنی چاہئے اور یقین ہے کہ تمہارا یہ عمل تمہاری ہندو نوازی کے جرم کا کفارہ ہوگا۔ کمزوری اور سخت سردی کی مجبوری سے میں تم تک نہیں آسکتا کہ تم کو اس عمل پر مجبور کرتا اور خود تمہارے ساتھ چل کر بت شکنی میں شریک ہوتا کہ یہ عمل میری بخشش کا ذریعہ ہوتا۔“

جب ہردے رام نے دو خطوں میں صوفیاء سے گہری عقیدت کا ذکر کیا اور یہ لکھا کہ وہ رحمان اور رام کو ایک ہی ذات سمجھتا ہے تو شیخ احمد نے سختی سے جواب دیا انسان اور اللہ میں بڑا فرق ہے۔ شیخ احمد کی سخت ہندو دشمنی اس سبب سے بھی تھی کہ اس دور میں چتینہ ۱۵۳۳-۱۵۸۶ نے ہندو مت کی جو تجدید کی تھی اس سے ایک نیا جوش اور ولولہ ہندوؤں میں تھا جس نے اکبر کی ہندو مسلم دوستی کی تمام کوششوں کو نا کامیاب کر دیا تھا۔ اکبر نے جزیہ اور گاؤں کشی ختم کر دی تھی۔ شیخ احمد نے اپنے خطوط میں اکبر کے ان دونوں احکامات کی مخالفت کی، اکبر کے ان احکام کی جہانگیر اور شاہ جہاں تو خلاف ورزی نہ کر سکے لیکن اورنگ زیب نے شیخ احمد کی خواہش پوری کر دی۔

باوجود اس کے کہ شیخ احمد پوری طرح متفق تھے کہ قدیم ہندوستان میں پیغمبر ہوئے تھے ہندو



کو ذی نہ جانتے تھے بلکہ کافر سمجھتے تھے ان کا رویہ ہندوؤں کے سلسلہ میں انتہائی تلخ تھا۔ کوئی کتنا بھی شیخ احمد کے اس طریقہ کو جائز قرار دے اس لئے کہ وہ ہندومت کی تجدید کا رد عمل تھا لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کا یہ نظریہ قرآن کے احکامات اور رسول اللہ کے اسوہ کے خلاف تھا (صفحہ ۲۹ کے حاشیہ میں لکھا ہے) رسول اللہ نے کعبہ سے بتوں کو ہٹانے اور توڑنے کا حکم اس وقت صادر فرمایا جب کہ تمام مکہ کے عوام نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس سے قبل رسول اللہ اور صحابہ جب بھی کعبہ کو منہ کر کے نماز پڑھتے تھے یا عمرہ کے زمانہ میں کعبہ میں نماز پڑھتے تھے بت وہاں موجود ہوتے تھے۔ (حاشیہ تمام ہوا)

صفحہ ۳۱۔ شیخ احمد اپنے آپ کو مجدد تصور کرتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ ان کے دور کا اسلام تمام غیر اسلامی اثرات سے محفوظ رہے وہ مذہب کی ذرا سی تبدیلی جو قرآن کے احکام اور رسول کی سنت کے خلاف ہو گوارا نہ کرتے تھے یہاں تک کہ جو صوفی عقائد شریعت سے مطابقت نہ رکھتے تھے ان کے وہ مخالف تھے۔ اسلام کو تمام اجتہادی تصورات سے بچانے کے سلسلہ میں انہیں ہندوؤں اور شیعوں سے سخت نفرت تھی انہوں نے مسلمانوں کو وہ راستہ دکھایا جو انہیں تمام دوسرے مذاہب اور طبقوں سے الگ رہنے پر مجبور کرتا تھا۔

صفحہ ۳۵۔ سید احمد شہید چاہتے تھے مسلمان غیر اسلامی رواج و رسومات چھوڑ دیں لیکن اس کے باوجود شیخ احمد سرہندی کی طرح ہندومت اور ہندوؤں سے نفرت نہ کرتے تھے۔

صفحہ ۳۶۔ بنیادی خیالات میں سید احمد، شاہ ولی اللہ سے زیادہ قریب ہیں بہ نسبت شیخ احمد سرہندی کے (علاوہ چند جزوی اختلافات کے) لیکن وہ شیخ احمد سرہندی کے وحدت الشہود کے قائل ہیں۔

صفحہ ۳۷۔ صوفیاء کی روایات کی تنسیخ شیخ احمد سرہندی کے ذریعہ ہوئی جنہوں نے مجددیہ سلسلہ کی ابتدا کی جو کہ نقشبندیہ سلسلہ کی ایک شاخ تھی۔ انہوں نے ہندوؤں کے خلاف سخت اقدامات کے سلسلہ میں تبلیغ کی، وہ سب سے پہلے صوفی ہیں جنہوں نے اپنے سلسلہ کے وفود ہندوستان اور بیرون ہند بھیجے۔ انہوں نے کوشش کی کہ اسلام کو غیر اسلامی اثرات سے محفوظ رکھیں اور اس کا طریقہ انہوں نے یہ اختیار کیا کہ مسلمان ہندوؤں سے کوئی رابطہ قائم نہ کریں اور دور رہیں۔ ان کا یہ رویہ یقیناً اس بات کا رد عمل تھا کہ اکبر کے دربار میں آزادی عمل اور ہندو مسلم اتحاد اور قربت کی انتہا ہو چکی تھی، رد عمل ان تین صورتوں کی شکل میں ہوا، پہلے ہندوؤں اور شیعوں کے خلاف سخت رویہ، پہلے اسلام میں غیر اسلامی روایات کی سخت تردید، پہلے اسلام میں مذہبی وفود کا اجرا۔

صفحہ ۴۰۔ جدا اور خارج از اشتراک مسلم فرقہ کا تصور شیخ احمد سرہندی نے دیا تھا اور اس تصور



کو تقویت بدتوں مختلف ہندوؤں اور مسلمانوں سے ملتی رہی جو رفتہ رفتہ ایک سیاسی مسئلہ بن گیا کہ مسلمانوں کو ایک علیحدہ وطن کی ضرورت ہے اور اس تصور کے قائد فلسفی شاعر اقبال تھے۔ صفحہ ۶۹۔ شیخ احمد سرہندی نے ہندوستان کے صوفیاء کے مختلف سلاسل میں اپنے وحدت الوجود کی مخالفت کی بنا پر نظریاتی اختلافات پیدا کر دیئے تھے، شاہ ولی اللہ نے ان اختلافات کو رفع کرنے کی کوشش کی اور یہ کہا کہ یہ محض لفظی و جزوی فرق ہے۔ شیخ احمد سرہندی کے وحدت الشہود اور ابن عربی کے وحدۃ الوجود، دونوں کا علیحدہ علیحدہ مطالعہ کرنے اور مقابلہ کرنے کے بعد شاہ ولی اللہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ درحقیقت ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ صفحہ ۱۶۸۔ مولانا الیاس اپنے فرقہ پر توجہ رکھتے تھے۔ لیکن شیخ احمد سرہندی کے برعکس ہندو طبقہ کے سلسلہ میں کبھی نفرت کا اظہار نہ کرتے تھے۔

اظہار خیال :- جناب انوار الحق کا یہ بیان ڈاکٹر رضوی اور پروفیسر مجیب کے بیانات سے متفاوت ہے، اس میں نہ تبرّاہ ہے، نہ بغض و عداوت کے جراثیم، اور نہ اتہام طرازیں ہیں، نہ استخفاف و استہزاء کا شائبہ، محسوس ہوتا ہے کہ ان کے مضمون کی اساس احیائے اسلام کی تحریک ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے تین ادوار کا ذکر کیا ہے، دورِ مجددؒ، دورِ سید احمدؒ، دورِ مولانا محمد الیاس۔ انوار الحق صاحب کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت مجددؒ کے بعض مکاتیب شریفہ کا مطالعہ کیا ہے لیکن حضرت مجددؒ کے رسالہ اثبات نبوت اور رسالہ ردّ شیعہ کا مطالعہ نہیں کیا ہے، اور حضرت مجددؒ کے مبارک احوال کو زبدۃ المقات اور حضرات القدس میں نہیں دیکھا ہے جو کچھ لکھا ہے روڈ کوثر سے لیا ہے اگر وہ خود حضرت مجددؒ کی تحریرات اور زبدۃ المقامات وغیرہ کو دقیق نظر سے مطالعہ کرتے تو ان کی تحریر کا رنگ کچھ اور ہوتا۔ علماء اعلام کا مشہور قول ہے۔ اَلْحُكْمُ عَلَى الشَّيْءِ بِقَوِّهِ تَصَوُّرِهِ۔ جو تصور اور خیال کسی شے کے متعلق کر لیا جاتا ہے حکم اسی کی وجہ سے کیا جاتا ہے، انوار صاحب نے رضوی صاحب اور مجیب صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور پھر ان مکاتیب شریفہ کو دیکھا ہے جو کہ حضرت مجددؒ نے اراکین و عمائدین مملکت کو ارسال فرمائے ہیں اور یہ نظریہ قائم کر لیا کہ حضرت مجددؒ کو ہندوؤں اور شیعوں سے سخت نفرت تھی، انوار صاحب پر لازم تھا کہ حضرت مجددؒ کی حیات مبارکہ کے ہر گوشہ کو دیکھتے اور پھر کوئی رائے قائم کرتے وہ خیال کریں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہا ہے۔ یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ ترجمہ۔ اے نبی لطائفی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تند خوئی کر ان سے۔ کیا اس آیت مبارکہ کی وجہ سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو



العیاذ باللہ تند خو، سخت گیر قرار دے گا اور کہے گا کہ حضرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کے ساتھ شدید الطبع، سخت خو، درشت مزاج تھے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ کی طرف التفات نہیں کرے گا کہ ”تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو جہاں کے لوگوں کے لئے رحمت بنا کر“ اور کیا اس ارشاد نبوی عَلٰی صَاحِبِ الصَّلٰوۃِ وَالسَّلَامِ کو بھلا دیا جائے گا ”اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مِّنْهُدَاةٌ“ لہٰذا یعنی میں تو اہل جہاں کے لئے صرف تحفہ رحمت ہوں۔

حضرت مجددؒ نے یقیناً رسالہ ردّ شیعہ لکھا ہے اور اس سلسلہ میں آپ کے چند خطوط بھی ہیں خوبی یہ ہے کہ انوار صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳ میں یہ حقیقت بھی ظاہر کی ہے کہ ”اس زمانہ میں شیعہ عقائد ایران اور مشرقی عراق میں عام ہو گئے تھے، ہندوستان میں جہانگیر کی ملکہ نور جہاں شیعہ تھیں، جہانگیر کے وزیر بھی شیعہ تھے اور شیعہ عقائد کا ہندوستان میں چرچا ہونے لگا تھا، ایران میں عقائد کے اختلاف نے بڑی پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں اور سنی حضرات اور سنی علماء سخت مصائب کا شکار تھے“

انوار صاحب نے ”سخت مصائب“ لکھ کر اس سیاہ کارنامے کی طرف اشارہ کیا ہے جو ایران میں ہو چکا تھا کہ تلوار کے زور سے ایران میں یہ مذہب پھیلا یا گیا۔ جو رافضی ہوا اس کی جان بچی جس نے انکار کیا قتل کیا گیا۔

حضرت مجددؒ نے جب ہندوستان کی حالت بگڑتی ہوئی دیکھی تو رسالہ ”ردّ شیعہ“ لکھا۔ آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ردّ افض کے ان ”سخت مصائب“ سے بچایا جو ایران میں مسلمانوں کو پیش آچکے تھے۔ حضرت مجددؒ نے نہ کسی کو آزار دینا نہ کسی کو قتل کیا۔ اور پھر بھی آپ کی بیزاری اور شدت کا رونا رونا جارہا ہے، اور شیعہ سب کچھ کرنے کے باوجود اپنے اماموں کی طرح ”معصوم“ ثابت کئے جارہے ہیں اور رضوی صاحب اس سلسلہ میں خوب مکائد کا جاں پھیلا رہے ہیں اور جناب انوار ان کے ہفتوات کا اعادہ کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو بچانے والا پروردگار جلّ شانہ ہی ہے لیکن اس دارِ اسباب میں اس وقت حضرت مجددؒ کی ذات کو اس نے سبب بنایا۔ رضوی صاحب کو دراصل غصہ اسی کا ہے، ہندوؤں کا ذکر صرف آڑ ہے۔

اس موضوع پر میرا ارادہ کچھ لکھنے کا نہ تھا کیونکہ اگر فی الواقع ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت مجددؒ کا نظریہ ہندوؤں اور کافروں کے ساتھ سختی کا تھا تو اس سے کوئی قباحت نہیں ثابت ہوتی کیونکہ قباحت تو اس صورت میں ہے کہ آپ کی درشتی اور سختی ذاتی مصلحت کے لئے ہوتی جب کہ آپ کے ذاتی مفاد کو کوئی دخل نہیں ہے اور آپ نے جو کچھ لکھا ہے اسلام اور مملکت اسلام



کے لئے لکھا ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں لکھا ہے اور ائمہ دین کے مسلمہ اقوال کا بیان کیا ہے، تو آپ پر کیا الزام۔ اگر کوئی شخص الزام عائد کرنے کی کوشش کرے تو وہ درحقیقت اسلام کے احکام پر اعتراض کر رہا ہے، میرے سامنے افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ ایمان افروز قول ہے جو آپ نے رحلت فرمانے سے کچھ پہلے حضرت طلحہؓ سے فرمایا اور میں اس کو ”شیخ عبدالحق کا اختلاف“ میں بیان کر چکا ہوں۔ آپ نے حضرت عمر کو اپنا خلیفہ بنایا حضرت طلحہؓ نے کہا۔ ”آپ نے عمر کو اپنا خلیفہ بنایا اور جو کچھ لوگوں کو ان سے پہنچا ہے وہ آپ کے سامنے ہے، جب کہ آپ کی حیات میں ان کی یہ حالت تھی تو آپ کے بعد وہ کیا کریں گے، آپ مولیٰ جلت شانہ کے پاس جا رہے ہیں وہ آپ سے پوچھ کرے گا۔“ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے حاضرین سے کہا مجھ کو بٹھاؤ اور پھر آپ نے حضرت طلحہؓ سے فرمایا۔ ”کیا تم مجھ کو اللہ سے ڈراتے ہو، میں جب اپنے پروردگار سے ملوں گا اور وہ مجھ سے پوچھے گا تو عرض کروں گا میں نے تیرے بندوں میں سب سے بہتر کو تیرے بندوں پر خلیفہ بنایا ہے۔“

مع ہذا میں انوار صاحب سے اتنا کہوں گا کہ وہ ٹھنڈے دل سے کسی کی تحریر کا اثر لئے بغیر حضرت مجددؒ کے مکتوبات کو عمومی طور پر اور آپ کے رسالہ اثبات نبوتؐ اور شیعہ کا دقیق نظر سے مطالعہ کریں اور کتاب زبدۃ المقامات اور کتاب حضرات القدس کو اچھی طرح سے دیکھیں اور پھر کوئی رائے قائم کریں۔ اگر آپ کے تمام مکتوبات، و رسائل کا اور آپ کی صحیح سوانح حیات کا علم نہ ہو تو آپ کے متعلق صحیح رائے کس طرح قائم کی جاسکتی ہے۔ حضرت مجددؒ کے مکتوبات کا تقریباً پانچواں حصہ امرا اور عمائدین سلطنت کے نام ہے۔ آپ نے امرا کو وہ باتیں لکھی ہیں جن کا تعلق مملکت اسلامیہ سے ہے۔ آپ کی تمنا تھی کہ اسلامی سلطنت صحیح راستہ پر چل کر ترقی کرے۔ اور صحیح راستہ آپ کی نظر میں صرف وہی ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول نے بیان کر دیا ہے،

انوار صاحب نے صفحہ ۲۲ میں لکھا ہے۔ ”اکبر کی ہندوؤں سے قربت اور مرعوبیت کی وجہ سے علما اور امرا میں دو طبقے پیدا ہو گئے۔“ انہی میں کہ اکبر ہندوؤں سے مرعوب ہو گیا تھا تو پھر اس کے امرا اور نائبین کیوں کہ مرعوب نہ ہوئے ہوں گے۔ اور اس جماعت کے مرعوب ہونے کی صورت میں اسلام کی اور مسلمانین کی کیا خدمت کی جاسکتی ہے۔ حضرت مجددؒ کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے کہ آپ نے جدوجہد کر کے امرا اور اعیان مملکت کے دلوں سے اس خوف و رعب کو نکالا اور اللہ کے فضل و کرم سے ہندوستان میں شریعت کی از سر نو تجدید ہو گئی۔

ڈاکٹر بشیر احمد صاحب صدیقی نے ایک مضمون لکھا ہے جو کہ ”رسالہ مقالاتِ یومِ مجددؒ“



میں چھپا ہے۔ اس مضمون میں ”انسائیکلو پیڈیا آف اسلام“ سے اکبر کے متعلق انگریزی عبارت نقل کی ہے۔ اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

”یہ صحیح طور پر ثابت ہے کہ اس نے (اکبر نے) اسلام سے رشتہ توڑ لیا تھا اور اس نے سورج سے یا اس کے نمونے سے جو زمین پر ہے (آگ سے) رشتہ جوڑ لیا تھا۔ اور ایک اور مستشرق گیرٹ نے عہد اکبری کی ”مغل رول ان انڈیا“ میں جو تصویر پیش کی ہے حسب ذیل ہے۔

عربی تعلیم کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی، داڑھی منڈوانے کی رسم شروع کی گئی، مسلم تہذیب کو تبدیل کیا جانے لگا، بادشاہ کے سامنے سجدہ شروع کر دیا گیا تاکہ پرلے خیالات کے مسلمان آزدہ دل ہوں، نئی مسجدوں کی تعمیر اور پرانی مسجدوں کی ترمیم ختم ہوئی، خود اکبر کی رہائش کا طریقہ اسلامی طریقے کی بجائے ہندو دھرم کے طریقے سے زیادہ قریب ہو گیا اور یہ سب کچھ اس نے خود کیا۔“

حضرت مجددؒ کی کچھ تحریریں ”آپ کے زمانے کی مذہبی حالت“ میں لکھ چکا ہوں۔ ان کو دیکھ لیا جائے، میں یہاں آپ کے ایک مکتوب گرامی کا کچھ حصہ نقل کرتا ہوں۔ اس کو بھی مطالعہ کر لیا جائے آپ سے ستون نورانی اور مدار ستارے کے متعلق خواجہ شرف الدین حسین نے دریافت کیا تھا۔ آپ نے یہ جواب ان کو تحریر فرمایا تھا کہ یہ چیزیں قرب قیامت کی علامات میں سے ہیں اور لکھا ہے ”معلوم ہو۔ خبریں وارد ہے کہ مہدی کا ظہور اس وقت ہوگا کہ کفر غالب آجائے اور کھلم کھلا کافری ہونے لگے۔ اس دور کے غریبائے اہل اسلام کو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ فتنہ و آشوب کے زمانے میں عبادت کرنی ایسی ہے کہ کوئی ہجرت کر کے میرے پاس آئے“ (اس حدیث کی روایت مسلم نے کی ہے) اور پھر ایک صفحہ کے بعد آپ نے لکھا ہے۔

”اے فرزند عزیز، مکرر لکھا جاتا ہے کہ یہ وقت توبہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا ہے اور یہ وقت دنیا سے الگ ہونے اور انقطاع کا ہے، کیونکہ یہ فتنوں کے وُژود کا زمانہ ہے، اور قریب ہے کہ ماہِ نیسان کے مینہ کی طرح فتنے برسیں اور سارے عالم کو گھیر لیں“ (اس کے بعد ابوداؤد کی ایک حدیث شریف نقل کی ہے اور پھر تحریر فرمایا ہے)

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان دنوں ”نگر کوٹ“ کے اطراف میں ”کفارِ دارِ الحُرب“ نے مسلمانوں پر اور بلادِ اسلام پر کیسے کیسے مظالم اور آفتیں توڑی ہیں اور کس طرح کی اہانتیں اور اذیتیں پہنچائی ہیں۔ رُسوا کر رہے اللہ پاک ان کو۔ بہ مقتضائے آخر زمان اس قسم کے بُدبو دار شگوفے بہت کچھ پھولنے لگے۔ اللہ پاک ہم کو، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر ثابت قدم رکھے۔“ (دفتر دوم مکتوب ۶۸)



حضرت مجددؒ نے نگرکوٹ کے اطراف کے ہندوؤں کو کفار و ارا الحرب کہا ہے اور یہ نگرکوٹ ہندوستان ہی کا ایک حصہ ہے جو کہ اکبر و جہانگیر کی مملکت میں واقع تھا۔  
 حربی اس غیر مسلم کو کہا جاتا ہے جو اسلامی مملکت کے امان و حفاظت میں نہ آیا ہو اور ذمی وہ غیر مسلم ہے جو اسلامی مملکت کی حفاظت اور امان میں آگیا ہو۔  
 انوار الحق صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۹ میں لکھا ہے۔

”حضرت مجددؒ ہندوؤں کو ذمی نہ جانتے تھے بلکہ کافر سمجھتے تھے۔“  
 صحیح تعبیر ”بلکہ حربی سمجھتے تھے“ ہے، کیونکہ لفظ کافر عام ہے، ذمی اور حربی اس کے افراد ہیں۔  
 دونوں پر یہ لفظ صادق آتا ہے۔

انوار الحق صاحب کی یہ عبارت ثابت کر رہی ہے کہ حضرت مجددؒ نے ذمیوں کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے، اب اگر حضرت مجددؒ نے باغیوں، سرکشوں اور فسادیوں کے متعلق امرا اور عمائدین کو لکھا ہے کہ ان سے نہ ڈرو، یہ ذلیل و خوار ہیں اور یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اگر تم اپنے مولیٰ کے ہو کر رہو گے تو کیا برا کیا ہے۔

تعجب ہے، شیخ محمد اکرام نے روڈ کوثر میں نگرکوٹ کے واقعہ کو بھی نقل کیا ہے اور پھر صفحہ ۳۲۳ کے حاشیہ میں یہ بھی لکھا ہے ”حضرت مجددؒ نے ہندو کے لئے ذمی کا لفظ کہیں نہیں استعمال کیا، ہمیشہ اہل کفر کہتے ہیں۔“ مع ہذا شیخ محمد اکرام حضرت مجددؒ کو تمام ہندوؤں کا مخالف سمجھتے ہیں۔  
 حضرت مجددؒ علم ظاہر میں اجلہ علماء اعلام میں سے تھے۔ آپ کی عبارتوں کو جلیل القدر علماء کی عبارات کی طرح حل کرنے کی ضرورت ہے، قطب شام، علامہ روزگار عبد الفتی نابلسی نے ۱۸۸۹ء میں ”ایضاح الدلالات“ لکھی ہے۔ اس میں علامہ زین الدین بن نجیم حنفی کے رسالہ الخیر الباقی فی جواز الوضوء من الفساقی سے یہ عبارت نقل کی ہے۔

”إِطْلَاقُ الْفُقَهَاءِ فِي الْغَالِبِ مُقَيَّدٌ بِقِيُودٍ يَعْرِفُهَا صَاحِبُ الْفَهْمِ الْمُسْتَقِيمُ الْمُبَارِسُ بِالْأُصُولِ وَالْفُرُوعِ وَإِنَّمَا يَسْكُتُونَ عَنْهَا اعْتِمَادًا عَلَى صِحَّةِ فِهْمِ الطَّالِبِ الْحَازِقِ“  
 (ترجمہ) حضرات فقہاء کا کلام مطلق زیادہ تر قیودات سے مقید ہوا کرتا ہے جس کو وہ صاحب فہم صحیح سمجھ سکتا ہے جس نے علم اصول اور فروع کی ممارست کی ہوئی ہو، فقہاء کرام ہر مقام پر اپنے مطلق قول کے قیود کا ذکر طالب حاذق کی فہم و فراست کی وجہ سے نہیں کیا کرتے۔

حضرت نابلسی قدس سرہ نے کیا عمدہ بات کہی ہے اور کیسی اعلیٰ حقیقت کو ظاہر کیا ہے۔  
 افسوس ہے کہ حضرت مجددؒ جیسے نادرۃ الدھر، درّ الیم، قرۃ اکمل، جامع شریعت و طریقت پروردہ افراد و قدح کر رہے ہیں جن کو نہ علوم شریعت کی خبر ہے نہ اسرار طریقت کی، بلکہ بعض افراد



تو ایسے ہیں جن کو صحیح طور پر مذہب اسلام ہی کی خبر نہیں ہے وہ نواج کل کے دعاوی "وحدت ادیان" "فلسفہ لینن" "نظریات ماؤ" وغیرہ کے دلدادہ ہیں کسی کا کعبہ "ماسکو" کسی کا رخ بسوئے "پیکنگ" ایسے افراد حضرت مجدد پر جو بھی الزام عائد کر دیں، کم ہے۔ کیا ان کی زبان سے مذہب اسلام بلکہ بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) محفوظ رہے ہیں۔ اِلٰی اللّٰهِ الْمُنْفِذُ وَالْیَہِ الْمَشْتٰکِ۔

حضرت مجدد و جان و دل سے احکام شرعیہ کے مطیع و منتقاد تھے۔ ان کو ذمیوں کے حقوق کا پورا پورا علم تھا۔ وہ کسی حال میں ان کے حقوق میں سے بال برابر حق کو ضائع نہیں کر سکتے تھے۔ یہ صریح الزام ہے کہ آپ کو مطلقاً ہندوؤں سے نفرت تھی۔ آپ صرف ان ہندوؤں کے مخالف تھے جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے حضرت مجدد و صاف الفاظ میں شیخ فرید بخاری کو لکھ رہے ہیں۔

"کار این نابکاران استہزا و تحریہ است بہ اسلام و اہل آن و منتظر اند اگر قابو بیا بند مارا از اہل اسلام بر آند یا ہمہ را بہ قتل برسانند یا بہ کفر باز گردانند"

(ترجمہ) ان نابکاروں کا کام اسلام اور اہل اسلام کا استہزا اور ہنسی مذاق ہے یہ اس گھات میں ہیں کہ ان کا بس چلے تو ہم کو اہل اسلام سے نکال دیں یا ہم سب کو قتل کر دیں یا پھر کفر کی طرف لوٹائیں۔

حضرت مجدد کی ان تمام تصریحات کے ہوتے ہوئے اکرام صاحب اور انوار الحق صاحب حضرت مجدد کو عام طور پر ہندوؤں کا مخالف کہتے ہیں۔ "حیرت اندر حیرت اندر حیرت است" بے شک حضرت مجدد نے جا بجا ہندوؤں کو نجس لکھا ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ فَحِشٌ" لیکن آپ نے کسی وقت بھی ظاہری نجاست مراد نہیں لی ہے۔ اس سلسلہ میں خود حضرت مجدد نے ملا مقصود علی تبریزی کو ایک مکتوب ارسال کیا ہے (دفتر دوم کا ۲۲ واں مکتوب ہے) جس میں وضاحت سے یہ بات بیان کر دی ہے اور لکھا ہے کہ ابن عباس سے جو قول مروی ہے کہ مشرک کتے کی طرح نجس الفین ہے۔ وہ از قسم شواذ ہے۔ اس قسم کے اقوال اکابر کے بہت ہیں اور یہ سب شایان تاویل و توجیہ ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرک کے برتن سے طہارت کی ہے۔

شیخ محمد اکرام صاحب نے اگرچہ حضرت مجدد کے اس مکتوب اور بیان کا ذکر کیا ہے اور چوں کہ ان کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو چکا تھا کہ حضرت مجدد ہندوؤں سے بالعموم متنفر تھے اور ان کو نجس کہتے تھے اس لئے وہ لکھتے ہیں۔ "اخیر عمر میں حضرت مجدد کے طرز عمل میں زیادہ ملائمت آگئی" اور چونکہ یہ مکتوب دفتر سوم کا ہے جس میں اخیر کے پانچ سال کے خطوط ہیں، اس سے ان کے خیال کو مزید تقویت مل گئی۔ اگر اس اول اور آخر کے نظریے کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوتے



کہ حضرت مجددؒ اوائل احوال میں مذہب سے اور سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقہ سے واقف نہ تھے، حالانکہ یہ صورت نہ تھی بلکہ حقیقت یہ تھی کہ آپ سے کسی نے پہلے یہ سوال کیا ہی نہ تھا، جب مُلّا قصود علی تبریزی نے آپ سے استفسار کیا، آپ نے حقیقت بیان کر دی۔ آپ کے اس بیان سے یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جہاں کہیں بھی مشرکین کو آپ نے نجس قرار دیا ہے، آپ نے نجاست معنوی مراد لی ہے۔ انوار الحق صاحب نے صفحہ ۲۹ پر فتح کا نگرہ کے سلسلہ میں حضرت مجددؒ کے جس مکتوب کا خلاصہ لکھا ہے، وہ دفترِ اول کا مکتوب ۱۶۹ ہے، یہ مکتوب تیرہ سطروں کا ہے، افسوس صد افسوس کہ انوار الحق صاحب نے اس مکتوب کا خلاصہ صحیح طریقہ پر نہیں بیان کیا ہے، حضرت مجددؒ نے ان الفاظ سے ابتداء کی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اَضْطَعْنٰی، ہر کسے رادر دل تمنائے آمریت از امور و تمنائے ایر فقیر شدت نمودن است بہ دشمنانِ خدا اَللّٰہُ عَلٰیہِ سَلَامٌ بِمِغْمَرِ اَوْ عَلَیْہِ عَلٰیہِ الصَّلٰوٰتِ وَالسَّلَامٰتِ الخ (ترجمہ) سب تعریف اللہ کو اور سلام اس کے اُن بندوں پر جن کو اس نے پسند کیا۔ ہر شخص کے دل میں کسی امر کی تمنا ہوتی ہے اور اس فقیر کے دل میں اللہ کے دشمنوں و اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کیساتھ تشدد کرنے کی تمنا ہے۔ آپ نے شیخ فرید کو مکتوب ۱۶۳ میں دشمنانِ خدا و رسول خدا کے متعلق یہ لکھا ہے: ”کارِ اس نابکاران استہزا و سخریت است بہ اسلام و اہلِ اُس و منتظر اند اگر قابو بیا بند مارا از اہلِ اسلام بر آند یا ہمہ را بہ قتل برسانند یا بہ کفر باز گردانند“ الخ۔ ان نابکاروں کا کام اسلام اور اہلِ اسلام کا استہزا اور سخریت ہے، وہ اس گھٹا میں ہیں کہ ان کا بس چلے اور وہ ہم کو اہلِ اسلام سے نکال دیں یا سب کو قتل کر دیں یا پھر کفر کی طرف لوٹائیں۔ انوار الحق صاحب نے مکتوب کے اس ابتدائی حصہ کو جو اس کلام ہے حذف کر دیا ہے لہذا کلام خاص نے عام کی شکل پیدا کر لی اور مقید قول مطلق ہو کر رہ گیا، لہذا انھوں نے ”شیخ احمد کی سخت ہند و دشمنی“ کا نظریہ قائم کر لیا، چونکہ انھوں نے رُود کوثر، مُسلم، رُویہ، ترمذی، ابوداؤد، مسند، وغیرہ پر اعتماد کیا ہے لہذا وہی کچھ کہا ہے جو اُن کے پیشرو ان کہہ چکے ہیں۔ اَلْحَقُّ عَلٰی الْاِطْلَاقِ علامہ کمال بن الہمام نے فتح القدر میں کیا خوب لکھا ہے۔ کَثِیْرًا مَّا یَقْلُدُ الشَّاهِدُونَ الشَّاهِدِیْنَ بسا اوقات سہو کر نوالے سہو کر نوالوں کا اتباع کرتے ہیں، میں دیکھ رہا ہوں کہ اکرام صاحب نے ایک نظریہ قائم کیا، رضوی صاحب کیلئے وہ نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی مجیب صاحب نے فوراً اس کو اپنا یا اور انوار صاحب اسکے قائل ہو گئے۔ انوار الحق صاحب نے صفحہ ۳ میں لکھا ہے: ”شیخ احمد کا رویہ پچھلے صوفیاء کے انداز سے بالکل مختلف تھا“ الخ جو شخص پروفیسر مجیب اور پروفیسر حبیب کے طریقہ کا گرویدہ ہوگا، وہ یہی بات کہے گا۔ حضرت مجددؒ کو خلقِ خدا ”مجدد الف ثانی“ کے خطاب سے یاد کرتی ہے۔ انوار الحق صاحب نے پروفیسران کا اتباع کرتے ہوئے حضرت کو اہم حصہ سے یاد کیا ہے، انکو پتہ ہی نہیں ہے کہ مجددؒ کون ہوا کرتا ہے اور اس کا کام کیا ہے لہذا اُن کیلئے حضرت مجددؒ کے رویہ میں اور دوسرے بزرگانِ دین قَدَسَ اللہُ اَسْرَارَہُمْ کے احوال و طریقوں میں جو فرق نظر آیا، حیرت و استعجاب کا سبب بنا۔ اگر وہ حقیقت سے باخبر ہوتے کہ مجددؒ وہ عالی قدر ہستی ہے جس کے سپرد شریعت



کی تجدید اور بدعات سے تطہیر کا کام ہوتا ہے تو شاید یہ عبارت نہ لکھتے۔ ایک رسالہ میں علامہ سیوطی نے ہر صدی کے مجدد کا ذکر کر کے رب العزت سے دعا کی ہے کہ نویں صدی ہجری کا ان کو مجدد بنانے پر یہ عالی منصب اجلہ علماء کو ملتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کو یہ منصب اسی واسطے ملا ہے کہ آپ نے غلو کرنے والوں کی تحریفات کا، باطلوں کے غلط و عاوی کا اور جاہلوں کی غلط تاویلات کا خوب ہی رد کیا ہے، جیسا کہ میں پہلے حصے میں ”مجدد کس کو کہتے ہیں“ کے بیان میں لکھ آیا ہوں۔ چوں کہ آپ کے زمانے میں ملحدوں، باطنیوں اور نور بخشیوں وغیرہ کے لئے طریقت اور خاص کر مسئلہ توحید وجودی، یامن و متکابن گیتھا اس لئے ضرورت ایسے فرد اکمل کی تھی کہ وہ اسرار طریقت کو پوری طرح واقف ہو اور خود بھی صاحب کشف و وجدان ہو۔ حضرت مجدد ہی کی ذات والا صفات ان دونوں اوصاف کی جامع تھی اس لئے یہ گران بہا خدمت آپ کے سپرد ہوئی اور اللہ نے آپ سے یہ کام کرایا۔

حقیقت حال یہ ہے تو پھر دوسرے مشائخ کبار کے طریقے سے آپ کے طریقہ کا موازنہ کب درست ہے۔ اس حقیقت کی طرف خود حضرت مجدد اپنے تیسرے صاحبزادے حضرت محمد معصوم کو ایک مکتوب میں (دفتر دوم کا چھٹا مکتوب) لکھ رہے ہیں۔

”برائے پیری و مریدی مرانیا در وہ اند و مقصود از خلقت من تکمیل ارشاد خلق نیست معاملہ دیگر است و کارخانہ دیگر“

(ترجمہ) مجھ کو پیری و مریدی کے واسطے نہیں لایا گیا ہے اور نہ میری پیدائش سے مقصود تکمیل ارشاد ہے بلکہ دوسرا معاملہ ہے اور نیا کارخانہ۔“

حضرت مجدد نے دفتر اول کے مکتوب ایک سواہن میں شیخ فرید بخاری کو شیخ ابوسعید ابوالخیر اور سید اجل کا واقعہ لکھا ہے۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں۔

”مرتبہ کمال میں جو کہ مرتبہ ولایت ہے حق تعالیٰ جل شانہ کی محبت غالب ہے۔ اور مقام تکمیل میں جہاں کہ مقام نبوت سے حصہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب ہے۔“ مقام نبوت سے مراد اتباع ”بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ“ ہے، جو حکم خدا نے کیا ہے اس کو خلق تک پہنچانا۔

جو واقعہ پیش آیا تھا اس کا خلاصہ اس طرح پر ہے کہ ابوسعید ابوالخیر کے پاس ایک مجذوب آئے۔ وہاں سید اجل بھی موجود تھے۔ ابوسعید ابوالخیر نے مجذوب کو ترجیح دی، یہ بات سید اجل کو ناپسند ہوئی۔ ابوسعید ابوالخیر نے سید اجل سے کہا۔ اس مجذوب کی تعظیم اللہ کی محبت کے سبب ہے اور تمہاری تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے باعث۔



مقام تکمیل نہایت بلند مقام ہے، سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اس مقام کا تعلق حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے رکھا ہے۔ ارشاد کیا ہے۔ اِقْتَدُوا بِالَّذَيْنِ مِنِّي بَعْدِي اَبْنِي بَكْرٍ وَعُمَرَ (ترجمہ) اقتدا اور پیروی کرو ان دو کی جو میرے بعد ہوں گے اور وہ ابوبکر و عمر ہیں۔ اصحاب تکمیل میں سے حسن بصری، پیر ہرات عبداللہ انصاری، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی مشہور افراد گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مجددؒ کو بھی اس جماعت میں شامل فرمایا ہے۔ انوار الحق صاحب نے صفحہ ۲۹ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ سے بتوں کو ہٹانے اور توڑنے کا حکم اس وقت صادر فرمایا جب کہ تمام مکہ کے عوام نے اسلام قبول کر لیا۔ الخ۔

اگر انوار الحق صاحب یہ لکھتے ”جب کہ مکہ فتح کر لیا“ تو صحیح ہوتا کیونکہ بیت اللہ شریف کے چاروں طرف جو بت نصب تھے وہ اس وقت اوندھے اور چت کرنے شروع ہو گئے جب سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ پہنچے اور آپ نے اپنی اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے طواف کیا۔ آپ کے ہاتھ میں چھڑی تھی یعنی شاخِ خرماء۔ آپ بَجَاءِ الْحَقِّ وَذَهَقَ الْبَاطِلُ (آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ) فرما کر چھڑی سے بت کی طرف اشارہ کرتے تھے، اگر سامنے کی طرف سے اشارہ کرتے تھے وہ چت گرتا تھا اور اگر پشت کی طرف سے اشارہ کرتے تھے وہ اوندھا گرتا تھا۔ طواف کے بعد آپ بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے اور وہاں کی تصاویر کو مٹوایا اور پھر آپ نے اہل مکہ سے خطاب کیا۔ اور ان سے فرمایا۔ لَا تَدْرِيْبُ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ اِذْ هَبُوا فَاَنْتُمْ طَلْقَاءُ اللّٰهِ۔ (ترجمہ) ”کچھ الزام نہیں تم پر آج، بخشنے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان، جاؤ تم سب اللہ کے آزاد کردہ ہو۔“ اس کے بعد اہل مکہ اسلام میں داخل ہوئے شروع ہوئے، بعض افراد جیسے صفوان فرزند امیہ اس وقت ایمان نہیں لائے اور بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔

البتہ جب تک مکہ مکرمہ فتح نہیں ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے بتوں کے ہوتے ہوئے بیت اللہ کا طواف کیا اور وہاں نماز پڑھی۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام کی غربت اور مسلمین کی کمزوری نمایان تھی اور فتح مکہ کے دن سے ”وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلِلْمُؤْمِنَاتِ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَفْلَحُوْنَ“ کا ظہور ہوا (ترجمہ) اور زور اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور ایمان والوں کا لیکن منافق نہیں سمجھتے۔“

انوار الحق صاحب نے احیائے اسلام کی تین تحریکوں کا ذکر کیا ہے پہلی حضرت مجددؒ کی تحریک، دوم سید احمد شہید کی، سوم مولانا محمد الیاس کی۔ حضرت مجددؒ کی تحریک میں جو بات اُن کو کھٹکی ہے اور جس کو بار بار، جاوے جاؤ کر رہے



ہیں ”ہندوؤں کے خلاف سخت اقدامات“ ہے اور وہ ہندوؤں کے ساتھ شیعوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ جو شخص صحیح واقعات کا مطالعہ نہ کرے، رسائل اور مکتوبات کو وقتِ نظر سے نہ پڑھے، اور اس وقت کے احوال پر نظر نہ رکھے، وہ یقیناً رضوی صاحب کے مکائد اور عجیب صاحب کی غلط بیانیوں سے متاثر ہوگا اور اسی طرح کے غیر ذمہ دارانہ اور نادرست الزامات عائد کرے گا۔ ذمہ و حربی میں تفریق نہیں کرے گا، متعاہد اور مستامن کو ایک سمجھے گا۔

مجھ کو تعجب ہوتا ہے کہ انوار الحق صاحب اس نادرست بات کو بار بار دہرا رہے ہیں، ہو سکتا ہے کہ رضوی صاحب اور ان کی جماعت کی واولیلا کا اثر ہو، جس کے متعلق سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب نے کیا خوب لکھا ہے، ”وہ تو صلیح گل کی آڑ میں اپنی مقصد برآری کرنا چاہتے تھے جو خدا کرے پوری ہو گئی ہو۔“

انوار الحق صاحب کے سامنے سرہند اور اس کے مضافات کا علاقہ موجود ہے۔ وہ دیکھیں کہ وہ علاقہ جو اسلامی علاقہ کہلاتا تھا کس طرح اسلام اور مسلمین سے خالی ہوا، حضرت مجددؒ کے زمانے میں جس فتنہ نے سر اُبھارا تھا اور نگر کوٹ وغیرہ میں عرصہ حیات اہل اسلام پر تنگ کر رکھا تھا، اس فتنہ نے آپ کی وفات کے ڈیڑھ سو سال بعد کس طرح سرہند کو برباد کیا، حضرت کی کتنی اولاد شہید ہوئی اور جو زندہ رہا دوسرے مقامات کو چلا گیا، اگر حضرت مجددؒ کا لکھنا از روئے تعصب تھا تو یہ کیا پلٹ کیسے ہوئی، دارِ اسلام دارِ کفر کیسے بن گیا۔

اللہ کے نیک بندوں کی بصیرت بہت تیز ہوتی ہے، وہ اللہ کے نور سے معاملہ کی تہ تک پہنچتے ہیں، وہ جو کچھ کہتے یا لکھتے ہیں بہ ظاہر ان کی زبان اور قلم کام کرتا ہے لیکن درحقیقت مولیٰ جلّ شأنہ ان سے یہ سب کچھ کراتا ہے، حضرت مجددؒ دُوحیٰ فِداۃ کو ان کے مخالف اور ناقدین کچھ بھی کہیں، لیکن یہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے کہ وہ قَلْبًا، رُوحًا، جَسَدًا اِلْسَانًا، قَلَمًا دینِ برحق کے عاشق و شیدا و فدائی و خادم تھے، ان کی اپنی ذات کے لئے صرف یہ خواہش تھی کہ حضرت مولیٰ ان سے راضی ہو جائے، البتہ اسلام اور اہل اسلام کے لئے مَدَدۃ العمریہ کی کوشش رہی کہ ان کو عزت حاصل ہو اور یہ عزت دونوں جہاں کی ہو۔

حضرت مجددؒ نے کسی مستامن (غیر مسلم) یا غیر تبرّائی (شیعی) سے نفرت نہیں کی ہے اور نہ کسی کو ان سے نفرت کرنے کو لکھا ہے، جس کے دل میں کچھ بھی حقیقت پسندی اور انصاف ہے اس کو اقرار کرنا پڑے گا کہ

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان اللہ نے بروقت کیا جس کو خیر دار  
تعجب ہے اس بات کو ایک غیر مسلم یوختا فریڈمان سمجھ گیا اور وہ لکھ رہا ہے ”یہ ایک دلیل



دعویٰ ہے، "اور انوار الحق صاحب اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، اگر حضرت مجددؒ کو مطلقاً ہر ہندو سے نفرت ہوتی تو آپ اس کی ہدایت اپنے خلفا اور اپنی اولاد کو کرتے اور وہ سب آپ کی ہدایت پر عمل کرتے۔ نہ آپ نے اس کی ہدایت کی اور نہ ان حضرات کا اس پر عمل رہا۔ بلکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہزار ہا ہندو آپ کے سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ ابھی چار سال پہلے کانپور کی طرف کے ایک سادھو سوسائٹیوں کے ساتھ جمنپارا اگر ٹھہرے اور میرے پاس ایک دو افراد کو بھیجا کہ ہم حضرت مرزا جانِ جانانِ مظہر قدس سرہ کے مزار شریف پر حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا۔ دن میں جس وقت چاہیں شوق سے آئیں۔ چنانچہ وہ اپنی جمعیت کے ساتھ بعد ظہر آئے اور غروبِ آفتاب سے کچھ پہلے تک حضرات نقشبندیہ کے معمول کے مطابق حضرت کے مزار پر انوار پر مراقب رہے۔ ان سے معلوم ہوا کہ ان کے پانچویں مرشد حضرت مرزا جانِ جانان کے خلیفہ تھے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اپنے لطائف سے ذکر اسم ذات کرتے ہیں اور مراقبات کا شغل رکھتے ہیں اور فیضیاب ہوتے ہیں۔ اس جماعت کو اور ان کے احوال کو دیکھ کر مجھ کو حضرت مجددؒ کا یہ قول یاد آیا کہ "قسم دوم محبت بہ ایشان متعلق باشد و بہ یک وجہ ایشان را محبوب سازد" (دفتر سوم مکتوب صدم) اور "تواند بود کہ حقائق بعضی از کفار نحوے از معنی محبوبیت داشته باشند کہ باعث حصول جذبِ شاں شدہ باشد" (دفتر سوم مکتوب ۱۲) کی کیفیات کا ظہور عیاناً ہوا۔ اگر حضرت مجددؒ کو تمام ہندوؤں سے نفرت ہوتی تو وہ ان کی واسطے نوعی از محبت و برخے از محبوبیت و قسمی از جذب کا بیان کیوں فرماتے۔ اور آپ کے متوسلین، ہندوؤں کو کیوں بیعت کرتے۔

انوار الحق صاحب کہتے ہیں کہ "مجدد اور خارج از اشتراک مسلم فرقہ کا تصور شیخ احمد سرہندی نے دیا تھا" بے شک حضرت مجددؒ نے پوری کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں میں ضم ہونے سے بچائیں۔ آپ ہی کی مساعی کا ثمرہ ہے کہ آج اسلام اور مسلمان ہندوستان میں پہچانے جاسکتے ہیں ورنہ عوام میں ابوالفضل کا الحادِ باطنی اور بیرون میں "بجرائیات" اور "مجمع البحرین" پر عمل ہوتا نظر آتا۔ ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی کے مضمون کا ذکر اسی ضمیمہ میں گزر چکا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"حضرت مجددؒ کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ملی تشخص کو اُسٹھارا، ہندوؤں کی تاریخ کے عمیق مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے.... بدھ دھرم، جین دھرم، اور پارسیوں کو اپنے اندر اس طرح جذب کر لیا تھا کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رکھا، ان کی.... کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کو بھی اس طرح اپنے اندر جذب کر لیا جائے، حضرت مجددؒ نے شعائرِ اسلامی کے سلسلہ میں انتہائی مثبت اقدام فرمایا۔ الخ۔

انوار الحق صاحب نے صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے۔ "شیخ احمد اپنے آپ کو مجدد تصور کرتے تھے" الخ۔



امام ربانی مجدد الف ثانی کا خطاب بہ ظاہر علامہ روزگار عبدالحکیم سیالکوٹی نے دیا لیکن درحقیقت یہ مولیٰ جلّ شانہ کا عطیہ تھا اور ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات سيجعل لهم الرحمن ودا کا ظہور تھا (ترجمہ) جو یقین لائے ہیں اور کی ہیں نیکیاں ان کو دے گا رحمان محبت۔ "مولیٰ جلّ شانہ" کی محبت دینی یہ ہے کہ اس مرد مومن و صالح کی محبت نیک بندوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے چنانچہ اللہ کے نیک اور صالح بندوں نے آپ کو حضرت مجدد کہنا شروع کیا اور یہ خطاب بہ منزلہ اسمِ مخضّہ کے ہو کر رہ گیا۔ اکثر افراد تو آپ کا نام جانتے بھی نہیں اور حضرت مجدد ہی کہتے ہیں۔ حضرت مجدد نے احیائے اسلام کی جو عظیم الشان بے مثال تحریک چلائی اور حکومت کا رنگ اللہ کے فضل و کرم سے بدل دیا سزاوارِ مدحت اور مستوجب ہزار ستائش ہے۔

سلام از ما رسد ہر دم بہ جانش الہی از تو رخت بر روانش  
میرے نزدیک حضرت مجدد کے احیائے دین ہی کا اثر ہے کہ شیعیان علی ہندوں میں ضم ہونے سے رہ گئے ورنہ شرعات ہو گئی تھی۔

مصاحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست  
حضرت مجدد کی تحریک احیائے اسلام حضرات فقہائے کرام وائمہ عظام کے مسلک پر تھی آپ نے تمام بدعات سے اور متاخرین کے استحسنات سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے مبارک طریقہ کی پیروی کرنے پر زور دیا ہے۔ حضرات مشائخ میں سے جس کا قول بہ ظاہر شریعتِ مطہرہ کے خلاف پایا اس کی تاویل حسن کی ہے۔

حضرت مجدد کے گرویدہ اچلہ علما ہوئے اور ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ نے آپ کی تعریف میں نہایت ہی خوب اور بلند پایہ بات کہی ہے۔ لَا يَجْتَنُّهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَلَا يَبْغِضُهُ إِلَّا فَاجِرٌ شَقِيٌّ (مومن پارسا ہی آپ سے محبت اور فاجر بد بخت ہی آپ سے بغض کرے گا) حضرت شاہ صاحب نے جو بات فرمائی روز روشن کی طرح ثابت ہے کیوں کہ جب کوئی نیک و پارسا مومن آپ کے مکتوبات اور رسائل کو پڑھتا ہے اس کو ہر لفظ میں سرور و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی چاشنی ملتی ہے وہ جتنا زیادہ مطالعہ کرتا ہے اتنا ہی وارفتہ ہوتا جاتا ہے۔ اور آزاد خیال مارقین عن الدین مکرورین انہم من الذمّیۃ آپ کی مبارک تحریرات کا مطالعہ کر ہی نہیں سکتے اور اگر کسی سبب سے کریں بھی تو آپ کی تحریر کا ہر لفظ ان کی خواہشات کے لئے بہ منزلہ شمشیر بران یا شیرِ ثریان ان کو نظر آتا ہے، لہذا وہ اپنے ظنونِ فاسدہ اور اوہامِ کاسدہ کو بہ روئے کار لاتے ہیں اور آپ کی مدت کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں، اور اس صورت حال کی تفصیل حضرت مجدد ہی کے ساتھ نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ ہی ہوتا چلا آیا ہے۔



دوسری تحریک مولانا سید احمد شہید کی ہے۔ ان کے زمانے میں اسلامی سلطنت اُفّاسِ اخیرہ لے رہی تھی، اقتدار نصاریٰ کے ہاتھ میں آچکا تھا۔ ان کو اپنی تحریک چلا کے لئے آزاد مقام کی تلاش ہوئی۔ اور اسی جدوجہد میں انھوں نے اور ان کے نیک نہاد رفقاء نے اپنی جانیں مولیٰ جلّ شانہ کی راہ میں نذر کر دیں۔

متاعے بود جان، شد نذر جانانِ دلم زیں بیش سامانے نہ دارد  
اس تحریک میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک کا کچھ اثر آگیا، بنا بریں اس تحریک نے کچھ صورت افراط پیدا کر لی اور ہندوستان میں ”وہابیت“ کا اثر و نفوذ ہوا۔  
ہندوستان زر خیز خطہ ہے۔ نہ صرف زراعت ہی کے لئے بلکہ مناج فکری کیلئے بھی نور جہاں آئیں، تشیع ساتھ لے آئیں، سید احمد شہید وہابیت کے آثار چھوڑ گئے۔ انگریزوں نے اس نکتہ کو سمجھ لیا اور انھوں نے نبوت کے لئے دروازے کھلوا دیئے، اور مسلمان فریق و احزاب میں بٹتے چلے گئے۔ اور چلے جائیں گے، کیونکہ جب دورِ زوال آتا ہے ہر کام میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے۔  
تیسری تحریک مولانا محمد الیاس کی ہے۔ ان کی تحریک انگریزوں کی غلامی کے دور میں ہوئی حدیث صحیح ہے۔ ”تم میں سے کوئی کسی منکر کو دیکھے تو پوری قوت سے اس کو مٹائے۔ اگر قوت استعمال نہیں کر سکتا تو اپنی زبان سے کام لے اور اگر زبان بھی نہیں بلا سکتا تو دل سے متنفّر ہو“ مولانا محمد الیاس نے دیکھ لیا کہ نہ ہاتھ بلانے کا موقع ہے نہ زبان کا۔ لہذا کام اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے کہ کسی کا نہ جواب دیا جائے نہ اس سے الجھا جائے۔ صرف اپنے برادرانِ اسلام کو، قادیانیوں، پادریوں، شدھیوں اور بے دینوں سے بچایا جائے۔ برادرانِ ملت میں سے جو بھٹک گئے تھے ان کو راہِ ہدایا پر لانے کی کوشش کی اور بالکل خاموشی سے اپنا کام کرتے رہے۔

بہر حال حضرت مجدد کی تحریک اصلاح ہو یا مولانا سید احمد شہید کی یا مولانا محمد الیاس کی یہ تینوں تحریکیں اسلامی اور مذہبی تحریکیں ہیں۔ تینوں مخلص تھے، تینوں کا مَطْلَحِ نظر اسلام کی خدمت تھا تینوں نے احوال کو دیکھ کر جدوجہد کی، اُن کو اُن کی جدوجہد کا اجر ربّ العزت دے گا۔ جَمِّہُم اللہ وَرْضٰی عَنْہُمْ اَجْمَعِیْن۔

جمعہ ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو انگریزوں کی غلامی سے ہندوستان آزاد ہوا اور یہاں غیر مذہبی (سیکولر) حکومت قائم ہوئی۔ غیر مسلم فرقوں نے اس آزادی سے فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے اپنے مذاہب کو تقویت دینے کے اسباب پیدا کئے اور دنیوی میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے آزادی کا یہ مفہوم سمجھا کہ ہر شے میں قیدی ہو گئی ہے، جو جس کا دل چاہے کرے اور جو جس کے مُنہ میں آئے کہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے



کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔

ترمذی نے ایک مبارک حدیث آخر زمانہ کی حالت کے بیان میں روایت کی ہے، اس کا آخری حصہ اس طرح ہے۔ لَا بُعْثَنَ عَلَى أُولَئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَاتُ دَعِ الْجَلِيمِ فِيهِمْ حَيْرَانٌ (ترجمہ) مولیٰ جل شانہ فرماتا ہے۔ میں ان ہی میں سے ان پر ایسے فتنے برپا کروں گا جو مردِ دانا و عازم کو حیرت میں ڈال دیں گے۔ میں اس دور کی حالت اس حدیث شریف کے مطابق پارہا ہوں۔ دیکھتا تھا کہ غیر مسلم اسلام پر اور مسلمانوں پر اعتراضات کرتے تھے اور اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ کسی مسلم کو غلط راہ پر لگائیں۔ اب یہ کام وہ افراد کر رہے جو اپنے کو مسلمانوں کا ہمدرد سمجھ رہے ہیں۔ میں ان کی خرافات اور کذب بیانیوں پر ٹھہ کر حیران ہوتا ہوں کہ کیا ایک مسلم اپنے مذہب برحق اور اپنے مخلص ائمہ اور بزرگوں کی تنقیص اس طرح کر سکتا ہے۔ ہاں۔ تجزیٰ التریاح بِمَا لَا تَشْتَهِي الشُّفُوفُ۔ اللہ تعالیٰ اس فتنہ عمیاء سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

ایمان بہ سلامت چو لب گور برکیم احسنست بریں چستی و چالاکي ما

حافظ شیراز رحمہ اللہ و رضی عنہ کیا خوب کہتے ہیں۔

غیب رنداں مکن اے زاہد پاکیزہ شرت کہ گناہِ دگرے بر تو نہ خواہند نوشت  
من اگر نیکم اگر بد تو برو خود را باش ہر کسے آں درود عاقبت کار کہ شرت  
بر عمل تکیہ مکن خواجہ کہ در روز ازل توجہ دانی قلم صنوع بہ نامت چہ نوشت

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمْ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ



## دوسرا ضمیمہ

میرے پاس برادرِ طریقت مولوی محمد نعیم اللہ خیالی سلمۃ اللہ وحفظہ کا مکتوب بہرائچ سے آیا۔ انہوں نے مولانا مہر محمد خان شہاب مالیر کوٹلوی کے مضمون، لچھ حصہ نقل کر کے ارسال کیا ہے، جس کا تعلق سلطان الاولیاء حضرت شیخ محمد سیف الدین فرزند حضرت خواجہ محمد معصوم فرزند حضرت امام ربانی مجدد و منور الف ثانی قدس اللہ اسرارہم و افاض علی العالمین من بدکاتہ و اسرارہم سے ہے میں پہلے اس مضمون کو نقل کرتا ہوں اور پھر حقیقت کا اظہار کروں گا۔

**مولانا شہاب کا بیان** | حضرت شیخ احمد سرہندی ”پابندِ شرع“ جہانگیری دربار میں بلائے گئے، آپ نے نام نہاد جہانگیر کو نہ سجدہ عبودیت کیا، نہ سجدہ نعیمی، پاداش میں گوالیار کے قلعہ میں نظر بند رکھے گئے، کچھ عرصہ بعد قلعہ سے نکال کر شاہی لشکر میں ٹھہرایا گیا۔ آخر وہاں سے رخصت ملی اور کچھ نقد رقوم بہ عنوانہائے مختلف دی گئیں، جنہیں اللہ کے فقیر نے قبول کر لیا۔ حضرت موصوف کے اس زمانے کے مکاتیب پڑھنے کی چیز ہیں، مگر جب آپ کی جانشینی خاندانی اور موروثی ہو گئی تو حضرت موصوف کے جانشین خواجہ محمد معصوم کی وفات پر ان کے وارثوں میں سے ہر ایک دعویٰ کرتا تھا کہ قیوم میں ہوں اور دنیا میرے سر پر قائم ہے حضرت خواجہ محمد معصوم نے اپنے بیٹے سیف الدین کو اورنگ زیب کے پاس اُمیر المعروف اور نہی عن المنکر کے لئے بھیجا تھا، لیکن وہ جس شان سے رہتے تھے اس کا بیان کسی غیر سے نہیں ایک معتمد کی زبان سے سنئے۔

حضرت شیخ (سیف الدین) صاحب کے لئے سرہند میں دیبا کا خیمہ جواہرات اور مروارید سے ٹکا ہوا نصب ہوتا، جس کی چوبلوں پر یاقوت جڑے ہوتے تھے، اس کے اندر ایک جڑاؤ کرسی رکھی جاتی جس پر آنجناب جلوہ افروز ہوتے اور جس کے گرد اگر نقیب اور چوہدار ہاتھور میں سنہری اور روپہلی عصا لئے ہوئے کھڑے ہوتے۔ بادشاہ، شاہزادے اور امرا حاضر خدمت ہو کر کھڑے رہتے۔ جب تک حکم نہ ہوتا نہ بیٹھتے۔ (محولہ رود کوثر بہ حوالہ روضۃ قیومیہ) یہ شان اورنگ زیب کے زمانے کی مجددی سجادہ نشین پابندِ شرع ہی نہیں معلیم شرع متبجاء الدعوات بزرگوار کی تھی (مولانا شہاب کا بیان تمام ہوا)

نہ رفیقہ نہ مونی نہ ہمدمی دارم حدیث دل بہ کہ گویم عجب غمی دارم

ربنا اللہ المستعان علی ما تصفون



مولانا شہاب نے جو کچھ لکھا ہے اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ کیونکہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے ان تحریرات و تالیفات کی بنا پر لکھا ہے جو ان کی نظر سے گزری ہیں اور یہ بھی غلط نہیں کہ ان نوشتہ ہائے ان پر اثر ڈالا ہے لہذا جہاں بھی ان کو موقع ملا اپنے خیال کو بھی اسی انداز میں پیش کر دیا۔

اگر جناب شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے گروہ باطن سقیم کی باطل کو لکھ کر حضرت مجدد کو مطعون کیا ہے اسی طرح جناب ابوالفیض کمال الدین محمد احسان فرزند

### رُوضۂ قیومیہ

حسن احمد فرزند محمد ہادی فرزند عبید اللہ فرزند محمد معصوم فرزند حضرت مجدد و قدس اللہ اسرارہم نے خزائنات کا مجموعہ مرتب کر کے ”رُوضۂ قیومیہ“ کے نام سے موسوم کیا جس کی وجہ سے حضرت مجدد اور آپ کی مبارک اولاد مورد ملامت بنی۔ جناب شیخ اپنی سادگی کی وجہ سے گروہ باطن سقیم کے دامِ تزویر میں الجھے اور جناب محمد احسان افراتِ محبت کا شکار ہوئے۔ وہ حضرت محمد زبیر فرزند شیخ ابوالغلیٰ فرزند حضرت محمد نقشبند حجۃ اللہ فرزند حضرت محمد معصوم سے بیعت تھے۔ حضرت محمد زبیر اپنے دادا کے خلیفہ تھے اور ان کی وفات ۱۳۵۷ھ چار ذیقعدہ کو ہوئی۔ محمد احسان کو ان سے حقیقی معنی میں عشق تھا ان کے دماغ میں یہ خبط سما یا تھا کہ ان کے پیر اور پیر کے پیر اپنے اپنے وقت کے قیوم تھے اور قیومیت کا عہدہ ان کے پیر پر ختم ہو گیا ہے۔ اب کوئی قیوم قیامت تک نہ ہوگا۔ انھوں نے اپنے پیر اور اپنے دادا پیر کی قیومیت کے اثبات کے سلسلہ میں بہت کچھ رطب و یابس لکھ کر فرزند ان حضرت محمد معصوم کو مورد ملامت بنا دیا ہے۔

قیومیت کے سلسلہ میں کوئی بحث پاکستان میں چلی تھی۔ مجھ سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (صدر شعبہ اُردو، سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد) نے کچھ دریافت کیا تھا۔ میں نے ۱۸ دسمبر ۱۹۴۵ء کو ایک طویل مکتوب ان کو ارسال کیا تھا۔ انھوں نے اس مکتوب کو اپنے رسالہ کے ساتھ، جس کا نام ”حضرت مجدد الف ثانی۔ ایک تحقیقی جائزہ“ ہے ۱۹۴۵ء میں چھاپ دیا۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے رُودِ کوثر کے پانچویں ایڈیشن کے صفحہ ۲۹۹ میں ”استدراک“ کی سرخی لکھ کر قیومیت کے سلسلہ میں جو بحث کی ہے اس میں میرے مکتوب کا کچھ حصہ نقل کیا ہے۔ میں اپنے مکتوب کے اُس حصہ کو نقل کرتا ہوں جو صفحہ ۳۰ پر ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

”مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب رُوضۂ قیومیہ کا ذکر کر دیا جائے، کیونکہ قیومیت کے سلسلہ میں بعض افراد اس کتاب کی عبارت سے متغیرہ گئے ہیں اور ان کا متغیر ہونا اپنی جگہ صحیح ہے، یہ کتاب جناب محمد احسان مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، یہ حضرت خواجہ محمد زبیر کے خلیفہ تھے اور وہ اپنے دادا حضرت خواجہ محمد نقشبند حجۃ اللہ کے اور وہ اپنے پدر بزرگوار خواجہ محمد معصوم

لہ خزائنات کے معنی امادیش مستنظر باطل یعنی غرض کن باطل باتیں جن کی کوئی اساس نہ ہو۔



کے قدس اللہ اسرارہم۔ ان کو اپنے پیرومرشد سے کامل عقیدت تھی۔ وقائق علمیہ سے پوری طرح باخبر نہ تھے، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں قدس اللہ سرہ نے ان کو ایک خط لکھا ہے، تحریر فرماتے ہیں، آنچہ از احوال شہود نوشتہ اند کہ ہر ذرہ ظہور ذات اللہ تعالیٰ و تقدس معلوم می شود و ایں را توحید متعارف دانستہ اند غلط است۔ روضہ قیومیہ میں بھی ان سے نفرتیں ہوئی ہیں۔ بعض واقعات بھی صرف از وجہ سماع قلمبند کر دیئے ہیں حالانکہ وہ صحیح نہیں ہیں، بنا بریں حضرات عالی قدر نے اس کتاب کو قابل اعتنا نہیں سمجھا ہے۔ قیومیت کے سلسلہ میں ان کا مسلک جادہ صواب سے ہٹا ہوا ہے۔

اگر قیومیت کے سلسلہ میں محمد احسان نے رطب و یابس جمع کیا ہے حضرت محمد سیف الدین کے متعلق بھی خزِ غیبیات ۵۔ سوعہ فراہم کر لیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت محمد معصوم کی اولاد میں حضرت محمد سیف الدین کی نرالی شان تھی، اپنے والد بزرگوار کی حیات میں آپ کا دائرہ ارشاد بہت زیادہ وسیع ہو گیا تھا، آپ کے برادرانِ کلاں میں سے کسی نے فرمایا ہے اگر برادرِ محمد سیف کی عمر کچھ زیادہ ہوتی، مشیخت انہی کی ہو کر رہ جاتی۔ اور دوسرے برادرِ کلاں نے فرمایا ہے ہمارے بھائی محمد سیف الدین ہمارا شرف ہیں۔ بچوں کو بادشاہ و شاہزادے اور امرا آپ سے بیعت تھے اس لئے خیمہ دینا اور جڑاؤ کر سی وغیرہ کا قصہ آپ کے احوال میں لکھ دیا گیا ہے۔

رود کوثر کے مطالعہ سے مجھ کو پروفیسر محمد فرمان کی کتاب ”حیاتِ مجددؒ“ کا پتہ چلا جو کہ ۱۹۵۱ء میں چھپی ہے لہذا میں نے اس کتاب کا بھی مطالعہ کیا اور یہ دیکھ کر دل خوش ہوا کہ پروفیسر محمد فرمان نے تذکرہ نویسی کا پورا حق ادا کیا ہے جو کچھ لکھا ہے از روئے تحقیق لکھا ہے جن کتابوں سے انھوں نے استفادہ کیا ہے ان کا ذکر آخر میں کیا ہے، روضہ قیومیہ کا ذکر سب سے آخر میں ہے وہ اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں۔

”روضہ قیومیہ خواجہ کمال الدین صاحب کی تالیف ہے، اس کے چار رکن ہیں یا حصے ہیں، پہلے حصے میں حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے فرزندوں اور خلفاء کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، دوسرے میں خواجہ محمد معصوم کے حالات اور ان کے فرزندوں اور خلفاء کا ذکر خیر موجود ہے، تیسرے میں حضرت خواجہ محمد (نقشبند) کے، ان کے فرزندوں اور خلفاء کے حالات ہیں، چوتھے حصے میں خواجہ محمد زبیر کے، ان کے فرزندوں اور خلفاء کے حالات ہیں۔

اس کتاب میں مکاشفات، کرامات اور قیومیت پر بڑا زور دیا گیا ہے، عقیدت کی فراوانی اور مبالغہ آرائی کی بدولت یہ کتاب مستند کتابوں میں شمار نہیں ہو سکتی اور ہم نے اس کتاب سے حتی الامکان بہت کم استفادہ کیا ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ اسی کتاب پر حضرت مجدد الف ثانی



کے اکثر سوانح نگاروں نے انحصار کیا ہے اور ان کے مسلک تصوف کے بارے میں جتنی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں، ان سب کی بقا کا انحصار اسی کتاب پر ہے، مؤلف کے خلوص پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس خلوص نے غلو اختیار کر کے تصوف کی خدمت سے کہیں زیادہ اسے نقصان پہنچایا ہے، نقشبندی حضرات کے ہاں اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس بیان سے انہیں ایک طرح کی ذہنی کوفت ہو گئی لیکن ہم اس تنقید پر مجبور ہیں اور یہ تنقید حضرت مجددؒ کی تعلیمات سے محبت کی بنا پر ہے کیوں کہ ان کے نزدیک کرامت اور کشف کی وہ حیثیت نہیں ہے جو مؤلف مذکور نے قائم کر رکھی ہے اور تمام کتاب کرامات ہی کے ذکر تک محدود ہو کے رہ گئی ہے اور تاریخی واقعات کی چھان بین میں مطلق توجہ نہیں دی گئی ہے۔

پروفیسر محمد فرمان نے بہت صیح لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ کے اکثر سوانح نگاروں نے اسی کتاب پر انحصار کیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ فضل الدین گکے زئی تاجر قومی کتب خانہ لاہور نے ۱۳۵ھ (۱۹۱۷ء) میں اس کتاب کا اردو ترجمہ چھاپ دیا، اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے جو عوام کو پسند ہے لہذا تھوڑے ہی دنوں میں اس کی شہرت ہو گئی اور اردو زبان میں سوانح نگاروں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ کون ”زبدۃ المقات“ کو دیکھے یا ”حضرات القدس“ اور ”مقامات معصومی“ وغیرہا کی تلاش کرے۔

حرفِ دل۔ مجھ کو ایک مدت سے حضرت مجددؒ کے حالات اور سوانح پڑھنے کا شوق ہے چنانچہ اردو کی درج ذیل کتابیں مطالعہ کیں۔

- ۱۔ حالات مشائخ نقشبندیہ از مولانا محمد حسن کرتپوری،
- ۲۔ مقامات امام ربانی از مولانا محمد حسن کرتپوری،
- ۳۔ مجدد الف ثانی کے حالات از مولانا ابوالفضل محمد احسان عباسی گورکھپوری۔
- ۴۔ جواہر مجددیہ از مولانا احمد حسین خان امرہوی۔
- ۵۔ سیرت امام ربانی از مولانا ابوالبلیان محمد داؤد پسروری امرتسری۔
- ۶۔ مجدد اعظم از جناب محمد علیم۔
- ۷۔ خم خانہ تصوف از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب۔
- ۸۔ تذکرہ مجدد الف ثانی از مولانا محمد منظور نعمانی۔
- ۹۔ رود کوثر، پانچواں ادیشن از ڈاکٹر شیخ محمد اکرام۔
- ۱۰۔ حیات مجدد از پروفیسر محمد فرمان۔

ان کے علاوہ بعض رسائل اور تذکرے بھی نظر سے گزرے۔ ان سب میں رود کوثر پہلی



کتاب ہے جو دورِ جدید کے طرزِ تحریر پر لکھی گئی ہے۔ شیخ محمد اکرام صاحب نے اس کتاب میں حضرت مجددؒ پر کچھ تنقید بھی کی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ انھوں نے روضۂ قیومۃ کا نظر غائر سے مطالعہ کیا ہے اور پھر انھوں نے دوسرے تذکرہ نگاروں کو دیکھا ہے کہ ان کا بڑا ماخذ یہی کتاب رہی ہے۔ اور یہ کتاب بے سرو پا باتوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس لئے شیخ صاحب کی تنقید جادہ صواب سے ہٹ گئی ہے۔ اس کا احساس سب سے پہلے (غالباً) پروفیسر محمد فرمان صاحب کو ہوا اور اس سلسلہ میں انھوں نے ”حیاتِ مجددؒ“ لکھی، حیاتِ مجددؒ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اچھی طرح حضرت مجددؒ کے حالات اور آپ کے مکتوبات کا مطالعہ کیا ہے اور بہت کام کی باتیں ان کو دستیاب ہوئی ہیں۔ میری نظر میں رُودِ کوثر کا مطالعہ کرنے والے کیلئے حیاتِ مجددؒ کا پڑھنا نہایت ضروری ہے، حیاتِ مجددؒ کی مثال ”تلقبات“ کی سی ہے، جو امام ذہبی نے حاکم کی ”مستدرک“ پر لکھی ہے۔ اگر حیاتِ مجددؒ بطور ضمیمہ رُودِ کوثر کے ساتھ چھپے تو بہت بہتر ہو جس طرح تلقبات کو مستدرک کے ساتھ طبع کر دیا گیا ہے۔

رُودِ کوثر کے متعلق پروفیسر محمد فرمان صاحب لکھتے ہیں۔

”حضرت مجددؒ کی زندگی کے اس سرسری خاکے کے بعد ہم دورِ جدید کے ایک مشہور اور بالغ نظر مؤرخ شیخ محمد اکرام کی کتاب رُودِ کوثر کو اپنے سامنے رکھ کر جنابِ مجددؒ کی زندگی کے اہم واقعات پر وقتِ نظر سے بحث کریں گے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ شیخ محمد اکرام نے رُودِ کوثر میں حضرت مجددؒ کے افکار اور طرزِ عمل پر سوانح کے جدید رجحانات کی روشنی میں تنقید کی ہے جو ہمیں محض اس لئے ناگوار نہیں ہے کہ حضرت مجددؒ سے ہماری عقیدت کو ٹھیس لگتی ہے بلکہ جنابِ اکرام کی تنقید پر منصفانہ نظر ڈالنا اس لئے بھی لازمی ہو گیا ہے کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات اس کتاب کو زیادہ پیش نظر رکھتے ہیں۔ ہمیں اس امر کا مکمل احساس ہے کہ حضرت مجددؒ کی دوسری سوانح عمریاں عقیدت کی فراوانی اور مبالغے کی ارزانی کی بدولت جدید ذہنوں کے لئے قابلِ توجہ نہیں ہیں۔ ان حالات میں اگر شیخ اکرام کے بیان کی صحیح صورت واضح ہو جائے تو اس سے دو گونہ فائدے کا امکان ہے، ایک تو جدید مزاج کے لئے ایک طرح کی صحیح معلومات پیش ہو جائیں گی اور دوسرا قدیم رجحانات رکھنے والے حضرات کے لئے ایک متوسط راستہ متعین ہونے کا امکان روشن ہو جائے گا۔ ہم اپنے اس مقصد کے لئے صرف حضرت مجددؒ کے مکتوبات اور ان کی معاصرانہ سوانح عمریوں سے مدد لیں گے۔“

اس کے بعد پروفیسر صاحب نے رُودِ کوثر کی ان عبارتوں کی طرف شیخ صاحب کو متوجہ کیا



ہے جو ان کی نظریں اصلاح طلب ہیں اور سب سے پہلے محمدانہ رباعی کا ذکر کیا ہے پھر شیخ صاحب کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ ”آپ نے (حضرت مجددؒ نے) ایک رباعی لکھی تو مرشد نے فوراً انہیں ٹوکا اور ایک خط میں سختی سے ان پر سرزنش کی“ اس عبارت کو نقل کر کے پروفیسر صاحب نے لکھا ہے۔ ”شیخ صاحب کے بیان میں ”سرزنش“ کے لفظ پر ہمیں اعتراض ہے“ لہ

شیخ محمد اکرام کو اللہ تعالیٰ اجر دے کہ انہوں نے روڈ کوثر کے پانچویں ادیشن میں سرزنش کے لفظ کو بدل کر تنبیہ کر دیا ہے، پروفیسر فرمان صاحب نے لفظی قباحت کا ذکر کیا اور اس کا ازالہ ہو گیا اگر وہ اس معنوی قباحت کا بھی ذکر کر دیتے جو مجھ کو کھٹک رہی ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس کا بھی ازالہ ہو جاتا۔

معنوی قباحت کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ رباعی کے سلسلہ میں حضرت خواجہ کی تنبیہ کا واقعہ اس وقت سے تعلق رکھتا ہے جب کہ حضرت مجددؒ مقام قلب میں تھے۔ اور وحدۃ الوجود کا آپ پر غلبہ تھا اور جب آپ درجہ کمال و تکمیل کو پہنچے اور پھر آپ کو خلافت عظمیٰ ملی تو حضرت خواجہ نے آپ کو وہ مبارک مکتوب لکھا ہے جس کو خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات کی فصل سوم میں حضرت خواجہ کی دستی تحریر سے نقل کیا ہے اور میں ”وصول بکعبۃ الآمال“ کے بیان میں اس کو لکھ چکا ہوں۔

کیا ابتدائی یا ثانوی تعلیم کے زمانے میں طالب علم سے غلطی نہیں ہوتی ہے اور کیا مشفق استاد اس کی اصلاح نہیں کیا کرتا۔ اور جب طالب علم قسم عالی میں (کالج میں) سب سے اعلیٰ نمبروں میں کامیاب ہو جائے اور پھر وہ قسم تخصص (پی۔ ایچ۔ ڈی) میں تمام ملک میں اعلیٰ ترین کامیابی حاصل کر لے، ایسی کامیابی جو مثالی بن جائے (ریکارڈ ہو جائے) اور پھر وہ شعبہ تعلیم کا صدر اعظم ہو جائے تو کیا اب ایسے یگانہ روزگار کے حالات بیان کرتے وقت اس ابتدائی غلطی کا تذکرہ کیا جائے گا، یا اس کی بے مثال کامیابی اور اس کرامت نامے کا ذکر کیا جائے گا جو کہ آپ کے پیرو مرشد نے آپ کو لکھا ہے اور اس سے آپ کے ظرف عالی کا کچھ پتا چلتا ہے، افسوس کہ شیخ محمد اکرام نے پہلی صورت اختیار کی ہے، اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ رؤضہ قیومیہ کے مطالعہ کا ردِ عمل ہے۔ رؤضہ قیومیہ کے مصنف نے افراط و غلو کر کے حضرت مجددؒ کو مورد الزام بنایا اور شیخ محمد اکرام نے تفریط کر کے پروفیسر ایم مجیب اور اظہر عباس رضوی جیسے افراد کے واسطے راہِ طعن و ملامت ہموار کر دی۔

شیخ محمد اکرام نے روڈ کوثر کے صفحہ ۲۹۲ میں لکھا ہے۔ ”ان کے (حضرت مجددؒ کے) معترضوں میں شیخ عبدالحق محدث جیسے فاضل اور دیندار بزرگ تھے“ بے شک حضرت شیخ معترض تھے اور ان کے



مکتوب کو آج کل خوب ہوا دی جا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں میں بہت کچھ شیخ عبدالحق کا اختلاف۔ و۔ مکتوب شیخ۔ و۔ مکتوب کا کچھ بیان۔ میں لکھ چکا ہوں۔ دشمنوں نے جناب شیخ سے کچھ لکھوا لیا۔ بعد میں خود جناب شیخ کو اس کا افسوس ہوا لیکن حضرت پر رد و قدح کرنے والے اب تک اسی مکتوب کو اچھا لے رہے ہیں۔ اتنا نہیں کر سکتے کہ اس میں تحریر کردہ الزامات کو حضرت مجددؒ کے مکاتیب سے ثابت کر دیں۔ کیا یہی راہ انصاف ہے۔ گرسنگ ازیں حدیث بنالہ عجب مدار۔ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا۔

نظرے بر کلام مولانا شہاب | مولانا شہاب نے لکھا ہے۔

کچھ رقوم بہ عنوانہائے مختلف دی گئیں جنہیں اللہ کے فقیر نے قبول کر لیا۔ سید علی اکبر حسینی اردستانی کی کتاب ”مجمع الاولیاء“ کی عبارت ”گرفتاری اور اس کا مال“ کے تحت لکھ چکا ہوں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے فقیر نے ان رقوم کو قبول نہیں کیا بلکہ فرمایا۔ ”مدارِ کارِ فقرائے باب اللہ بر توکل است“

اور لکھا ہے۔ ”جب آپ کی جانشینی خاندانی اور موروثی ہو گئی“

جناب من۔ یہ بات تو اس وقت کہی جاتی جب کہ یہ حضرات اپنے بلند مرتبہ مریدوں کو غلات نہ دیتے اور معاملہ ارشاد کا تعلق صرف اپنی اولاد سے وابستہ رکھتے لیکن ان حضرات نے تو یہ نہیں کیا ہے ان بزرگواروں نے سینکڑوں چراغ جلائے ہیں، دور دراز علاقوں کو روشن کیا ہے اور بے حساب دلوں پر اللہ تعالیٰ کے نام کا نقش لگا کر اسی وحدہ لا شریک کا عاشق و شیدا بنایا ہے۔

ز نورش قلبہا جولا نگر برق دل ہر ذرہ در جوش انا الشرق

حضرت حمید نے بنگال میں شمع معرفت روشن کی، حضرت ہاشم نے برہانپور میں، حضرت سید آدم نے بنور میں، اور اُن پر خلق خدا کا اتنا ہجوم ہوا کہ بادشاہ کو اپنی سلطنت کی فکر ہو گئی اور آپ کو مدینہ منورہ ہجرت کرنی پڑی، چنانچہ اسی پاک دیار میں راحت کی نیند سو رہے ہیں، میرے حضرت والد ماجد کے خلیفہ مولوی عبدالعزیز نے گونا گونا گویا، ضلع کھولنا بنگال میں خانقاہ بنائی اور ہزاروں دلوں میں اللہ کی یاد پیدا کی۔

دہلی سے اٹھا ابر تو بنگال میں برسا سونے پہ سہاگے کا اثر دیکھ رہا ہوں اور حضرت سیدی الوالد کے ایک دوسرے خلیفہ استادی مولانا مولوی محمد عمر نے گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں شمع ہدایت روشن کی، کتنی ہی نورانی مشعلیں بلوچستان اور افغانستان کی گھاٹیوں میں روشن ہیں، ہزاروں افراد۔ ”در جوش انا الشرق“ کا سماں پیدا کئے ہوئے ہیں۔ کیا اسی کا نام



خاندانیت اور موروثیت ہے۔

لکھا ہے۔ ”قیوم میں ہوں اور دنیا میرے سر پر قائم ہے“ قیوم کا بیان پہلے حصے میں ”ادیانے حق“ کی بحث میں گزر چکا ہے اور صحیح مسلم کی دو حدیثیں ”تبصرہ بر کتاب جناب مجیب“ کے آخر میں لکھ چکا ہوں۔ ملاحظہ کر لیں۔ دنیا تو ہر بندہ مومن تقی کے سر پر قائم ہے۔ اگر یہ قول مولانا شہاب کے حضرت محمد معصوم کے وارثوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ تھا کہ میں قیوم ہوں اور دنیا میرے سر پر قائم ہے تو کیا غلط ہے۔ کیا صحیح مسلم کی حدیث سے ان کے دعوے کی تصدیق نہیں ہوئی ہے مع ہذا حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہوں۔

برکات معصومیہ کے صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ سیف الدین فرمایا کرتے تھے کہ قبلہ گاہی حضرت محمد معصوم کے مکتوبات موجود ہیں ان کو بہ نظر انصاف دیکھ لو کہ صریح عبارت سے کس کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے اور کس کے قرب و منزلت کا پتہ چل رہا ہے۔ اس سلسلہ میں شاید عدل حضرت ہی کے مکتوبات ہیں۔ ”و مردم در قیل و قال قیومیت“ لوگ قیومیت کے قصے چھیڑ رہے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ لوگوں کی قیل و قال کی وجہ سے اللہ کے اولیاء پر طعن و تشنیع کی جا رہی ہے۔ خود سوئے ماند دید و خیال را بہانہ ساخت۔

لکھا ہے ”اپنے بیٹے سیف الدین کو اور نگ زیب کے پاس .... بھیجا“<sup>۳</sup> حضرت محمد معصوم کے چچ صاحبزادے تھے، صبیحہ اللہ، محمد نقشبند حجۃ اللہ، عبید اللہ مروج الشریعہ، محمد اشرف، محمد سیف الدین محتسب اللہ، محمد صدیق۔ حضرت سیدی الوالد قدس سرہ نے فرمایا ہے حضرت خواجہ محمد معصوم آپ کی اولاد مبارک قیوم

شیخ صفرا احمد فرزند فضل اللہ فرزند عبد القادر فرزند محمد امین فرزند عبد الرزاق فرزند محمدوم عبد الاحد نے ”برکات معصومی“ لکھی ہے۔ یہ حضرت سیف الدین کے بھانجے اور ان کے والد حضرت محمد معصوم کے بھانجے تھے۔ ان کی کتاب مستند ہے میں اس کتاب سے اور خود حضرت سیف الدین کے مکتوبات سے جو ان کے فرزند اکبر حضرت محمد اعظم نے جمع کئے ہیں حضرت سیف الدین کا مختصر حال لکھتا ہوں۔

**مختصر حال حضرت محمد سیف الدین** حضرت شیخ محمد سیف الدین کی ولادت باسعادت ۱۰۴۹ھ قطب العارفین واصل مرتبہ حق الیقین سلطان الاولیاء میں سرہند میں ہوئی، آپ کے عم محترم حضرت محمد سعید نے کسی فرشتہ کو یہ آیت پڑھتے سنا۔ وَسَلَامٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ ذَکُوْمَہِمْ مَوْتُ وَ یَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا۔ (ترجمہ) سلام ہے اس پر جس دن پیدا ہوا وہ اس دن مرے اور جس دن کھڑا ہو جی کر۔

گل از خود رفت و سرو از جاشد و قمری بہ جوش آمد ز تو کردی در چمن تا جلوه یک ہنگامہ برپا شد



تھوڑی مدت میں قرآن مجید پڑھ کر کتب متداولہ کی طرف رجوع کیا اور طفولیت سے معاملہ حال میں مشغول ہوئے۔ آپ گیارہ سال کے تھے کہ آپ کے حضرت والد نے آپ کو فنائے قلب اور ولایت صغریٰ کی بشارت دی اور قبل از آیام بلوغت فنائے نفس اور ولایت کبریٰ کی بشارت سے مفتخر ہوئے اور عنقوان شباب میں مرتبہ کمال کو پہنچ کر مقبول مولائے ذوالجلال ہوئے اور اپنے والد بزرگوار کی حیات میں صاحب ارشاد ہو کر بدعات کے دور کرنے اور ترویج شریعت میں مصروف ہو گئے ایک دن اپنی ہمیشہ (والدہ مؤلف کتاب) سے ملنے تشریف لائے اس وقت میری عمر (صفر احمد کی) دس سال کی تھی۔ اتفاقاً اصحاب دولت کی بات ہوئی۔ آپ کے چہرہ پر آثار انقباض پیدا ہوئے اور آپ نے فرمایا۔ اہل دنیا کی صحبت سے نفس خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی صحبت سے ہم کو دور رکھے۔

آپ کے حضرت والد نے بادشاہ خلد مکان (سلطان اورنگ زیب عالمگیر) کے الحاح و طلب پر آپ کو دہلی بھیجا۔ جب قلعہ میں تشریف لیجانے لگے تو دروازے کے دونوں جانب دو مصنوعی ہاتھی کھڑے ملے آپ کے ارشاد پر وہ منہدم کرائے گئے۔ آپ کے امر معروف و نہی منکر سے بادشاہ خوش ہوئے اور اس سلسلہ میں آپ کے حضرت والد کو مکتوب ارسال کیا اور انھوں نے بادشاہ کو جواب ارسال کیا جو کہ ان کے مکتوبات کے تیسرے حصے میں ہے۔ لہ

آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت محمد اعظم نے آپ کے مکاتیب کو جمع کیا ہے۔ مکتوب نمبر ۸۳ صوفی سعد اللہ افغانی کے نام ہے۔ اس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَلَى نِعْمَائِهِ، کمالات دستگاہ، معارف آگاہ، صوفی سعد اللہ بہ اعلیٰ مراتب کمال و تکمیل برسند، مخفی نہ ماند کہ بادشاہ بہ دخول طریقہ علیہ مشرف گشت بسیار متاثر گشت، سہ صحبت با حضرت ایشان داشت، چون شاہ جہاں وفات یافت بہ جہت ضرورت متوجہ اکبر آباد گشت، لہ بادشاہ طریقہ عالیہ میں داخل ہو کر بہت متاثر ہوئے ہیں۔ ان سے تین مرتبہ صحبت رہی، چونکہ شاہ جہاں کی وفات واقع ہو گئی بنا بریں وہ اگرے کو روانہ ہو گئے۔

(شاہ جہاں نے) خود کلمہ شہادت پڑھا اور آیت رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ پڑھ کر شب دو شنبہ ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ کو انتقال فرمایا، لہ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى وَغَفَرَ لَهُ۔

زندگی بہر دیدن یار است یارچوں نیست زندگی عار است  
اس حساب سے جب آپ دہلی تشریف لے گئے اور بادشاہ عالمگیر، شاہ زادگان محمد اعظم



و محمد معظم، شاہزادی روشن رائے، نواب بکرم خان، حضرت حافظ محمد محسن (نواسہ شیخ عبدالحق)، امام مسجد فتحپوری اور بہ کثرت خلق خدا آپ سے بیعت ہوئی تو آپ کی عمر شریف ستائیس سال کی تھی۔ اگر آپ کے مکاتیب کا جو کہ ایک سو نوے ہیں مطالعہ کیا جائے تو بادشاہ اور دونوں شاہ زادوں اور شاہزادی روشن رائے اور دوسرے افراد کے احوال باطنی کا بھی علم ہوگا اور صحیح طور پر اندازہ ہوگا کہ آپ کے کیا حالات تھے اور آپ اسلام کی کیسی خدمت کر رہے تھے آپ کا حلقہ ارشاد کہاں سے کہاں تک پہنچا ہوا تھا، اور سخن طراز ایسے یکتائے روزگار ولی پروردگار کے متعلق کیسے افسانے گھڑ رہے ہیں۔ ع چون نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

شیخ صفرا حمد نے لکھا ہے کہ ایک دن شاہ زادہ محمد اعظم جو بہت اخلاص سے بیعت ہوئے تھے آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ دروازہ پر مخلصین کی بھیڑ تھی۔ شاہزادے کی دستار گر گئی، یہ خبر بادشاہ تک پہنچی بادشاہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ان کے دور میں ایسا باکمال فرد بھی موجود ہے کہ خلائق پر وازہ دار اس پر گر رہی ہے۔ اور لکھا ہے ایک مرتبہ شاہزادہ محمد اعظم نے آپ کی دعوت کی۔ اس دعوت میں آپ کے برادر کلان محمد اشرف بھی مدعو تھے۔ بہ وقت طعام شاہزادہ آفتابہ لائے تاکہ آپ کے ہاتھ دھلوائیں۔ آپ نے شاہزادے سے آفتابہ لیا اور اپنے برادر صاحب کے ہاتھ دھلوائے پھر آفتابہ شاہزادے کے حوالہ کیا اور انھوں نے آپ کے ہاتھ دھلوائے لے اور لکھا ہے جب آپ کا قیام دہلی میں تھا آپ کے عم محترم محمد سعید کے فرزند عبدالاحد وحدت کی بھی دہلی آمد ہوئی جو کہ صاحب فضل و کمال اور شاعر شیوا بیان تھے۔ لیکن مرجع خلائق آپ ہی کی مبارک ذات ہی آپ کے حضرت والد کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا۔

”سبحان اللہ عبدالاحد بہ اس شیرینی کلام موصوف است و سیف الدین بہ این تمکین و وقار معروف و قبولیت بہ نصیب اس گشتہ خوش گفت۔“

بہ مقبولی کہے را دسترس نیست قبول خاطر اندر دست کس نیست  
یعنی عبدالاحد کی تو یہ شیرین کلامی اور اس کی شہرت اور سیف الدین کا یہ تمکین اور وقار اور اس کا چرچا اور پھر بھی قبولیت سیف الدین ہی کے حصے میں آئی ہے۔ سچ ہے کہ مقبولیت میں کسی کی دسترس نہیں۔ لہ

آپ نے دہلی سے جو عریضے اپنے حضرت والد کو ارسال کئے ہیں ان میں بعض جگہ یہ شعر بھی تحریر فرمایا ہے۔

تو مرا دل وہ دلیری بین رُو بہ خویش خوان و شیرینی بین



آپ کے عرائض دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جن اصحاب کمال کو دولتِ خلافت عنایت کرتے تھے ان کو حضرت والد بزرگوار کی خدمت میں پیش کرتے تھے تاکہ آپ ان پر مزید عنایات فرمائیں اور اپنی خلافت سے بھی سرفراز فرمادیں۔ پہلے عریضے میں فضائل مآب محمد فاضل لیسر میر محمد عارف منگل کوٹی کے متعلق لکھا ہے۔ ”امیدوار ہے کہ شرف صحبت سے مشرف ہو“ اور محمد صادق افغانی کے متعلق لکھا ہے ”بہ توجہات عالیہ سیراب گردد و بہ عنایات و بشارات مخصوص سر بلند شود“ اور صوفی سعد اللہ و ملا در سگی و ملا عبدالحق اور حاجی محمد شریف کے واسطے توجہات خاصہ کی التماس کی ہے اور ملا محمد سالم کے متعلق لکھا ہے کہ آپ کی محبت میں فانی ہے۔ امید ہے ”مثل یارانِ دگر“ رخصت کے وقت خلعتِ متبرک سے سرفراز اور بشارات عالیہ سے مبشر ہوگا۔

آپ نے حقائق آگاہی حافظ محمد محسن دہلوی کو مکتوب لکھا ہے۔ ان کی ترقیات اور ان کے لئے توجہات غائبانہ کا ذکر اس میں ہے اور آخر میں تحریر فرمایا ہے۔ ”از اینجا ملحوظ می گردد و اتحاد خاص با خودی فہمد، اغلب کہ نسبتِ ضمنیت آغاز نمودہ باشد“ حضرات مشائخ کے نزدیک نسبتِ ضمنیت بہت بلند مقام ہے۔ مریدوں میں سے جس کو یہ مقام نصیب ہو جائے، اس نے اپنے مرشد سے سب کچھ پالیا۔ حافظ صاحب، خان مکرم خان، خان محتشم خان، شیخ محمد باقر لاہوری ان خوش نصیب افراد میں سے ہیں کہ آپ سے کسب سلوک کر کے اور خلافت سے مشرف ہو کر آپ کے حضرت والد کی خدمت میں پہنچے اور حضرت کی نوازشات اور خلافت سے ممتاز و مکرم ہوئے۔ آپ کے مکاتیب مبارکہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہزادی روشن رائے جن کی شہرت روشن آرا بیگم کے نام سے ہے منازل سلوک طے کر چکی تھیں بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے نام بھی کافی مکاتیب ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ کو دولت حضور و آگاہی نصیب ہو چکی تھی۔ تبرکاً ایک مکتوب آپ ہی کے شیریں الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔ تحریر فرمایا ہے۔

در دلِ ما غم دنیا غمِ معشوق شود بادہ گر خام بود بخت کند شیشہ ما

سلام و تحیہ ازیں خیر خواہ در معرض قبول آزند سبحان اللہ و الحمد کہ استیلاء حضورِ اوتعالیٰ بر نیچے غلبہ نمودہ کہ در اماکن غفلت و ہنگام اختلاط بیشتر جلوہ می فرماید، ایں امر جلیل القدر از اعظم عنایات اوست سبحانہ و از قوت نسبت باطن خبر می دہد و مشعر انجام کار، در نفحات الانس در احوال حضرت نقشبندی آرد کہ شخصے از ایشان پرسید کہ در طریقہ شہاد کر جہر و خلوت و سماع می باشد، فرمود کہ نہ می باشد، پس گفت بنا بر طریقہ شہاد چلیست، فرمودند خلوت در انجمن، بہ ظاہر با خلق و بہ باطن با حق سبحانہ و تعالیٰ،

از دروں شنو آشنایان و بیگانہ و شنس ایں چنین زیبا صفت کم می بود اندر جہاں



آنچه حق سبحانہ و تعالیٰ می فرماید کہ رجال لا تلهیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ، اشارت بہ این مقام است لیکن باید دانست کہ فرق است در حضور مبتدی و حضور منتہی، مبتدی چون کہ بہ شرف فنا فی اللہ متحقق نہ شدہ است و نفس او ہنوز باقی است، حضور اوصاف نہ شدہ است و منتہی چون جمیع صفات وجود را بہ اصل سپردہ و بہ فنا فی اللہ مشرف شدہ حضور او در کمال انجلا است؛ لہذا آن حضور را "حضور خود بہ خود" نامند یعنی حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ خود را خود حاضر است، چہ سالک دریں وقت رخت بہ صحرای عدم کشیدہ و مظہر تجلیات اسمائی و صفائی گشتہ، مشرق ہر گاہ می خوابد بہ باطن او بے خواست متجلی می شود۔ شکر این قسم نعمت عظمیٰ بہ جا آوردن ضرور است لَٰنْ شَکْرُکُمْ لَا یَزِیْدُکُمْ وَالسَّلَامُ لَہ

آپ نے اپنے حضرت والد کو بادشاہ کی باطنی کیفیت تحریر فرمائی ہے۔ آپ کے حضرت والد نے آپ کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔ "باطن ایشان را بہ نسبت اکابر معصومی یا بید امید است کہ دریں نزدیکی بہ فنا بہ قلب مشرف شوند کہ درجہ اولی است از درجات ولایت" لہ ان کا باطن مجھ کو اکابر کی نسبت سے معصوم نظر آتا ہے اور امید ہے کہ عنقریب ان کو فنا بہ قلب نصیب ہوگی جو کہ درجات ولایت کا پہلا درجہ ہے۔ "اور دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں" لطیفہ اخفی اعلیٰ لطائف است و ولایت آن فوق سائر ولایات است و اس لطیفہ را خصوصیت است خاص بہ سرور کائنات و مفخر موجودات علیہ و علی آلہ الصلوٰت و التسلیات و البرکات فقیر نیز مناسبتے بہ لطیفہ اخفی درمی یابد و الغیب عند اللہ" لہ لطیفہ اخفی تمام لطائف سے اعلیٰ ہے اور اس کی ولایت تمام ولایات سے برتر۔ اس لطیفہ کو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصیت خاصہ ہے۔ میں بھی بادشاہ کی مناسبت لطیفہ اخفی سے محسوس کرتا ہوں۔ اور علم غیب تو اللہ ہی کو ہے۔" یعنی از روئے اصطلاح بادشاہ محمدی المشرع تھے۔

آپ کو اپنے حضرت والد سے عشق تھا اور ان کو بھی آپ سے بے پناہ محبت تھی۔ جن دنوں آپ نے دہلی سے سرہند شریف مراجعت فرمائی (۱۰۸۰ھ میں) آپ کے حضرت والد پاؤں کے درد کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتے تھے۔ اگر مسجد شریف نماز کے واسطے جاتے تھے تو ڈولی میں جانا ہوتا تھا۔ شیخ صفراحمہ نے لکھا ہے۔ جب سرہند شریف میں حضرت سیف الدین کی تشریف آوری کا غفلتہ ہوا خلق خدا برائے استقبال شہر کے باہر پہنچی۔ لیکن آپ کے برادران کلان ازراہ بزرگی نہ گئے۔ آپ کے حضرت والد نے آپ کے بڑے بھائیوں سے تو کچھ نہ فرمایا البتہ آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ سے کہا۔ اگر میرے پاؤں میں درد نہ ہوتا میں تمہارے بیٹے کے استقبال کو جاتا۔ جب آپ



کے برادران کو حضرت والد کی یہ بات پہنچی تو وہ بھی برائے استقبال تشریف لے گئے، لے اور لکھا ہے کہ حضرت محمد معصوم کی وفات کے بعد حضرت اُمّ المریدین نے اپنے دوسرے فرزند حضرت محمد نقشبند حجۃ اللہ سے فرمایا۔ کہ میرے بیٹے محمد سیف الدین کی درازی عمر کے واسطے تم بھی دعا کیا کرو انہوں نے کہا ”اخوی محمد سیف الدین شرف ما است“ بھائی سیف الدین ہمارا شرف ہیں بھلا ان کے لئے کس طرح دعا نہ کروں۔ پہلے بھی میں دعا کرتا تھا اور اب آپ کے امر شریف کے بموجب مزید دعا کیا کروں گا۔ لے

اور لکھا ہے کہ دہلی سے تشریف لانے کے بعد اپنے حضرت والد کی خدمت میں رہے اور ان کی وفات کے بعد ان کے مزار پر انوار پر گنبد بھی آپ ہی نے بنوایا۔ اگر تعمیر گنبد کا سارا خرچہ روشن رائے بیگم نے برداشت کیا جو کہ آپ کی محبت میں بے نظیر تھیں۔ جو ایات گنبد کے اوپر لکھوائے ہیں ان میں کا ایک شعر یہ ہے۔

اَوْرِ سَيْفِ الدِّينِ مُحَمَّدٍ مُّقْتَدَا يَافِتْ سَوْنِے اِیْنَ سَعَادَاتِ اِمْتِدَا

آپ اپنے حضرت والد کا عرس شریف بلا شرکت غیرے اور اپنی والدہ صاحبہ کی خدمت برجہ اَلْبِق کیا کرتے تھے۔ لے

اور لکھا ہے کہ افراد ثقہ سے میں نے سنا ہے کہ جب حضرت محمد نقشبند حجۃ اللہ حج کے ارادے سے روانہ ہوئے (۹۵ھ میں) آپ ان کی مشالعت میں کامل ایک منزل تک گئے اور جب جدائی کا وقت آیا تو حضرت محمد نقشبند نے فرمایا۔ میری عمر آخر کو پہنچی ہے، لہذا میرے بچوں کی خبر گیری رکھنا۔ آپ نے ان سے کہا۔ مجھ کو اللہ کے فضل سے امید ہے کہ آپ کی عمر بہت ہوگی، البتہ مجھ کو اپنی حیات کی مطلق امید نہیں ہے اور میرے فرزندان آپ کی عنایت کے امیدوار ہیں۔ جو کچھ آپ نے فرمایا تھا اسی کا وقوع ہوا۔ دونوں بھائیوں میں پھر ملاقات نہ ہوئی اور آپ دنیائے سفر کر گئے۔ حضرت محمد نقشبند آپ کے بعد اُنیس سال بہ حیات رہے۔ لے

اور لکھا ہے۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آدھی رات کو اکیلے حضرت مجددؒ کے روضہ پر بہ وجد و شوق حاضر ہو کر مرقدِ اطہر کے چکر لگاتے اور فرماتے۔ ”سُکِ دَرگاہِ مجدِّدِ اَلْفِ ثَانِیْمِ“ اور کبھی فرماتے ”سُکِ دَرگاہِ بَندِگی شَیخِ اَحْمَدِ کَابِلِی سِرِ بَندِیْمِ“ یعنی درگاہِ مجدِّدِ اَلْفِ ثَانِی کا، یا۔ درگاہِ بندگی شَیخِ اَحْمَدِ کَابِلِی سِرِ بَندِی کا گیتا ہوں۔ اور کبھی رات کے اسی حصے میں اپنے حضرت والد کے مبارک روضہ پر جاتے اور بہ سوز و دردِ تمام یہ شعر پڑھتے۔

مَنْ کِیْسْتَمِ کَہْ بَاتُو دَمِ بَندِگی زَنَمِ چُنْدِی سَگانِ کُوے تو یکِ کَثَرِیْنِ مَنَمِ



(ترجمہ) میں کون جو تیری غلامی کا دم بھروں، تیری گلی کے بہت کتوں میں سے ایک کمتر کتابیں ہوں۔ اور لکھا ہے۔ وفات سے کچھ مدت پہلے سے آپ اس طرح اپنی وفات کی طرف اشارہ کیا کرتے تھے کہ ”حضرت مجددؒ نے اللہ کے لئے نذر مانی تھی کہ اگر اطباء میرے مرض کو لا علاج قرار دے دیں تو میں نذر ادا کروں۔ چنانچہ جب اطباء نے آپ کے مرض کو لا علاج قرار دے دیا تو آپ نے نذر ادا کی۔ اب جو بھی آپ کے مثل ہو ایسی نذر پر اقدام کرے اور آپ کی کہی ہوئی بات کہے۔“ اور جس وقت آپ یہ مضمون بیان کیا کرتے تھے، آپ کی پیشانی اور رخساروں پر شوق و محبت کی علامات ظاہر ہوا کرتی تھیں اور اکثر آپ کا یہ معمول رہا کہ ظہر اور عصر کے مابین نیک بہنوں کو جمع کرتے جیسا کہ آپ کے والد بزرگوار کا معمول تھا اور حدیث شریف پڑھتے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے۔ اور اس دن جو کہ مقدمہ موت تھا جب آپ نے حدیث شریف پڑھ کر کتاب بند کر دی، حاضرات میں سے ایک نے کہا۔ کچھ اور بھی پڑھئے۔ آپ نے فرمایا، اب اور محمد اعظم سے سننا (محمد اعظم آپ کے بڑے صاحبزادے ہیں اور آپ کے مکتوبات کو انہی نے جمع کیا ہے) چنانچہ سہی ہوا، (آپ کی رحلت ہوئی اور محمد اعظم نے کتاب پڑھی) اسی آخری مجلس میں صلہ رحمی کا ذکر آیا کہ صلہ رحمی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ بہنوں میں سے کسی نے کہا کہ ہمارے بھائی عبید اللہ مروج شریعت میں صلہ رحمی درجہ کمال پر تھے اور ان کی عمر پینتالیس سال سے نہ بڑھی، آپ نے فرمایا۔ ان کی عمر اس سے کم رہی ہوگی اور صلہ رحمی کی وجہ سے اس عمر تک پہنچے ہوں گے۔ یہ بات فرما کر گویا آپ نے اپنی کم عمری کا بیان کر دیا، کیونکہ صلہ رحمی میں آپ بھی یکتائے روزگار تھے۔ آپ کی عمر سینتالیس سال تھی کہ شب بستم جمادی الاولیٰ ۹۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ ”ہے ہے ستون دین افتاد“ تاریخ وصال ہے، فقیر (صفر احمد) اگرچہ کم عمر تھا (دس سال کے) لیکن یہ واقعہ پوری طرح ذہن نشین ہے، اور جب بڑا ہوا اکثر افراد سے بھی سنا کہ جب آپ کے جنازے کو برائے تدفین لے چلے تو جنازہ لوگوں کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں تیرنے لگا۔ ”ہر چند مردم بہ قصد می جستند دست کم کے بہ آں می رسید“ جتنا بھی لوگ اچھلے کم ہی کسی کا ہاتھ اس تک پہنچا، اس کیفیت کو دیکھ کر کافی غیر مسلموں نے کلمہ پڑھ لیا اور جب تدفین کی جگہ پہنچا ہوا جنازہ خود بہ خود نیچے اتر آیا۔ لے

شیخ صفر احمد نے وصال کا جو تاریخی مادہ لکھا ہے اس کو کسی نے اس طرح نظم کیا ہے۔

مقدور و رع	شیخ سیف الدین
چون بہ جنت برفت از دنیا	بود سلطان عالم ارشاد
سال تاریخ وصل آں حضرت	آب تقویٰ وز ہد شد برباد
	گشت ”ہے ہے ستون دین افتاد“



سبحان اللہ و بحمدہ، کیا پاکیزہ ولادت تھی اور کیا پاکیزہ حیات اور کیا پاکیزہ ممات، آپ کے بڑے چچا حضرت محمد سعید نے آپ کی ولادت کے وقت کسی فرشتہ کو یہ تلاوت کرتے سنا تھا: "دَسْلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ ذَٰلِكَ دَيُّومَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا" ترجمہ: سلام ہے اس پر جس دن پیدا ہوا، اور جس دن مرے اور جس دن اٹھ کھڑا ہو جی کر۔ آپ کے چچا پر جو مکاشفہ ہوا تھا اس کا ظہور پوری طرح ہوا۔ بلا شک آپ اللہ کے خاص الخاص بندے تھے پروردگار نے آپ کو دینی اور دنیوی نعمتوں سے نوازا۔ آپ متمتع ہوئے اور جب صدائے "يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً" (ترجمہ) اے چین پکڑنے والی جی، پھر چل اپنے رب کی طرف، تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، سنی، بہ صد شوق راہی ملک بقا ہوئے۔

گیر ترک تعلق زمرغے آبی کہ اوز آب چو برخواست خشک پر برخواست  
آپ کی جلالت قدر کا اندازہ آپ کے حضرت والد کے ان مکاتیب سے کئے جائیں جو مکتوبات مصویٰ کی تیسری جلد میں تحت رقم ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲ واقع ہیں۔ میں ان مکاتیب کا خلاصہ لکھتا ہوں۔ مکتوب ۲۲۰ میں تحریر فرمایا ہے۔

تم نے لکھا ہے، فقیر کی نسبت نزول کی طرف مائل ہے ہاں تمہارا نزول اتم ظاہر ہوتا ہے تمہارا یہ ارشاد اور اللہ کی مخلوق تک تمہارے فیض کا اس طرح پہنچنا اسی کا اثر ہے۔ چوں کہ عروج کے وقت اللہ کی طرف توجہ ہوا کرتی ہے اس لئے خلق سے بے گانگی اور بے مناسبتی رہتی ہے تم نے اس عروج کا ذکر کیا ہے جو ان دنوں تم کو ہوا ہے، تم نے جو تفصیل لکھی ہے اس کو پڑھ کر مجھے معنوی لذت حاصل ہوئی۔ "آرے محبوبان را بہ قلاب محبت بہ راہ اجتناب کشان کشان می برند و مریدان را بہ راہ انابت بہ پائے خود می روند، از رفتن تا بردن فرق بسیار است۔" اللہ یحب الیہ من یشاء ویہدی الیہ من یشاء۔ "ہاں محبوبوں کو محبت کے آنکڑوں سے کھینچ کر راہ اجتناب سے لے جایا جاتا ہے اور مریدوں کے لئے انابت کا راستہ ہے وہ اپنے پیروں پر چل کر جاتے ہیں۔ لے جانے اور جانے میں بڑا فرق ہے۔ اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع لائے۔"

اس مبارک مکتوب سے آپ کی شان محبوبیت کا اور آپ کے عظیم ارشاد کا اندازہ کیا جائے رب العزت قلاب محبت سے آپ کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا اور خلقت کے دلوں کو آپ کی طرف پھیر رہا تھا، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

مکتوب ۲۲۱ میں تحریر فرمایا ہے۔

تم نے مجالس سلطانی کے انوکھے اور نرالے اسرار کا ذکر کیا ہے، ہاں اہل کمال ہر جگہ سے اس



جگہ کے شایان اسرار کے برکات و فیوضات پایا کرتے ہیں اور زمین کے ہر قطعے سے اس کے شایان کمال حاصل کرتے ہیں۔ زمین کے کسی حصے کو معاملات فنا سے مناسبت ہوا کرتی ہے اور کسی حصے کو معاملات بقا سے لگاؤ ہوتا ہے، کوئی بقعہ شایان عروج ہوا کرتا ہے اور کوئی لائق نزول جبرائیل کے کمالات اور معاملات کچھ اور ہیں اور حرم مدینہ کے فیوضات اور وہاں کا کاروبار کچھ اور، صبح ہر خوش پہرے راہزماں دگر است۔ ہر پیارے بچے کی ادائیں نرالی ہوا کرتی ہیں۔

اس مبارک مکتوب سے آپ کی ہمہ گیری اور عالی ظرفی اور جامع کمالات ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ مکتوب ۲۴۲ میں تحریر فرمایا ہے۔

تمہارے دلپسند مکتوب نے خوش کیا، بادشاہ دیں پناہ کے احوال معلوم ہوئے، بادشاہوں میں ایسے احوال کا ہونا عجائبات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ترقی دے۔ جب سالک اپنی صفات کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا پر تو دیکھنے لگتا ہے تو یہ تجلی صفاتی ہے، اور اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ ان صفات کو اصل صفات کا ملحق پائے اور اپنے کو ان کمالات کا آئینہ دیکھے جو کہ بالکل خالی و سادہ اور عدم محض ہے۔ اس کیفیت اور حالت میں نہ ذکر ہے نہ توجہ اور نہ حضوری، کیونکہ جب کمالات اصل سے ملحق ہو جاتے ہیں تو وہ سب حق تعالیٰ و تقدس کی طرف عاید ہو جاتے ہیں اس مرتبہ کے بعد اگر ذکر ہے تو خود بہ خود ہے اور اگر توجہ اور حضور ہے تو وہ بھی خود بہ خود ہے۔ اس وقت عارف اپنا بوریال بستر باندھ کر صحرائے عدم کو چلا جاتا ہے اور ہر شے سے خالی ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت اور حالت کو فنائے نفس سے تعبیر کرتے ہیں، کسی نے خوب کہا ہے

ممشوق من ارگشت ہمخانہ ما ویراں تراز و نست ویراں ما

اگر معشوق میرے گھر میں نزول کرتا ہے تو میرا گھر جو پہلے ہی سے ویران تھا مزید ویران ہو جاتا ہے کیوں کہ معشوق کے آنے پر خود مجھ کو بھی وہ گھر چھوڑنا پڑتا ہے۔

اس مبارک مکتوب سے اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ کے حالات و کمالات پر روشنی پڑتی ہے اور یہ سب کچھ حضرت شیخ سیف الدین کی تین توجہات کا اثر ہے جیسا کہ آپ نے صوفی سعد اللہ کو تحریر فرمایا ہے اور میں اس کو نقل کر چکا ہوں۔ افسوس کہ ایسے ولی کامل کو مورد ملامت بنایا جا رہا ہے۔ لَئِذَا لَاحِذَى الْكُبَرِ۔

مولانا شہاب نے لکھا ہے۔ ”اورنگ زیب کے پاس امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے بھیجا تھا، اس کا بیان کسی غیر سے نہیں ایک مقتقد کی زبان سے سنئے۔“

جناب من، بہتر یہ ہے کہ پہلے حضرت شیخ سیف الدین کے والد بزرگوار کا بیان پڑھ لیا جائے آپ کے حضرت والد نے سلطان اورنگ زیب عالمگیر کو شیخ سیف الدین سے اخذ طریقہ کرنے



کے بعد دو مکاتیب ارسال کئے ہیں جو کہ آپ کے مکاتیب کی تیسری جلد میں نمبر ۲۲۱ اور ۲۲۲ ہیں  
میں ان دونوں مکاتیب کا خلاصہ لکھتا ہوں۔

مکتوب ۲۲۱ = حضرت سلطان کا مکتوب گرامی خواجہ محمد شریف بخاری اغزا الاوقات میں  
لائے (اس کے بعد آپ نے حضرت مولیٰ جل شانہ و عہد احسانہ کا مبارک ذکر کیا ہے اور پھر تحریر فرمایا  
ہے) الحمد للہ والمنہ کہ فرزند فقیر منظور نظر قبول ہوئے اور صحبت کا اثر ظاہر ہوا۔ آپ نے فقیر زادے کے  
امر معروف اور نہی منکر کرنے پر اظہار شکر کیا ہے۔ یہ ان کا شیوہ ہے۔ آپ کے اظہار شکر کرنے سے دعا  
گوئی میں اضافہ ہوا، کیونکہ اس تمام طمطراق بادشاہت اور دبدر سلطنت کے ہوتے ہوئے کلمہ حق  
مسموع ہوا ہے اور ایک نامراد کی بات نے اثر پیدا کیا ہے۔ فَبَشِّرْ عِبَادِيَ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ  
فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ دُورًا لَّكَ هُمْ أُولَٰئِكَ (ترجمہ) تو خوشی سنا دے میرے بندوں  
کو جو سنتے ہیں بات پھر چلتے ہیں اس کے نیگ پر، وہی ہیں جن کو راہ دی اللہ نے اور وہی ہیں عقل  
والے۔ ”موضح قرآن میں تحریر فرمایا ہے۔“ چلتے ہیں اس کے نیگ پر یعنی حکم پر چلنا کہ اس کو کرتے  
ہیں، منع پر چلنا کہ اس کو نہیں کرتے، اس کا کرنا نیگ ہے اس کا نہ کرنا نیگ ہے۔“

مکتوب ۲۲۲ = آپ نے زائد از یک ورق ان معارف کا بیان کیا ہے جن کا تعلق فنا سے ہے  
اور پھر حسن خاتمہ کے سلسلہ میں خوف الہی کا ذکر کر کے تحریر فرمایا ہے۔

”فقیر زادے کی خیر خواہی جو کہ منظور نظر عالی ہو گئی ہے ان کی سعادت اور امتیاز کا سبب ہے  
اور الحق کہ فقیر زادہ کمالات ظاہری اور باطنی رکھتے ہیں، عزلت اور عدم اختلاط کی ان کو عادت ہے  
اور ملنے جلنے کی طرف کچھ زیادہ راغب نہیں، صرف خیر خواہی کا جذبہ ان کو اس طرف لایا ہے۔“  
مولانا شہاب نے حضرت شیخ سیف الدین کے خیمہ دیبا اور جڑاؤ سنہری کرسی اور سنہری روپلی  
عصا برداروں کا بیان رُودِ کوثر سے لیا ہے اور رُودِ کوثر میں روضۂ قیومیت کی دوسری جلد کے صفحہ  
۲۲۵، ۲۲۶ سے نقل ہے۔ میرے سامنے رُودِ کوثر کا پانچواں اڈیشن ہے، اس میں یہ عبارت نظر  
نہیں آئی، غالباً شیخ محمد اکرام نے میرا مکتوب اور پروفیسر محمد فرمان کا تاثر ”حیات مجدد“ میں پڑھ کر  
اس عبارت کو پانچویں اڈیشن سے خارج کر دیا ہوگا۔

مولانا شہاب نے ایک خوش اعتقاد کے من گھڑت افسانے پڑھ کر لکھ دیا۔  
”یہ شان اور نگ زیب کے زمانے کی مجددی سجادہ نشین پابند شرع ہی نہیں معلم شرع  
مستجاب الدعوات بزرگوار کی تھی۔“

میں جناب شہاب اور ان کے ہم نوا اور ہم خیال افراد سے کہتا ہوں کہ کیا امیر المؤمنین و  
خليفة المسلمين سيدنا علي بن ابي طالب رضي الله عنه کے متعلق ان کے معقدوں نے رسالت



بلکہ اُلُوہیت تک کا چرچا نہیں کیا ہے، کیا ان کے متعلق ”تقیہ“ جیسا گھناؤنا الزام نہیں تراشا ہے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسوں حضرات حَسَنین رضی اللہ عنہما کے متعلق الزامات نہیں تراشے ہیں، کیا ان الزامات اور اتہامات کی بنا پر کوئی شخص ان مبارک و مقدس حضرات کو طالبِ جاہ و منصب اور مغرور و متکبر اور دروغ گو کہنے میں حق بجانب ہوگا۔

حضرت محمد سیف الدین کے متعلق آپ کے والد بزرگوار نے جو کچھ ارشاد کیا ہے، حقیقت وہی ہے۔ ”سیف الدین بہ اس تمکین و وقار معروف“ آپ کی شان استغنائی اور تمکین و وقار کو کم ظرفوں اور مخالفوں نے تکبر پر حمل کیا، آپ تک یہ بات پہنچی، آپ نے امام الطریقہ سید محمد بہار الدین نقشبند قدس سرہ کا قول دہرا دیا ”تکبر ما از کبریائی اوست جلّ جلالہ“ اور کرسی یا تخت کا قصہ یہ ہے کہ جب آپ دہلی تشریف لے گئے اور شاہجہاں بادشاہ کی وفات ہوئی اور عالمگیر بادشاہ مع امرا کے آگرے روانہ ہو گئے تو طالبانِ حق اس کثرت سے آپ کے پاس آئے کہ دور بیٹھے ہوئے افراد آپ کی طلعت نورانی کے دیدار سے محروم رہنے لگے، بنا بریں آپ کے واسطے ایک بلند چیز کا بند و بست کیا گیا تاکہ آپ کی زیارت سے کوئی محروم نہ رہے، جیسا کہ علامہ ابن جوزی کے واسطے بغداد میں اور علامہ ابن تیمیہ کے واسطے دمشق میں کیا گیا تھا اور اجتماعاتِ عظیمہ میں مقرّریں اور واعظین کے واسطے تمام ممالک میں آجکل انتظام کیا جاتا ہے۔

میں ان افراد سے خطاب نہیں کرتا جو اپنی مایہ ناز کتاب میں لکھ رہے ہیں۔ ”شیخ معصوم کی وفات کے بعد مجدد کی رہی سہی عزت ختم ہو گئی۔ مجدد کے پوتے تو انتشار اور اخلاقی بد حالی کے پلیگ میں مبتلا رہے۔“ بلکہ میرا دوسرے سخن اُن افراد کی طرف ہے جنہوں نے شیخ عبدالحق کا مکتوب یا کتاب روضۂ قیومیۃ یا خولیشگی کی کتاب معارج الولاہیت دیکھ لی ہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اب دو ڈھائی سو سال سے حضرت مجدد کا سلسلہ ہی نقشبندیہ سلسلہ ہے۔ سمرقند، بخارا، بدخشاں، ہرات، افغانستان، بلوچستان، سندھ، ایران، ترکیہ اور ممالک عربیہ اور برما، چین، جاوا، ہندوستان، بنگال، پاکستان میں آپ ہی کا طریقہ رائج ہے، حضرت مجدد کے چار صاحبزادے صاحب ارشاد ہوئے۔ ان میں سے تیسرے صاحبزادے حضرت محمد معصوم کا ارشاد بہت زیادہ ہوا، اور حضرت مجدد کے اٹھارہ پوتے اصحاب کمال تھے، ان میں سے حضرت محمد سیف الدین سے یہ مبارک طریقہ خوب رائج ہوا، دنیا کے ہر گوشے میں آپ سے وابستہ افراد اللہ کے فضل و کرم سے موجود ہیں، ہزار ہا اولیائے کبار آپ کے پیرو ہوئے ہیں۔ کیا ان سب اولیائے کبار نے کسی فاسق کی پیروی کر لی، بھلا فاسق کو ولایت سے کیا تعلق، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اِنَّ اَوْلِیَاءَہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ، اس کے اولیاء ہی ہیں جو پرہیزگار ہیں اس دور کے نوحیز محققین سے یہ نہیں کہتا کہ وہ علماء اعلام اور اولیائے عظام کے معتقد



ہوں، یا حضرت مجدد اور آپ کی مبارک اولاد کی پیروی اختیار کریں، بلکہ یہ کہتا ہوں کہ وہ جس کی بھی تاریخ لکھنے بیٹھیں تو پہلے اس کی طرف سے اپنے دل کے غبار کو صاف کر لیں، جو بات لکھیں پوری تحقیق سے لکھیں اپنے خیالات کی بنا پر غلط نتائج نکالنے کی کوشش نہ کریں اور ان مسائل میں مناقشہ اور مباحثہ کیا جائے جن کا علم پوری طرح ان کو ہو ورنہ بلا وجہ کی قیل و قال اور بحث و مباحثہ ہوگا۔ غیر مسلموں کے متعلق ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے جو مناقشہ کیا ہے وہ اسی نوعیت کا ہے، انھوں نے ”رود کوثر“ کے صفحہ ۲۱۵ سواٹھارہ میں لکھا ہے۔

”حضرت خواجہ (بزرگ معین الدین اجیری) کے علاوہ جن دوسرے بزرگوں نے ہندوستان میں اشاعت اسلام کی، ان کے حالات اور ارشادات بھی کسی غصے کے جذبے سے عاری ہیں، حضرت مجدد کا نقطہ نظر اس سے بہت مختلف تھا ان کے خطوط میں غیر مسلموں کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کثرت سے ہوا ہے اور انھیں دلیل کرنے کی جا بجا تلقین ہے۔“

شیخ محمد اکرام نے یہ خیال نہ کیا کہ خواجہ بزرگ اجیری مستامن ہو کر اجیر آئے تھے۔ اگر کوئی مسلم غیر مسلم کی حکومت میں امان لے کر رہے تو وہ مستامن ہے اور اگر کوئی غیر مسلم، مسلم حکومت کی امان میں رہے تو وہ ذمی ہے۔ ان دونوں کو مملکت کے قوانین میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور حضرت مجدد اسلامی مملکت کے ایک فرد تھے، آپ کو پورا حق ملا ہے کہ مملکت کو اسلامی قوانین سے آگاہ کریں۔ چنانچہ آپ نے یہی کیا ہے۔

اگر شیخ محمد اکرام مستامن، معاہدہ ذمی اور حربی کی فقہی اصطلاحات سے باخبر ہوتے تو اس بات سے جیسا کہ انھوں نے ”رود کوثر“ کے صفحہ ۲۱۵ سواٹھارہ میں لکھا ہے۔ ”حضرت مجدد نے ہندو کے لئے ذمی کا لفظ کہیں نہیں استعمال کیا، ہمیشہ اہل کفر کہتے ہیں“ سمجھ لیتے کہ حضرت مجدد کا غصہ اور درشتی ان غیر مسلموں سے تھی جو ذمی نہ تھے، جو اسلامی مملکت میں امن سے نہیں رہ رہے تھے جن کو فقہی اصطلاح میں حربی کہتے ہیں چنانچہ حضرت مجدد نے دفتر دوم کے مکتوب اڑتالیس میں صاف طور پر ”کفار دار الحرب“ لکھا ہے۔ یعنی اس علاقے کے کافر جہاں مسلمانوں سے جنگ و جدال کا سلسلہ قائم ہے حضرت مجدد نے اگر حربیوں کے ساتھ درشتی کا اظہار کیا ہے تو اس میں کیا برائی ہے، وہ کونسی مملکت ہے جو اپنے ان مخالفوں کے ساتھ جو برسرِ پیکار ہوں یا باغی ہوں سختی نہ کرتی ہو، حضرت مجدد نے نہ تمام ہندوؤں سے اظہارِ نفرت کیا ہے اور نہ اس کی تعلیم دی ہے۔ آپ ہندوستان میں انبیاء کی بعثت کا بیان کرتے ہیں۔ دفتر اول کے مکتوب دو سو اسیٹھ میں تحریر فرمایا ہے۔

”یہ فقیر جب امم سابقہ پر نظر ڈالتا ہے تو ملاحظہ کرتا ہے کہ ایسی جگہ بہت ہی کم ہے کہ جہاں کسی نبی کی بعثت نہ ہوئی ہو حتیٰ کہ سرزمین ہند میں جو کہ اس معاملہ سے دور نظر آتا ہے پیغمبروں کی



بعثت ہوئی ہے اور ان پیغمبروں نے اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دی ہے۔ اور ہندوستان کے بعض مقامات میں انبیاء علیہم السلام کے انوار محسوس ہوتے ہیں جو کہ ظلمات شرک میں بہ مثل روشن مشعلوں کے نظر آتے ہیں۔

زبدۃ المقات اور حضرات القدس میں بھی اس کا ذکر ہے اور مؤخر الذکر نے لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ نے یہ بھی ارشاد کیا کہ اگر چاہوں تو ان مقامات کی نشان دہی کر سکتا ہوں جہاں ان حضرات کی قبریں ہیں اور ان کے انوار وہاں چمک رہے ہیں۔

سرہند سے کچھ فاصلہ پر موضع براس ہے، وہاں کے ایک ٹیلہ کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ یہاں حضرات انبیاء آرام فرما ہیں۔ چنانچہ بعض افراد برائے زیارت وہاں جاتے ہیں۔

حضرت مجددؒ کے مبارک طریقے اور مسلک پر آپ کی اولاد اور خلفاء عامل رہے اور اللہ کے فضل سے اب تک یہ نوع و کیفیتے عامل ہیں آپ ہی کے طریقے میں ایک فرد اکل حضرت میرزا جان جانان مظہر شہید قدس سرہ گزرے ہیں۔ کتاب ”کلمات طیبات“ میں آپ کے چودہویں مکتوب کا مطالعہ کیا جائے کہ آپ نے کیسے حقائق بیان فرمائے ہیں۔ اور غیر مسلموں (ہندوؤں) کے متعلق کیا کچھ تحریر فرمایا ہے۔ حضرت میرزا قدس سرہ حضرت مجددؒ کے عاشق و شیدا تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ ان کو ”قیم طریقہ احمدیہ“ لکھا کرتے تھے یعنی حضرت شیخ احمد سرہندی کے طریقہ کا قائم رکھنے والا، سنبھالنے والا۔ آپ کے مکتوب گرامی کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت مطہرہ میں نہ تمام ادیان کا ذکر ہے اور نہ تمام انبیاء کا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ يَعْنِي۔ اور ہم نے بھیجے ہیں بہت رسول تجھ سے پہلے، کوئی ان میں ہیں کہ سنایا تجھ کو ان کا احوال اور کوئی ہیں کہ نہیں سنایا، ہندوؤں کی قدیم کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دین کے قواعد میں نظم و نسق ہے۔ اور ان کا دین منسوخ شدہ ادیان میں سے ایک دین ہے اور بہ ظاہر جو شرک ان کے مذہب میں پایا جاتا ہے۔ وہ اس شرک سے متفاوت ہے جو عرب میں رائج تھا، بتوں کو ان کا سجدہ ”تجیت“ کا ہے نہ ”عبودیت“ کا اور وہ بتوں کو مظاہر کمالات سمجھتے ہیں۔ اور تنازع کے اعتقاد سے کفر لازم نہیں آتا۔ یعنی ہم اس عقیدہ کی بنا پر ان کو کافر قرار نہیں دے سکتے۔

نوخیز محققین کو نہ اصول کی خبر نہ فروع کی، نہ ان کو علوم شریعت سے کوئی تعلق ہے اور نہ اسرار طریقت اور رموز حقیقت سے، مستشرقین کے آراء ان کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں اور وہ لہین و اسٹالن اور ماؤ کے پرستار ہیں، ان لوگوں نے اگر حضرت مجددؒ پر ہندو دشمنی کا الزام لگایا ہے، حضرت میرزا کو بھی بدنام بلکہ خارج از اسلام کرنے کی کوشش کی ہے۔ لکھا ہے



کہ حضرت میرزا قدس سرہ تنازع کے قائل تھے۔ کہاں حضرت میرزا کا یہ ارشاد کہ تنازع کے اعتقاد کی وجہ سے ہم ہندوؤں کی تکفیر نہیں کر سکتے اور کہاں ان لوگوں کا یہ الزام۔ ع بسوخت عقل زحیرت کہ اس چہ بوالعجبی است۔

حضرت مجدد اور آپ کی مبارک اولاد کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ نے ”شجرہ مبارکہ“ قرار دیا ہے۔ یعنی برکت والا درخت۔ اس مبارک درخت کی یہ کیفیت ہے کہ ”جو شاخ شجر پھوٹی پھوٹوں سے بھری نکلی۔ اللہ کے فضل و کرم سے عالم اسلام ان کے فیوضات و برکات سے مستفیض اور بہرہ مند ہو رہا ہے۔

ناقصے گر کند این سلسلہ راطعنِ قصور حاشا لہ کہ برآرم بہ زباں این گلہ را  
ہمہ شیران جہاں بستہ این سلسلہ اند روبر از حیلہ چساں بگسلد این سلسلہ را

**آئینہ جہاں نما** حضرت مجدد اور آپ کی مبارک اولاد کے متعلق حضرت خواجہ نے فرمایا ہے۔ ”دلہائے عجب دارند“ یہ حضرات اپنی پاک باطنی اور صاف دلی کی وجہ سے ”آئینہائے جہاں نما“ بن گئے تھے۔

درِ سفالیں کاسہ زنداں بہ خواری منگرید کیس عزیزاں خدمت جام جہاں ہیں کردہ اند  
قدسیاں بے بہرہ اند از جرعمہ کاس الکرام ایں لطاول ہیں کہ باعشاق مسکین کردہ اند

جو بھی ان حضرات کا معاند اور مخالف ہوتا ہے وہ ان کے جہاں نما آئینوں میں اپنے خیالات فاسدہ اور اذہام باطلہ کے خدوخال کو دیکھتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس نے کھوج لگا کر کوئی پوشیدہ راز معلوم کر لیا ہے حالانکہ اس نے اپنے خفایائے باطن کا عکس ان پاک آئینوں میں دیکھا ہے۔

اذا ساء فعل المرء ساءت ظنونہ و صدق ما یعتادہ من توہم

اس وقت میرے سامنے دو افراد کی تحریریں ہیں، دونوں کا مقصد حضرت مجدد قدس سرہ کو غیر کامل اور نااہل ثابت کرنا ہے۔ ڈاکٹر رضوی کو، فقہ کالسط، شرابی، ظالم، انتقام پسند نالائق، انتشار اور اخلاقی بد حالی کے پلگ، جیسے احوال نظر آئے اور پروفیسر مجیب نے، روح کی بے عظمتی، تعریف کے ڈانڈے جو خوشامد سے جا ملے ہیں اور دیر تک سرکھاتے رہنا، دیکھا ہے، ان دونوں صاحبان نے لاشعوری طور پر اپنا خدوخال اور اپنے احوال کو دیکھ لیا ہے اور سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان کے ہاتھ کوئی راز لگ گیا ہے۔ ذلک ہوا الخسران المبین۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد منیش اندر طعنہ پا کاں برد

**دو واقعات** خوش نصیب افراد حضرت مجدد سے برابر مستفید ہو رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں دو واقعات لکھتا ہوں۔



(۱) حضرت حافظ محمد ہاشم مجددیؒ نے دو شنبہ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ - ۱۴ ستمبر ۱۹۶۳ء میں کوئٹہ بلوچستان میں مجھ سے بیان کیا، کہ ایک جلسہ میں میری ملاقات مولانا سید سلیمان ندوی سے ہوئی۔ وہ مجھ سے بڑی محبت سے ملے اور مجھ کو اپنا یہ واقعہ سنایا۔

میرے تین دوست اپنی موٹر میں لاہور سے دہلی آئے۔ مراجعت کے وقت اصرار کر کے مجھ کو اپنے ساتھ لیا۔ جب سرہند پہنچے وہ زیارت و فاتحہ کے لئے حضرت امام کے روضہ پر گئے۔ چوں کہ مجھ کو اس زمانے میں بزرگان دین سے لگاؤ نہ تھا۔ میں برائے فاتحہ نہ گیا، بلکہ مسجد شریف کی دیوار پر بیٹھ گیا جو کہ ایک گراونچی اور ڈیڑھ فٹ چوڑی رہی ہوگی۔ میرا منہ گنبد کی طرف تھا، میں نے دیکھا ایک شخص اکہرے بدن کے، کشیدہ قامت، نورانی چہرہ، داڑھی بہ قدر مسنوں، بال زیادہ سیاہ اور کم سفید، سر پر دستار رکھے میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا۔ ”تم فاتحہ پڑھنے کے واسطے نہیں گئے“ میں نے بہ جواب ”جی ہاں“ کہا۔ انھوں نے اپنی نظریں اٹھا کر مجھ کو دیکھا اور پھر وہ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ اور میں بہوش ہو گیا، جب میرے رفقاء فاتحہ پڑھ کر آئے۔ انھوں نے مجھ کو اٹھایا اور مجھ کو بہوش آیا۔ میرا یہ خیال ہے کہ حضرت امام بہ شکل مثالی مجھ پر ظاہر ہوئے تھے۔ آپ کی نظر کیمیا اثر نے میرے خیالات پر اثر ڈالا اور اس دن سے میرے خیالات بدلنے شروع ہوئے۔ الخ۔

(۲) شنبہ ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۸۳ھ (۳۱ اکتوبر ۱۹۶۳ء) جناب ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے ساتھ جناب محمد شریف (سابق شریف احمد) طارق ایم۔ اے۔ برائے ملاقات میرے پاس، ۹ ایبٹ روڈ۔ لاہور۔ تشریف لائے۔ طارق صاحب سے میری صرف یہی ایک ملاقات ہوئی ہے۔ جس زمانے میں وہ مجھ سے ملے، وہ حقیقی معنوں میں ایک صوفی باصفا اور حضرت مجددؒ کے عاشق و شیدا تھے۔ انھوں نے اپنے کلام کا آغاز اس طرح کیا۔ ”میں نے سنا کہ میرے محبوب کی اولاد میں سے ایک صاحب لاہور آئے ہیں، میں بھیجیں ہو گیا اور ملنے چلا آیا“ یہ کہہ کر چند منٹ تک ان پر خاص کیفیت طاری رہی ان کی آنکھیں بند تھیں اور آنسو جاری تھے، پھر انھوں نے بیان کیا کہ میں سرہند شریف گیا تھا جب روضہ مبارکہ پر حاضر ہوا اور فاتحہ پڑھی میں نے عیاںاً اپنی آنکھوں سے حضرت مجددؒ اور آپ کے صاحبزادے حضرت محمد صادق کو دیکھا۔ کیا ہی نورانی چہرے تھے۔ ان کی نورانی شکلیں میری آنکھوں کے

لے آپ کی ولادت ۱۳۲۳ھ میں ہوئی ہے۔ منڈہ سائیندا، قریب منڈہ محمد خاں، ضلع حیدرآباد سندھ آپ کا مولد و مسکن تھا۔ آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور علوم دین کی تکمیل مولانا معین الدین اجیری سے کی۔ فن طب بھی حاصل کیا۔ اسرار طریقت اپنے والد بزرگوار حضرت محمد حسن سے حاصل کئے۔ آپ کی تحریر اور تقریر نہایت شیریں و پاکیزہ تھی۔ ۱۳۹۵ھ کے ماہ صفر میں اپنے گیارہویں دادا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مبارک عرس میں شریک ہوئے اور وہاں سے اپنی ”تالیف لطیف“ زیارت فیض بشارت سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم“ مجھ کو ارسال کی اور یکشنبہ ۱۱ رمضان ۱۳۹۵ھ - ۲۸ ستمبر ۱۹۷۵ء کو رحلت فرمائے غلبہ میں ہوئے۔ ع۔ خدا بخشنے بہت سی خوبیاں انھیں ملنے والے میں۔ رَحِمَہُ اللہ وَرَضَیْ عَنہ۔



سامنے گھومتی رہتی ہیں۔ اس بیان کے بعد طارق صاحب پر پانچ سات منٹ وجد کی سی کیفیت طاری رہی۔ ان کی باطنی حرارت کا اثر نہ صرف مجھ پر بلکہ فاروقی صاحب پر اور میرے بہنوئی نواب زادہ لیتق احمد خان صاحب انصاری پانی پتی پر اور ان دو چار افراد پر بھی ہوا جو کہ اس وقت وہاں بیٹھے تھے پھر طارق صاحب نے نسبت شریفہ کے متعلق دریافت کیا اور نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ کے ایک پیر کا قول ذکر کیا۔ اس سلسلہ میں جو کچھ مجھ کو معلوم تھا میں نے ان سے کہا۔ میرے نزدیک وہ "أولسبى الشرب" تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں بہ عافیت رکھے۔ مجھ کو جب ان کی صحبت یاد آ جاتی ہے، درج ذیل اشعار پڑھتا ہوں۔

دیدم بہ خواب خوش کہ بہ دستم پیالہ بود  
تعبیر رفت و کار بہ دولت خوالہ بود  
آن نافہ مراد کہ می خواستم ز بخت  
در چین زلف آن بت مشکبیس کلالہ بود  
از دست برزدہ بود و خودم خمار عشق  
دولت مساعد آمد و می در پیالہ بود  
نالان و دادخواہ بہ میخانہ می روم  
کاجا کشاد کار من از آہ و نالہ بود  
ہر کو یکاشت ہر ز خوبی گلے بچید  
در زہ گزار بار نگہبان لالہ بود  
"خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را"

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی محبت سے ہمارے دلوں کو معمور رکھے، اور ان کے فیوض و برکات سے ہم کو مستفید کرے۔

حضرات ائمہ دین اور اولیاء رب العالمین، دین برحق کے عاشق و شیدا تھے۔ ان نیک بندوں کی اپنی کوئی خواہش نہ تھی۔ اگر طلب تھی تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی تھی، ان کے پیش نظر ہر وقت سر دارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد رہا کرتا تھا۔ "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جُشْتُ بِهِ" (ترجمہ) تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مؤمن (ایمان دار) نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے پیرو (تابع) نہ ہو۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ رضی عنہ پر مقتصم عباسی کے حکم سے کوڑے پڑتے رہے، بدن لہو لہا ہو گیا۔ دوران سزائیں دو مرتبہ مقتصم ان کے پاس آیا اور کہا۔ "وَمَحَكَ أَجَبْنِي إِلَىٰ شَيْءٍ لَّا فِيهِ آدَنِي فَرَجَ حَتَّىٰ أَطْلُقَ عَنْكَ بِيَدِي" افسوس ہے تم پر۔ تم مجھ سے ذرا سی ڈھیلی بات کہہ دو تاکہ میں اپنے ہاتھ سے تمہارے بند کھول دوں۔ آپ نے یہی جواب دیا۔ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اعْطُونِي شَيْئًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ أَوْ سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اے امیر المؤمنین آپ قرآن یا حدیث سے کوئی سند مجھ کو دیں تاکہ میں یہ بات کہہ سکوں۔ ۳۵



حضرت مجدد کے خلاف امرائے دربار نے سازش کی۔ عَنِيدُ الدَّرَاهِمِ وَاللَّيْنُ وَالْجَاهُ نے کفر کا فتویٰ لکھ کر آپ کو واجب القتل قرار دیا اور جہانگیر سے جب کہ وہ قہر و غضب اور سکر کے احوال میں تھا کہا گیا۔ آپ ان کی گستاخی ملاحظہ کریں کہ انہوں نے نہ آپ کو سجدہ کیا اور نہ وہ تعظیم بجالائے جو عام طور پر ایک دوسرے کی آپس میں کی جاتی ہے (دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر سر جھکانا) مفسدوں کو یقین تھا کہ جہانگیر آپ کو قتل کرادے گا۔ لیکن اللہ کی رحمتوں نے آپ کو بچایا اور آپ گوالیار کے قلعہ میں محبوس ہوئے۔

یہ حضرات اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہتھیلی پر جان لئے پھرتے تھے۔ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شوق کا بیان ان الفاظ سے کیا ہے۔ **لَوْ دِدْتُ أَنْ أَقْتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ أُحْيَى ثُمَّ أُقْتَلَ، ثُمَّ أُحْيَى ثُمَّ أُقْتَلَ، ثُمَّ أُحْيَى ثُمَّ أُقْتَلَ**۔ تمنا رکھتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر جلایا جاؤں اور پھر قتل لیا جاؤں۔ پھر جلایا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر جلایا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔ ان حضرات کے حسبِ حال کسی نے کہا ہے اور خوب کہا ہے۔

آں کس کہ ترا شناخت جان را چه کند  
فرزند و عیال و خان و ماں را چه کند

بھلا ان پاکیزہ نفوس کو لینین اور ماؤ کے نظریات سے کیا تعلق۔ البتہ جو افراد اکبر کی طرح مفتاح سعادت کھو بیٹھے ہیں اگر لینین اور ماؤ کے نظریات کی تحسین کریں تو کوئی بڑی بات نہیں، کیوں کہ ان کو ہر جگہ اباحت کے ابواب کھلے لیکنگے، ان کو نہ ”شرعیات کے ظواہر“ کی شکایت رہیگی اور نہ ”روزِ نماز کی پابندی“ کا ڈر رہے اور نہ ”فرقہ دارانہ زہر کا انجکشن“ تلاش کرنا پڑے گا اور نہ ”پسپائی اور حسد کے جذبہ“ سے تعلق رہے گا۔

اب چند سال سے نو خاستہ محققین نے ”وَحَدَّثِ اَدِيَان“ کا نعرہ بلند کیا ہے اور انکو مستشرقین کی حمایت بھی حاصل ہو گئی ہے۔ جدت پسند افراد کے لئے یہ نعرہ شاید دلچسپی کا سامان فراہم کرے لیکن جن کو اپنے مذہب سے لگاؤ ہے، ان کے پیش نظر یہ ارشاد رب العزت ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا  
يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ. (سورہ آل عمران آیت ۶۴)

ترجمہ۔ اے کتاب والو! ایک سیدھی بات پر ہمارے تمہارے درمیان کی، کہ بندگی نہ کریں  
مگر اللہ کی، اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کی کوئی چیز، اور نہ پکڑیں آپس میں ایک ایک کو رب سوا اللہ  
کے، پھر اگر وہ قبول نہ رکھیں تو کہہ، شاید دو (گواہ رہو) کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔“

۱۵ مشکات کتاب الجہاد فصل اول از مجتہدین۔ ۱۶ پر و فیسراکم مجیب کے ارشادات ہیں۔ ۱۷ ڈاکٹر رضوی کی تحقیقات ہیں۔



یعنی ہم تابع فرمان ہیں، ”کیوں“ اور ”کس“ لئے“ سے ہم کو بحث نہیں۔

فَإِنْ قَالَ بَنِي مُثِّمٌ سَمْعًا وَطَاعَةً وَقُلْتُ لِدَاعِي الْمَوْتِ أَهْلًا وَمَرْحَبًا

اگر مجھ کو مرنے کے لئے کہا جائے تو فرشتہ موت کو خوش آمدید کہتا ہوا مروں۔

اسلام نے ایک سیدھی بات کی دعوت دی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، شرک سے دور رہیں، کسی کے غلام نہ بنیں، کسی کو خوش کرنے کے لئے اپنے مولیٰ جل شانہ کو اور اپنے مذہب کو نہ بھولیں۔ حضرت مجددؒ نے اپنے مبارک مکتوبات میں بہت تاکید فرمائی ہے کہ بندہ کو چاہیے کہ اپنی خواہشات کو نیست و نابود کرے کیونکہ ”در تو یک یک آرزو ابلیس تست“ اور ارشاد کیا ہے کہ لا الہ سے تمام خواہشات کی نفی کرنی چاہئے کیونکہ خواہشات معبودات باطلہ کی صف میں ہیں۔ مع ہذا اسلام دینِ نیر ہے، سراسر خیر و برکت ہے، دینی اور دنیوی سعادت کا حامل ہے۔

اسلام بہ ذاتِ خود نہ دارد عیب ہر عیب کہ هست در سلمانی ماست

جس شخص کو ایسا بے مثال مذہب مل گیا ہو وہ دوسرے مذاہب کی طرف کیوں دیکھے۔

اں را کہ در سر لے نگاریت فارغ است از باغ و بوستان و تماشائے لال زار

رَبَّنَا لَا تَزِرْ غُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ اِیْمَانًا لَا یَزِیْدُ وَنِعْمَةً لَا تَنْقُذُ وَمُرَافَقَةً نَّبِیِّكَ فِی الْجَنَّةِ وَسَلَامًا عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔



## بُوئے کُلِّ رَبَّانِی

معاندین کو اللہ سمجھ دے، اُن کے خارجہ سے جو باطنی کوفت اور قلبی اذیت پہنچی ہے، اُس کے ازالہ کے واسطے بُوئے کُلِّ رَبَّانِی ہی اکسیر شفا ہے۔ "اِنَّ ذِكْرَهُ هُوَ الْمُسْكُ مَا كَثَرَتْ رَتْهُ يَتَضَوُّعٌ" کسی سرشار بادہ احمدی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی۔

نبی نیست لیکن بہ رنگِ نبی  
نگیں گشت در حلقہ اولیا  
بجو شد ز کولیش ہزاراں ولی  
چو در انبیا خاتم انبیا  
شقی گریباید شود بوسعید  
یزیدار بیاید شود بایزید

جناب محمد حبیب الرحمن خاں شروانی نے آپ کے پاکیزہ اور مستند احوال تحریر فرما کر "قُرۃ العین" کے نام نشر کئے ہیں۔ اُس گلدستہ بارغ ولایت کے کچھ پھول ہدیہ ناظرین ہیں۔

فرماتے تھے، ہم کیا ہمارا عمل کیا، جو کچھ عطا ہوا محض فضل و کرم، مثلاً اگر کرم بہانہ چاہتا تھا تو وہ متابعت ہے سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی، میں اپنی کامیابی کا مدار اسی کو جانتا ہوں۔ جو کچھ تھوڑا اور بہت مجھ کو ملا، متابعت سنت سے ملا اور جو نہیں ملا وہ اس وجہ سے نہیں ملا کہ بہ لحاظ بشریت اتباع سنت میں کوتاہی ہوئی ہوگی۔ اسی سلسلہ میں فرمایا، ایک بار سہواً بیت الخلا میں سیدھا پاؤں پہلے رکھ دیا تھا، اس روز بہت سے فیوض کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ مستحبات ادا کرنے کا نہایت اہتمام فرماتے تھے۔ فرمایا استحب کو لوگوں نے کیا سمجھ لیا ہے۔ مستحب کو اللہ دوست رکھتا ہے، جو عمل خدا کو دوست ہو اس کے عوض میں اگر دنیا و آخرت دیدیں تو کچھ بھی نہیں دیا۔ فرمایا ہم کو استحب کی رعایت کا اس قدر خیال ہے کہ وضو میں منہ دھونے کے وقت یہ ارادہ رہتا ہے کہ پانی پہلے سیدھے رخسارہ پر پہنچے تاکہ دست راست کا استحب ادا ہو جائے، پاس ادب اس درجہ ملحوظ تھا کہ ایک مرتبہ ایک حافظ فرش پر بیٹھے ہوئے آپ کو قرآن شریف سنا رہے تھے، جس جگہ آپ کی نشست تھی وہاں فرش پر ایک پچھونا زائد تھا آپ نے فوراً وہ پچھونا اٹھوا دیا تاکہ حافظ کی نشست سے آپ کی نشست ہتر نہ ہو جائے۔ آپ ہر نیک اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے تھے اور ہر نیک و بد کے جنازے کی نماز ادا فرماتے، مریض کی عیادت فرماتے اور مسنون دعائیں پڑھ کر اس پر دم فرماتے، زیارت قبور کے واسطے تشریف لے جاتے اور دعا و استغفار اہل قبور کے واسطے فرماتے۔ قبروں کے بوسہ کو اچھا نہیں خیال فرماتے تھے، موتی سے استعانت کو جائز فرماتے تھے۔ کسی نے مخلوق کی جفا اور ملامت کی شکایت کی تو تحریر فرمایا کہ خلق کی جفا اور ملامت گروہ فقرار کے لئے جمال اور صیقل زنگار ہے اس سے ملول اور مکدر کیوں ہوتے ہو جس زمانے میں فقیر قلعہ میں قید تھا معلوم ہوتا تھا کہ ملامت خلق کے دل بادل شہر اور دیہات کے نورانی



سحاب بن کر چلے آتے تھے۔ مدت تک تربیت جمالی سے راہ لے کی ہے، اب تربیت جلالی سے منزل سلوک طے کر دیا، مقام صبر بلکہ مقام رضا میں ثابت قدم رہو، جمال و جلال کو برابر مانو۔ تم نے لکھا ہے جب فتنہ کا ظہور ہوا نہ ذوق رہا نہ حال، ہونا یہ چاہیے کہ ذوق و حال دو گنا ہو گنا ہو۔ جفا کے محبوب میں وفا کے محبوب سے زیادہ لذت ہے۔ عوام الناس کی سی باتیں کرتے ہو یہ کیا بلا ہے۔ محبت ذاتی سے دور مت ہو، جلال کو جمال سے بڑھ کر تصور کرو۔ انعام سے ایلام بہتر ہے، جمال و انعام میں محب کی خاطر کا بھی لگاؤ ہے۔ جلال و ایلام میں خالص مراد محبوب ہے۔ خاطر محب کا شائبہ نہیں، یہاں وقت اور حال پہلے سے بہتر ہے۔ الحمد اور استغفار کا درد بکثرت فرماتے۔ تھوڑی — نعمت پر بھی بہت سانس کر فرماتے، اگر کبھی ترکِ اولیٰ ہو جاتا تو استغفار کثیر فرماتے مصیبت پیش آتی تو فرماتے کہ یہ ہمارے اعمال کی شامت ہے مگر بہت سے گناہوں کا صابون ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ قید کی مصیبت حقیر پر کیوں نازل ہوئی۔ فرمایا ہمارے اعمال بد کے باعث ہے اور یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی۔ مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ۔ باوجود کثرتِ عمل اور عبادت کے یہی خیال غالب تھا کہ مجھ سے کچھ نہیں ہو سکا اپنا تصور ہر وقت پیش نظر رہتا تھا۔ یہی تعلیم دوستوں کو تھی۔ فرماتے تھے خود پسندی عملِ صالح کو اس طرح فنا کر دیتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو۔ ارشاد تھا کہ اپنی خفیہ برائیوں کو پیشِ نظر رکھ کر اچھے اعمال سے بدگمان رہنا چاہیے۔ ایک روز صاحبزادہ (محمد صادق) کی روح کو ایصالِ ثواب کی نیت سے کھانا پکوا یا تھا۔ کمال انکسار سے فرمایا کہ یہ ہمارا کھانا کیونکر قبول ہوگا، اس لئے کہ شرط قبولِ تقویٰ ہے۔ اِنْ شَاءَ يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ۔ اللہ پر ہیزگاروں سے قبول فرماتا ہے۔ اسی خیال میں تھے کہ بد آئی۔ اَنْتَ مِنَ الْمُتَّقِينَ۔ تم پر ہیزگاروں میں شامل ہو۔ ایک اور موقع پر فرماتے ہیں۔ مقصود ازیں گفتگو اظہارِ نعمتِ حق است سُبْحَانَهُ وَتَرغیب طالبانِ اس طریقت نہ تفضیلِ خود بردیگراں، معرفتِ حق جَلِّ وَ عَلَا برآں کس حرام است کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند۔ فَلَکَيْفَ اکابر دین۔

و لے چوں شہ مرا برداشت از خاک  
من آں خاکم کہ آبرِ نوبہاری  
سَر ز دار بگزارانم سَر ز افلاک  
کند از لطف بر من قطره باری  
اگر بر روید از تن صد زبَانم  
چو سوسن شکرِ لطفش کے توانم

رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَارْضَاهُ عَنَّا۔



## مراجع کتاب "حضرت مجدد اور ان کے ناقدین"

نمبر شمار	نام کتاب و نام مؤلف اور کیفیت
۱	ترجمہ قرآن مجید از حضرت شاہ عبدالقادر مع موضع قرآن۔
۲	تفسیر روح المعانی از سید محمود آلوسی، مطبوعہ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ۔
۳	تفسیر سواطع الالہام از ابوالفیض فیضی، مطبوعہ نول کشور ۱۳۰۶ھ۔
۴	تفسیر درالاسرار از شیخ محمود مفتی شام، ملک شام میں چھپی ۱۳۰۶ھ۔
۵	صحیح امام بخاری مطبوعہ ہند۔
۶	جامع ترمذی مطبوعہ ہند۔
۷	مشکات المصابیح مطبوعہ ہند۔
۸	مرقات المفاتیح از ملا علی قاری، طبع کردہ ابنائے سورتی، بمبئی۔
۹	فتح الباری از حافظ ابن حجر عسقلانی، مطبوعہ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ۔
۱۰	الاصابہ فی تمییز الصحابہ از ابن حجر عسقلانی طبع کردہ مدرسہ اسقف، کلکتہ۔
۱۱	لسان المیزان از ابن حجر عسقلانی طبع کردہ دائرۃ المعارف ۱۳۲۹ھ۔
۱۲	الطبقات الکبریٰ از ابن سعد، مطبوعہ بیروت ۱۳۱۰ھ۔
۱۳	الجامع الصغیر از جلال الدین سیوطی، مطبوعہ مہمنہ مصر ۱۳۲۱ھ۔
۱۴	انسان العیون (سیرت حلبی) از علی حلبی، طبع کردہ محمد افندی مصطفیٰ ۱۳۰۸ھ۔
۱۵	مطابقۃ الاختراعات العصریۃ از احمد العماری، طبع چہارم مکتبہ قاہرہ ۱۳۸۷ھ۔
۱۶	موضوعات کبیر از ملا علی قاری، طبع کردہ مجتہبائی دہلی ۱۳۱۵ھ۔
۱۷	تدوین حدیث از سید مناظر احسن گیلانی،
۱۸	فتح القدیر از علامہ ابن الہمام، مطبوعہ تجاریہ کبریٰ، مصر، ۱۳۵۶ھ۔
۱۹	ایضاح الدلالات از علامہ عبدالغنی نابلسی۔
۲۰	سل المحسام الہندی از ابن عابدین (رسائل ابن عابدین) مطبوعہ ترکیہ ۱۳۲۱ھ۔
۲۱	رقعات حضرت خواجہ باقی باللہ (در مجموعہ) قلمی نسخہ، محررہ ۱۲۸۰ھ۔
۲۲	مکتوبات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی طبع کردہ مولوی نور احمد لہوری امرتسری۔



نمبر شمار	نام کتاب و نام مؤلف اور کیفیت
۲۳	مکتوبات حضرت امام ربانی در عربی مطبوعہ میریہ مکہ مکرمہ ۱۳۱۶ھ۔
۲۴	رسالہ مبدا و معاد از حضرت مجدد (در مجموعہ) قلمی نسخہ محررہ ۱۳۶۴ھ۔
۲۵	رسالہ اثبات نبوت از حضرت مجدد (در مجموعہ) قلمی نسخہ محررہ ۱۳۶۴ھ۔
۲۶	رسالہ مکاشفات غیبیہ از حضرت مجدد (در مجموعہ) قلمی نسخہ محررہ ۱۳۶۴ھ۔
۲۷	رسالہ رد شیعہ از حضرت مجدد (در مجموعہ) قلمی نسخہ محررہ ۱۳۶۴ھ۔
۲۸	مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم حصہ سوم قلمی انگریزوں کے غدر سے پہلے کا تحریر کردہ
۲۹	مکتوبات حضرت محمد سیف الدین، قلمی، مکہ مکرمہ میں ۱۳۵۱ھ کو لکھا گیا ہے۔
۳۰	مکتوبات حضرت شاہ غلام علی، مطبع عزیز میڈراس میں ۱۳۳۳ھ کو طبع ہوا۔
۳۱	نفحات الانس از مولانا جامی، قلمی، محررہ ۹۹۲ھ در مقام بڑوچ۔
۳۲	رشحات عین النجات از ملا علی کاشفی، قلمی، مجددول عمدہ غالباً دو سو سال پہلے کا تحریر کردہ
۳۳	میلک الرجال از خواجہ عبید اللہ، خواجہ کلان، قلمی، محررہ ۱۳۶۱ھ۔
۳۴	رباعیات و شرح رباعیات از خواجہ محمد عبداللہ، خواجہ خورد، قلمی، محررہ ۱۳۶۱ھ۔
۳۵	عبقات از شاہ محمد اسماعیل۔ مطبوعہ مجلس علمی کراچی در ۱۳۸۰ھ۔
۳۶	زبدۃ المقامات از خواجہ محمد ہاشم کشمی، قلمی، محررہ ۱۳۸۰ھ۔
۳۷	حضرت القدس از شیخ بدر الدین سرہندی قلمی، محررہ ۱۰۹۹ھ۔
۳۸	مجمع الاولیا از علی اکبر حسینی، قلمی در انڈیا آفس لائبریری لندن و در رضا لائبریری رامپور
۳۹	جامع کرامات الاولیا از یوسف نبہانی۔ مطبوعہ دارالکتب العربیہ مصر، ۱۳۲۹ھ۔
۴۰	مقامات معصومی از صفرا احمد مخدومی، قلمی، محررہ ۱۳۹۲ھ در مدینہ منورہ۔
۴۱	مقامات مظہری از شاہ غلام علی مطبوعہ احمدی ۱۳۶۹ھ۔
۴۲	بشارات مظہری از شاہ نعیم اللہ بہرائچی نوشتہ ۱۳۰۷ھ عکس نسخہ انڈیا آفس لائبریری
۴۳	رسالہ احقاق الحق از قاضی ثناء اللہ۔ آپ کے ہاتھ کا تحریر کردہ در ۱۳۶۰ھ۔
۴۴	رسالہ شاہ غلام علی در دفع اعتراضات شیخ عبدالحق۔ انگریزوں کے غدر سے پہلے کا لکھا ہوا۔
۴۵	رسالہ شاہ عبدالعزیز در دفع اعتراضات برکلام حضرت مجدد و ضمیمہ فتاویٰ عزیز می مطبوعہ مجتہبائی
۴۶	انوار احمدیہ از وکیل احمد سکندر پوری۔ مطبوعہ مجتہبائی دہلی ۱۳۰۹ھ۔
۴۷	ہدیہ مجددیہ از وکیل احمد سکندر پوری۔ مطبوعہ مجتہبائی دہلی ۱۳۱۱ھ۔
۴۸	تذکرہ امام ربانی از محمد منظور نعمانی۔ مطبوعہ دفتر الفرقان لکھنؤ ۱۳۷۸ھ۔
۴۹	وعدۃ الوجود از عبدالحق بحر العلوم مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۹۱ھ۔



- ۵۰ در لاثانی از شاہ ہدایت علی۔ مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۳۵۴ھ
- ۵۱ تجلیات ربانی۔ از نسیم احمد فریدی مطبوعہ دفتر الفرقان لکھنؤ ۱۳۵۶ھ
- ۵۲ رود کوثر از شیخ محمد اکرام۔ مطبوعہ فیروز سنز بارہنجیم ۱۹۴۰ھ
- ۵۳ حیات مجدد۔ از محمد فرمان۔ مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۵۸ھ
- ۵۴ مقالات یوم مجدد۔ مطبوعہ میان جمیل احمد شریقیور لاہور ۱۹۴۵ھ
- ۵۵ تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد مطبوعہ لاہور
- ۵۶ مقامات خیر۔ طبع شدہ از درگاہ شاہ ابوالخیر ۱۳۹۲ھ
- ۵۷ اردو ترجمہ نزک جہانگیری۔ مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۰ھ
- ۵۸ سبحة المرجان۔ از سید غلام علی آزاد بلگرامی۔ قلمی خوشخط مجدول، عمدہ
- ۵۹ ابجد العلوم از سید صدیق حسن خان مطبوعہ صدیقیہ بھوپال ۱۲۹۶ھ
- ۶۰ نزہۃ الخواہر از سید عبدالحی مطبوعہ حیدر آباد دکن
- ۶۱ تاریخ ہندوستان۔ از محمد ذکار اللہ مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۱۶ء
- ۶۲ شذرات الذهب۔ از عبدالحی ابن العمد مطبوعہ تجاریہ کبری بیروت
- ۶۳ تاریخ الأمم والملوک از طبری مطبوعہ استقامہ مصر ۱۳۵۴ھ
- ۶۴ تاریخ البدایہ والنہایہ از ابن کثیر۔ مطبوعہ مصر بار اول ۱۳۵۱ھ
- ۶۵ تاریخ مرآة الجنان۔ از عبد اللہ یافعی۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۴ھ
- ۶۶ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ مطبوعہ مصر ادارة الخطیب در ۱۳۲۲ھ
- ۶۷ سفینۃ الاولیاء از داراشکوہ محررہ ۱۰۰۶ھ
- ۶۸ سفینۃ الاولیاء۔ مطبوعہ نول کشور ۱۸۷۲ء
- ۶۹ آثار الہیادید۔ از سید احمد خان مطبوعہ نول کشور، بار سوم ۱۲۵۰ھ
- ۷۰ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۸۲ھ
- ۷۱ احوال و آثار عبد اللہ خویشگی قصوری از محمد اقبال مطبوعہ لاہور ۱۳۹۱ھ
- ۷۲ شاہ محمد غوث گوالیاری۔ از محمد مسعود احمد۔ مطبوعہ میر پور سندھ ۱۳۸۲ھ
- ۷۳ ارواح ثلاثہ مطبوعہ امداد الغربا۔ سہارنپور ۱۳۷۰ھ
- ۷۴ التعریفات از سید شریف عبد القاہر جرجانی۔ مطبوعہ استانبول ۱۳۲۴ھ
- ۷۵ فرہنگ آصفیہ از سید احمد دہلوی۔ مطبوعہ گلزار محمدی پریس لاہور ۱۹۱۸ء
- ۷۶ غیاث اللغات



# حضرت مصنف دامت برکاتہ کی بعض

## دوسری کتابیں

- ۱۔ وَحْدَةُ الْوُجُود | ملنے کا پتہ: ندوۃ المصنفین، اردو بازار، دہلی ۲  
۲۔ علامہ ابن تیمیہ اور ان کے ہم عصر علماء | ملنے کا پتہ: مجلس روضۃ المعارف المجددہ  
۲۲-۷-۱۹۳- روبرو مدینہ بلڈنگ جیڈ آباد

- ۳۔ بزم خیر از زید در جواب بزم جمشید۔  
۴۔ مَنَهَجُ الْإِيْتَاءِ فِي السَّلَامِ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ وَالرِّضَاءِ عَنِ الْأَوْلِيَاءِ۔  
۵۔ مجموعہ خیر البیان (تین رسالوں کا مجموعہ) خیر البیان، خیر المورود، نظم شمائل۔  
۶۔ مَنَاهِجُ السَّنَنِ وَمَدَارِجُ الْخَيْرِ (فارسی) سلوک نقشبندیہ مجددیہ کے بیان میں  
۷۔ مقامات خیر (سوانح ہادی کامل شاہ ابوالخیر ۱۳۹۲ھ) پہلی طباعت ۲۶x۲۰  
مقامات خیر (سوانح ہادی کامل شاہ ابوالخیر ۱۳۹۲ھ) دوسری طباعت۔

آفسٹ ۲۲x۱۸

۸۔ مقامات اخیار (سوانح حیات ابوالخیر ۱۳۹۲ھ) فارسی۔ آفسٹ

ملنے کا پتہ

حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی۔ درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر

شاہ ابوالخیر مارگ۔ دہلی ۱۱۰۰۰۶